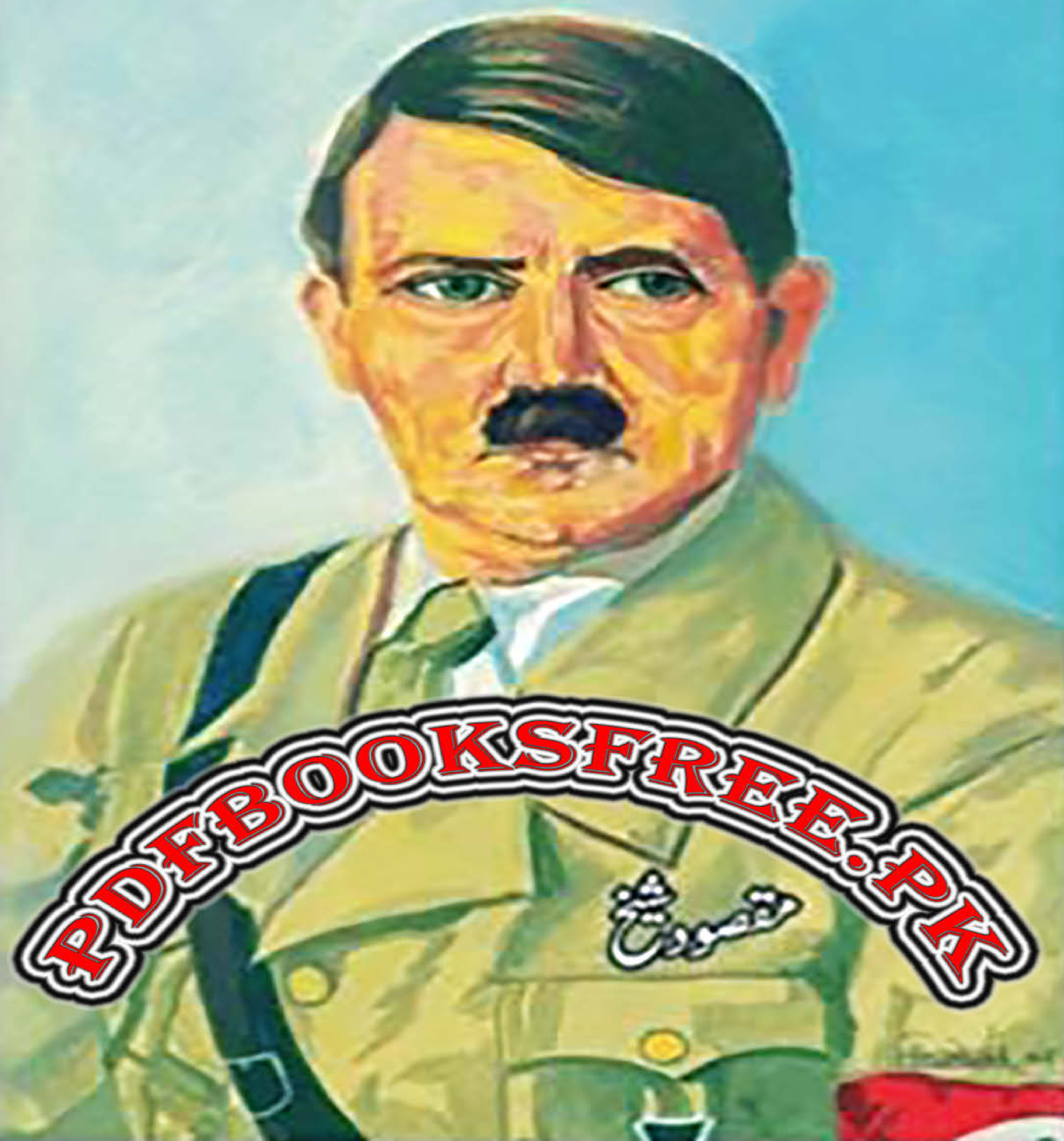
ہٹلر (HITLER)



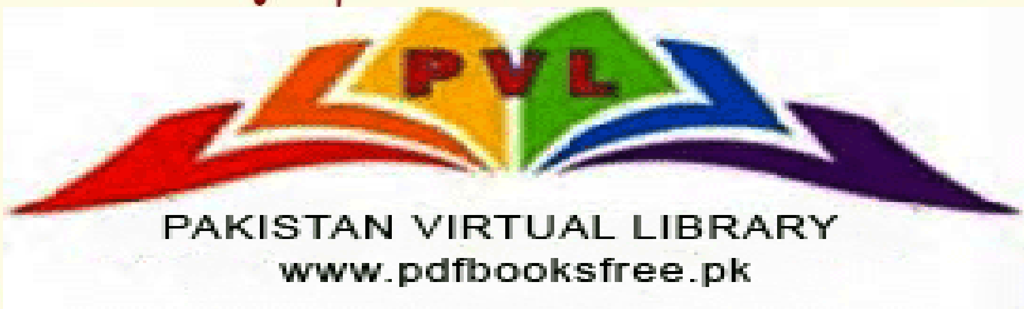
بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یادیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔



انتساب!

میرے عظیم اور عالی المرتبت والدین

کے نام

جن کی بدولت آج میں اس مقام پر ہوں



فہرست

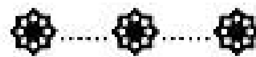
فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست



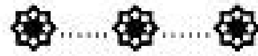
پیش لفظ

اس کتاب کی تالیف کا مقصد روایتی انداز میں لکھی تاریخ سے ہٹ کر تاریخ میں نئے اور تجزیاتی (Analytical) زاویے روشناس کروانا اور آج کے قاری کو تاریخ کے موضوع کی وسعت کے بارے میں باور کروانا ہے۔ عموماً حکمرانوں کی سوانح کو تاریخ کا نام دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہٹلر کے موضوع پر لکھی گئی زیادہ کتب اس کی سوانح عمری سے شروع ہو کر موت پر اختتام پذیر ہو جاتی ہے جبکہ اُس کا نظریہ اُس کی موت کے بعد بھی زندہ رہا۔
تاریخ کو ایک خالص علمی موضوع کے طور پر لیا جانا چاہیے جس میں کسی تعصب کے بغیر دلائل سننے اور دینے کی عادت سے علم حاصل ہوتا ہے اور ادھورے نظریات کی نفی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ کس شخصیت کے ساتھ "اعظم" کا لفظ لگتا ہے کس کے ساتھ نہیں۔ وہ شخص جو سفاک اور بے رحم تھا۔ جس کے دامن پر معصوم انسانیت کا خون دھوئے نہیں دھل سکتا۔ اس اعتبار سے ہٹلر ہٹلرِ اعظم یا سکندر، سکندرِ اعظم کہلانے کا حق دار نہیں بنتا۔ قتل و غارت کرنے والے کسی شخص کو عظیم نہیں کہا جا سکتا۔ فتوحات حاصل کرنا ایک دوسرا معیار ہے۔
میرے مطابق عظیم لیڈر کہلانے کا حق دار وہ ہے جو بے عیب اور قابل تقلید ہو۔ جس کے دامن پر خون کے چھینٹے نہ ہوں اور اس کے مذہبی اور اخلاقی عقائد (Religions and moral beliefs) سب کے لیے قابل قبول ہوں وہ مذہبی اور اخلاقی اقدار (Values) سے انحراف نہ کرتا ہو بلکہ پاسبان ہو۔ لیڈر کی اس تعریف پر اگر چنگیز خان، ہلاکو، نپولین اور ہٹلر کو رکھ کر پرکھا جائے خواہ وہ اپنی اقوام کے لیے کتنے بڑے لیڈر ہوں۔ حتیٰ کہ اگر کمال اتاترک کو بھی رکھا جائے تو اس سانچے میں وہ بھی مکمل فٹ نظر نہیں آتے۔ کیا یہ تمام شخصیات اعلیٰ مذہبی اور اخلاقی اقدار کی پیروی کما حقہ کرتی تھیں، جواب "نفی" میں ملے گا۔ ہمارے قائداعظم محمد علی جناح ؒ اس معیار پر پورا اترتے نظر آتے ہیں۔ فیصلہ تاریخ کے معزز قاری پر چھوڑتا ہوں۔
ہٹلر کے بارے میں ایک بات وثوق سے لکھی جا سکتی ہے کہ اس نے (Statusquo) پر کاری ضرب لگائی اور سیاسی اور قومی جمود کو توڑا۔ اس نے دشمن طاقتوں کی مطلق العنانی اور سیاسی اجارہ داری سے بغاوت کر کے اپنی شرائط اور نظریات کے بل بوتے پر زندگی گزاری۔ بلاشبہ ہٹلر نے قوم پرستی (Nationalism) کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ اس اعتبار سے اس نے تاریخ کے عمل کو آگے بڑھایا۔ وہ عام انسانوں کی طرح ایک عام انسان تھا لیکن قوم کے لیے کچھ کر گزرنے کے جنون میں اس کے اندر غصے اور جذبات کا ایک جوالہ مکھی جوش مار رہا تھا۔ حالات نے اس چنگاری کو ایک مکمل شعلہ بنا دیا جس نے اپنی راہ میں آنے والی ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس نے ہر فیصلہ (Do Or Die) کی یکطرفہ دماغی سوچ (Single minded approach) کے تحت کیا۔ میونخ میں جب کوئی جلسہ عام منعقد کرنے کی جرأت نہ رکھتا تھا اس نے اپنی زبردست خوداعتمادی اور قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت یہ کارنامہ کر دکھایا۔

ہٹلر سفاک تھا اور اپنے مقصد اور خواہش کی تکمیل کے لیے جان دے بھی سکتا تھا اور جان لے بھی سکتا تھا۔ وہ ظلم کا ہتھیار استعمال کرنے سے ذرا برابر تامل نہیں کرتا تھا۔

ہٹلر نے پیشین گوئی کی تھی کہ 1980ء تک دنیا پر قابض ہونے کی جنگ میں امریکہ کے مقابل برطانیہ اور جرمنی کی افواج ہوں گی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی سلطنت ہزار سال رہے گی لیکن صرف بارہ سال چار ماہ ہی رہ سکی ہزار سال سے مراد شاید ہٹلر کے نظریات کی طبعی عمر ہو جو کسی نہ کسی شکل میں آج بھی موجود ہیں۔ تعلیمی لحاظ سے ہٹلر اَن پڑھ تھا چنانچہ اس کے ذہن میں تعلیم کی قدر اور نظریات کی پختگی کا وہ تصور نہ تھا جو یورپین اقوام کا شعار رہا ہے اور جس کی بدولت انھوں نے دنیا بھر میں اپنی برتری منوالی۔

فلسفیانہ موشگافیوں اور روایتی تاریخ سے ہٹ کر ہٹلر کے سیاسی فلسفے اور اس کے نظریات کا تجزیہ کرنا اور جذبات سے پاک مقصدیت اس کتاب کا بنیادی فلسفہ ہے۔ ہٹلر جرمن قوم کا ایک لازوال کردار تھا جسے انسانی تاریخ سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ جب بھی انسانی تاریخ کی بات ہوگی ہٹلر کو بھلایا نہ جا سکے گا۔



جرمن تاریخ کے ماہ وسال

1933ء

30 جنوری: ایڈولف ہٹلر کو جرمنی کا چانسلر منتخب کیا گیا۔

یکم اپریل: نازی پارٹی نے یہودیوں کے ملکیتی کاروباروں کا ایک روزہ بائیکاٹ شروع کیا۔

7 اپریل: سول سروس کے پروفیشنل معیار کی بحالی کا قانون بنایا گیا۔ جس کے تحت یہودی اور نازی مخالف عناصر کو سرکاری اور عوامی اداروں میں کام کرنے سے روک دیا گیا اور اہم عہدوں سے ہٹا دیا گیا۔

10 مئی: یہودی مصنفین اور مفکرین کی کتابوں کو نذرِ آتش کیا گیا، ان میں تھامس اور ہنرک مان، ہنرک ہائین اور البرٹ آئین سٹائین شامل تھے۔

14 جولائی: ایک قانون بنایا گیا جس کے تحت 1918ء کے بعد جرمن شہریت رکھنے والے ناپسندیدہ عناصر کی شہریت ختم کر دی گئی۔ ان ناپسندیدہ عناصر میں مشرقی یورپ کے یہودی شامل تھے۔ اس قانون نے یہودیوں کو براہِ راست نشانہ تو نہیں بنایا لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی میں آباد ہونے والے یہودیوں کی کثیر تعداد براہِ راست اس قانون کی زد میں آ گئی۔

17 اکتوبر: یہودیوں پر جرمن پریس میں کام کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔

1934ء

یکم اپریل: ہنرک ہملر کو جرمنی میں S S تنظیم کا سربراہ مقرر کیا گیا۔

13 جنوری: سار (Saar) کا علاقہ جو 1919ء کے بعد لیگ آف نیشنز کے زیر کنٹرول تھا۔ ایک رائے شماری کے بعد جرمنی میں ضم کر لیا گیا۔

16 مارچ: معاہدہ ورسٹیز کی پابندیوں کے باوجود جرمن فوج میں اصلاحات کے عمل کا آغاز کیا گیا۔ اس قانون کی رو سے صرف "آرین نسل" کے جرمنوں کو فوج میں شامل کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کو جرمن مسلح افواج سے نکال دیا گیا۔

15 ستمبر: نیورمبرگ میں نازی پارٹی کی ریلی کے دوران مجوزہ نیورمبرگ قوانین منظور کر لیے گئے۔ ہر دو قوانین کا تعلق، جرمن خون اور عزت کے تحفظ اور غیر آرین کو جرمن شہریت حاصل کرنے سے روکنا تھا۔

14 نومبر: رائخ کی شہریت کے قانون کا پہلا آرڈیننس (نیورمبرگ کا قانون) نافذ کیا گیا۔ اس قانون نے "یہودی" کے لفظ کی نئی تعریف کی۔ اس نسلی

تعریف میں یہودی نسل کے مردوں، بچوں، یہود بننے والوں کے پوتوں اور متفرق نسبت سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کے بارے میں اصول وضع کیے گئے۔

1936ء

یہودی اساتذہ کو ''آ ئین'' بچوں کو پڑھانے سے روک دیا گیا۔

1937ء

24 جولائی: جرمن وزارتِ داخلہ نے عوامی ٹائلٹس اور تفریحی مقامات پر یہودیوں کو آرین سے الگ کرنے کے احکامات جاری کیے۔

اکتوبر: یہودی کاروباری اداروں کی آریانیزیشن یعنی جائیدادوں کی جرمن کو منتقلی شروع ہوئی۔

1938ء

13 مارچ: Anschluss کے تحت آسٹریا کا جرمنی کے ساتھ پہلے الحاق کیا گیا اور پھر ضم کر دیا گیا۔ جرمنی میں جو قوانین اور پابندیاں یہودیوں پر لگائی گئی تھیں ان کا اطلاق آسٹریا کے ایک لاکھ نوے ہزار یہودیوں پر ہوا۔

26 اپریل: حکم دیا گیا کہ جرمنی اور آسٹریا میں یہودی پراپرٹی کو رجسٹر کروانا لازمی ہوگا۔

9 جون: میونخ جرمنی میں ایک یہودی مذہبی عبادت گاہ کو تباہ کر دیا گیا۔

14 جون: جرمنی اور آسٹریا میں واقع یہودی تجارتی اور کاروباری اداروں کو باقاعدہ طور پر یہودیوں کے اداروں کے طور پر درج کیا گیا۔

جولائی۔ستمبر: یہودی ڈاکٹروں اور وکیلوں کو جرمنی میں پریکٹس کرنے اور غیر یہودیوں کا علاج کرنے سے روک دیا گیا۔

17 اگست: جرمنی میں یہودیوں پر لازم کر دیا گیا کہ وہ اپنے ناموں کے درمیانی نام کے طور پر ''اسرائیل'' یا ''سراہا'' کا نام شامل کریں گے۔ اس بات کا انحصار ان کے مرد یا عورت ہونے پر تھا۔

اکتوبر: ایک حکم کے تحت جرمنی میں یہودیوں کو مخصوص شناختی کارڈ اور پاسپورٹ جاری کیے گئے جن پر 'J' کا سرخ رنگ کا نشان واضح طور پر درج تھا۔

26 اکتوبر: جرمنی میں رہائش پذیر پولینڈ کی شہریت رکھنے والے 17,000 یہودیوں کو ملک سے نکال دیا گیا اور پولینڈ کی سرحد پر لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔

7 نومبر: پیرس میں رہائش پذیر جرمنی سے نکلے ایک یہود خاندان کے سترہ سالہ بیٹے ہرشل گرزپین نے فرانس کے جرمن سفارت خانے میں خدمات سرانجام دینے والے سیکرٹری آرنسٹ ووم ریت کو قتل کر دیا۔

9-10 نومبر: ووم ریت کی موت کے ردِعمل میں ایک ہی رات میں 91 یہودی ہلاک کر دیے گئے، 191 مذہبی عبادت گاہیں جلا دی گئیں۔

7500 دکانیں جو یہودیوں کی ملکیت تھیں لوٹ لی گئیں اور 30,000 یہودیوں کو مشقتی کیمپوں میں بھیج دیا گیا۔

12 نومبر: ووم ریت کے قتل کے ہرجانے کے طور پر یہودیوں پر 1 بلین جرمن مارک کا جرمانہ عائد کیا گیا جسے جرمن خزانے کو ادا کیا جانا تھا۔

15 نومبر: یہودی بچوں کو ریاستی سکولوں میں پڑھنے سے روک دیا گیا۔

نومبر۔دسمبر: یہودیوں کی آزادانہ نقل وحرکت پر پابندی لگادی گئی۔

3 دسمبر: جرمنی میں یہودی ملکیتی کاروبار اور اداروں کی آریانیزیشن کا عمل شروع کردیا گیا۔

8 دسمبر: ایک حکم کے ذریعے جرمن یہودیوں کو یونیورسٹیوں، تعلیمی اداروں اور تحقیقی سکولوں سے نکال دیا گیا۔

1939ء

30 جنوری: وہ دن جب نازی جرمنی کے اقتدار پر براجمان ہوئے۔ ہٹلر نے پارلیمنٹ کے ایوانِ زیریں (Reichstag) میں خطاب کرتے ہوئے جرمنی سے یہودیوں کے خاتمے کی بات کی۔

15 مارچ: میونخ معاہدے کو نظر انداز کرتے ہوئے جرمن دستوں نے چیکوسلواکیا پر حملہ کردیا۔ میونخ معاہدہ ہٹلر اور برطانوی وزیراعظم چیمبرلین کے درمیان طے پایا تھا۔ جس نے صرف سوڈیٹیلینڈ کے علاقے کی جرمنی میں ضم کیے جانے کی اجازت دی تھی۔

30 اپریل: یہودی مالکوں سے ان کی جائیدادیں چھین لی گئیں۔

6 جولائی: ایوین فرانس میں امریکی صدر روز ویلٹ کی طرف سے منعقد کردہ بین الاقوامی کانفرنس شروع ہوئی جس کے انعقاد کا مقصد ''سیاسی مہاجرین'' کی نقل مکانی کے موضوع پر بات کرنا تھی۔ کانفرنس میں 32 ممالک سے وفود نے شرکت کی، جو ناکام رہی۔

23 اگست: سودیت نازی معاہدہ طے پایا، اسے ربن ٹروپ مولوٹو عدم جارحیت کے معاہدے کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس معاہدے نے نازیوں کو پولینڈ پر چڑھائی کرنے کی آزادانہ اجازت دے دی تھی۔

یکم ستمبر: جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کردیا اس واقعے نے دوسری جنگ عظیم کی بنیاد رکھی۔

21 ستمبر: ہملر کے ڈپٹی رائین ہارڈ ہیڈرچ نے یہودیوں کے بارے میں نئی نازی پالیسی کے بارے میں ہدایات نامہ جاری کیا۔ جس کے تحت ہیڈرچ نے مستقبل قریب میں یہود کونسلوں کے قیام اور بڑی آبادیوں میں یہودی ''اضلاع'' بنانا تھا۔ حتمی ارادے کے بارے میں کاغذ خاموش تھا لیکن مقصد ظاہر تھا کہ ایسا مرحلہ وار ہی سامنے آئے گا۔

اکتوبر: بوہیمیا، موریویا اور ویانا (آسٹریا) سے ہزاروں یہودیوں کی بیدخلی جنوب مغربی پولینڈ کے علاقے نسکو کی طرف شروع ہوئی۔ علاقے کا انتخاب یہودیوں کی آبادکاری کو مدنظر رکھ کر کیا گیا تھا۔

17 اکتوبر: ہملر کے اختیارات بڑھا دیے گئے۔ اسے رائخ کمشنر کی نئی پوزیشن دے دی گئی تاکہ وہ یہودیوں کی نقل وحمل اور دوبارہ

آبادکاری کے سلسلے میں وسیع اقدامات اٹھا سکے۔اس کے ابتدائی اقدامات میں مغربی پولینڈ کے ان علاقوں سے یہودیوں کو نکال باہر کرنا تھا۔جن کا الحاق جرمنی سے کیا جا چکا تھا۔

26اکتوبر: نئی جنرل حکومت کے قیام کے بعد یہودیوں کو 1939ء میں زبردستی لیبر کیمپوں میں دھکیلا گیا ایسا پولینڈ کے ان علاقوں میں کیا گیا جن کا تیسری رائخ نے ابھی تک جرمنی سے الحاق نہ کیا تھا۔

23نومبر: جنرل گورنمنٹ کے علاقے میں یہودیوں کو پابند کیا گیا کہ وہ سٹار آف ڈیوڈ ضرور پہنیں گے۔

26نومبر: پولینڈ کے گورنر جنرل ہانز فرینک نے نئی حکومت کے علاقے میں یہودی کونسلیں قائم کیں۔

نومبر: Piotkkow ٹریبونل پولینڈ میں پہلا یہودی نظر بندی کیمپ قائم کیا گیا۔

1940ء

9اپریل: جرمن دستوں نے ڈنمارک اور ناروے پر دھاوا بول دیا۔

27اپریل: ہٹلر نے اوزوز (پولینڈ) میں مشقتی کیمپ کی تعمیر کا حکم دیا۔

7 مئی: پولینڈ میں واقع سب سے بڑے یہودی نظر بندی کیمپ لوز کو بند کر کے بیرونی دنیا سے الگ تھلگ کر دیا گیا۔کہا جاتا ہے کہ اس کیمپ میں 1,65,000 یہودی موجود تھے۔

10 مئی: جرمنی نے ہالینڈ، بیلجیئم اور فرانس پر حملہ کر دیا۔

22جون: فرانس نے جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

4جولائی: برلن کے باسی یہودیوں کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ چار سے پانچ بجے کے درمیان خوراک خرید سکتے ہیں۔

جولائی: اسی مہینے میں رومانیہ میں یہود مخالفت پر اٹھی لہر یہود پر مظالم کی صورت میں سامنے آئی۔

16جولائی: ساڑھے 7500 یہود، بیڈن (جرمنی) اور (Alsace lorraine) سے نکال کر فرانس میں واقع انٹرنیشنل کیمپوں کی طرف نکال دیے گئے۔

3اکتوبر: وکی،فرانس میں یہود مخالف قانون سازی نے یہودی کی شخصی حفاظت کو محدود کر دیا،اس قانون کا وکی فرانس میں نفاذ کر دیا گیا۔

16اکتوبر: وارسا مشقتی کیمپ کی تعمیر پولینڈ میں ہوئی اور 4لاکھ یہودی اس کی دیواروں کے پیچھے بند کر دیے گئے۔

1941ء

جنوری: وارسا سے مزید ایک لاکھ یہودی وارسا کے مشقتی کیمپ کی طرف دھکیلے گئے۔

27فروری: ایمسٹرڈم کے سینکڑوں یہودی ماؤتاؤسن (Mauthaousen) آسٹریا کے مشقتی کیمپ کی طرف روانہ کر دیے گئے جہاں مبینہ

طور پر انھیں قلیل مدت میں ہی لقمہ اجل بنادیا گیا۔

16 اپریل: جرمن فوجوں نے یونان اور یوگوسلاویہ پر حملہ کردیا۔

اپریل۔مئی: ''بار بروسہ حکم نامے'' کا نفاذ، سوویت یونین پر حملے اور S S (Einasatzgruppen) کی تشکیل کا اعلان کیا گیا۔ S S تنظیم جلد حرکت میں آنے والی موت کی مشین تھی جس کی ڈیوٹی جرمن فوج (Wehrmacht) کی پشت پر کام کرنا اور کمیونسٹوں، ریڈ آرمی کے سیاسی افسروں اور یہودیوں جیسے ناپسندیدہ عناصر کا صفایا کرنا تھا۔ فوج کی ہائی کمانڈ ان موبائل اور مخصوص دستوں کو ہر ممکن امداد اور سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں S S کے لوگ خصوصی کور میں کام کرتے تھے۔

22 جون: سوویت یونین پر حملہ اور آپریشن بار بروسہ پر عمل درآمد شروع۔

جولائی: مغربی سوویت یونین کے وہ علاقے جو ابتدائی جرمن حملے میں روسی قبضے سے نکل گئے تھے۔ ان علاقوں میں S S تنظیم کا یہودیوں کا منظم قتل عام کرنا۔

31 جولائی: گورنگ نے یہود مسئلے کے حتمی حل کا حکم نامہ جاری کردیا۔ اس حکم پر عمل درآمد ہیڈرچ کے سپرد کیا گیا۔

24 اگست: ہٹلر نے ایکشن T4 کو ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ اسے آپریشن Euthanasia کے نام سے پکارا جاتا تھا جس میں ان مریضوں کو نشانہ بنائے جانے کا منصوبہ تھا جو موروثی بیماریوں میں مبتلا تھے۔ (بظاہر ایسا چرچ رہنماؤں کے دباؤ اور احتجاج پر کیا گیا)

28-29 ستمبر: کہا جاتا ہے کہ روس میں بابی یار (Babi-Yar) کے مقام پر کیو (Kiev) کے نزدیک 34,000 یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ستمبر۔اکتوبر: اوزوز (Auschwit) میں ZyklonB گیس کی مدد سے قیدیوں کو ہلاک کرنے کا پہلا تجربہ کیا گیا۔

10 اکتوبر: چیکوسلواکیہ میں (Theresienstadt) نامی کیمپ کی تعمیر کا آغاز کیا گیا۔

23 اکتوبر: جرمن رائخ سے یہودیوں کی نقل مکانی / ہجرت پر پابندی لگادی گئی۔ ایسی ہی پابندی کا اطلاق 1940ء کے موسم بہار سے پولینڈ اور مشرقی یورپی ممالک کے یہودیوں پر بھی ہوگا۔

اکتوبر: یہودیوں کا شہروں سے کیمپوں کی طرف منظم طریقے سے انخلا۔

دسمبر: پولینڈ میں لوز (Lodz) کے علاقے میں چلمنو سنٹر کا قیام جسے موت کا پہلا کیمپ قرار دیا جاتا ہے۔

1942ء

جنوری: FPO کے نام سے ایک یہودی لڑاکا تنظیم کا قیام ولنا (Vilna) کے کیمپ میں عمل میں لایا گیا۔

20 جنوری: وان سی کانفرنس کا منعقد ہونا جس میں جرمن سرکاری اداروں کا یہودیوں کے خاتمے پر غور کرنا۔

یکم مارچ: سوبی بار میں یہودیوں کا مبینہ قتل عام، اکتوبر 1943ء میں یہودی قیدیوں کی بغاوت کے بعد یہ کیمپ تباہ ہو کر بند ہو گیا۔

17 مارچ: بلزک (Belzec) میں یہودیوں کا مبینہ قتل عام۔

26 مارچ: جوان یہودیوں کی اکثریت پر مشتمل سلوا کیا کے یہودیوں کی بیدخلی۔

30 مارچ: مغربی یورپ (فرانس) سے یہودیوں کا پہلا قافلہ اوزوز پہنچا۔

مئی۔جون: فرانس، ہالینڈ اور بیلجیئم میں یہودیوں کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کا نشان (Star of David) پہننا لازمی قرار دے دیا گیا۔

22 جون: وارسا کیمپ سے منتقل کیے گئے یہودیوں کا ٹریبلنکا (Treblinka) میں مبینہ قتل عام۔

17 جولائی: ڈچ یہودیوں کا پہلا قافلہ اوزوز پہنچا۔

28 جولائی: وارسا کے کیمپ میں (ZoB) نامی یہودی تنظیم وجود میں آئی۔

1943ء

جنوری: کیمپوں میں یہودی بغاوت۔

2 فروری: جرمن فوج نے سٹالن گراڈ روس میں ریڈ آرمی کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

اپریل: برمودا کانفرنس کا انعقاد اور نازیوں کے شکار انسانوں اور پناہ گزینوں کے معاملات پر غور کیا گیا۔

جون۔اگست: نازیوں نے ہملر کے حکم پر مختلف کیمپ تباہ کر کے نام و نشان مٹا دیے۔

1944ء

مارچ: جرمن فوج نے ہنگری میں کنٹرول سنبھال لیا۔

6 جون: اتحادی افواج نارمنڈی فرانس میں اُتر گئیں۔

24 جولائی: روسی فوجیں میجدانک (Majdanek) میں داخل ہو گئیں۔

1945ء

27 جنوری: روسیوں نے اوزوز سے 7500 قیدیوں کی جان چھڑائی اور انھیں آزاد کرایا۔ ان میں سے اکثریت بچوں یا بیماروں کی تھی۔

جنوری۔اپریل: کیمپوں میں بند قیدیوں کی مبینہ پریڈ جس کا اختتام موت پر تھا۔ تاریخ اسے ڈیتھ مارچ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

5 اپریل: امریکی افواج نے ماؤ تاؤسن کو آزاد کروایا۔

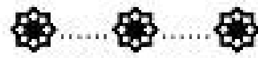
15 اپریل: برطانوی فوجی دستے برجن بیلسن میں داخل ہو گئے۔

29 اپریل: امریکی دستے ڈکاؤ میں داخل ہوگئے۔

8 مئی: جرمنی نے غیر مشروط طور پر اتحادی افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

اکتوبر نومبر: نیورمبرگ میں ایک بین الاقوامی فوجی عدالت قائم کی گئی جس نے 24 سرکردہ نازی رہنماؤں پر مقدمہ چلایا۔ اس مقدمے کی کاروائی اکتوبر 1946ء تک جاری رہی۔ 11 نازی رہنماؤں کو موت کی سزا سنائی گئی جن میں ہٹلر کے وزیر خارجہ ربن ٹراپ، جنرل کیٹیل، کالٹن برنر، روزنبرگ، فرینک، فرک، سٹرنخر، جنرل جوڈل وغیرہ شامل تھے۔ اس سزا پر عمل درآمد بھی کیا گیا۔ ان افراد میں ہرمن گورنگ پھانسی کے تختے پر جھولنے سے بچ گیا تھا اس نے پھانسی دیے جانے سے چند گھنٹے قبل زہر کھا کر خودکشی کر لی تھی۔ اس طرح چار پیاروں ہٹلر، ہملر، گوئبلز اور گورنگ نے خودکشی کر کے دنیا سے کوچ کیا۔

1962ء: ایڈولف آئیکمین کو 1961ء میں اسرائیل میں جنگی جرائم کے الزام میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا۔



جرمن حکمران اور حکمران خاندان 800 تا 1945ء تاریخ کے آئینے میں

حکمران کا نام	مدتِ اقتدار
مقدس رومی بادشاہت	800-1806

☆ جرمن بادشاہ منتخب ہوئے جنھوں نے مقدس رومن ایمپائر پر حکومت کی اور پہلی رائخ کی تشکیل کی۔

برینڈنبرگ اور ڈیوکس آف پروشیا منتخب ہونے والے

جارج ولیم	1619-40
فریڈرک ولیم عظیم منتخب ہونے والا	1640-88
فریڈرک سوئم اول	1688-1713
پروشیا کے بادشاہ فریڈرک اول	1701-13
فریڈرک ولیم	1713-40
فریڈرک دوئم عظیم	1740-86
فریڈرک ولیم دوئم	1786-97
فریڈرک ولیم سوئم	1797-1840
فریڈرک چہارم	1840-61
ولیم 12	1841-88

3 جرمن بادشاہ

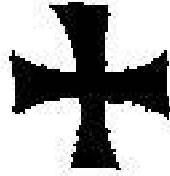
ولیم اول	1871-88
فریڈرک سوئم	1888
ولیم سوئم	1888-1918

4 صدور

فریڈرک ایبرٹ	1919-25
پال وان ہنڈنبرگ	1925-33
فیوہر ایڈولف ہٹلر	1933-45

ولیم اول 1871ء جرمن بادشاہ بنا، سیکنڈ رائخ وجود میں آیا، وائیمر ریپبلک کی حیثیت سے جانا گیا اور پھر تھرڈ رائخ۔





ہٹلر نے پیشین گوئی کی تھی کہ!

- 1980ء تک دُنیا پر قابض ہونے کی جنگ میں امریکہ کے مقابل برطانیہ اور جرمنی کی افواج ہوں گی۔
- ہٹلر کا دعویٰ تھا اُس کی سلطنت ہزار سال رہے گی لیکن صرف بارہ سال چار ماہ رہی۔



جرمنوں کا قدامت پسندی سے روشن خیالی کی طرف سفر

اٹھارویں صدی میں جرمن تاریخ قدیم اور روشن خیالی میں منقسم تھی۔ سولہویں صدی سے یورپ بھر کے سکالروں نے اپنی قومی اور مذہبی تاریخوں کو منضبط کرنے کے لیے ماخذ تلاش کرنے کا کام نہایت منظم طریقے سے کیا اور محبت، جانفشانی سے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ فرانس بینڈ کٹائنیز (1632-1707)، جین میبلون اور برنارڈ ڈی مونٹ فاؤکون (1655-1745) نے عیسائی کلیسائی تاریخ کے ذرائع کی اشاعت اور تجزیوں کا اہتمام کیا۔ شجر علمی کی بلند پایہ تکمیل کے ضمن میں لوڈو ویکو موراٹوری(1672-1750) نے اٹلی کی تاریخ کے لیے، گوٹفرائیڈ ڈبلیو لائیبر نیز نے قدیم جرمنی، تھامس ٹیز (1674-1735) اور تھامس ہسرن (1678-1735) نے برطانیہ میں قرون وسطیٰ کی نویں اور گیارہویں صدی کی تاریخ رقم کی بلکہ ابتدائی تاریخوں کی کانٹ چھانٹ بھی کی۔ قدیم تاریخ کے بہت سے حوالوں میں سے صرف چند اُن مثالوں کو ظاہر کرتے ہیں جن کے بے غرض کاموں نے علم تاریخ کے ذرائع کو محفوظ رکھا اور تنقیدی تحقیق کی بہت سی نئی راہوں جیسے علم سفارت کاری، علم آثار قدیمہ اور علم مسکومات (سکوں کا علم) کی دریافت کی۔

علم فضل کے اس اعلیٰ درجے کے معیار نے قدیم تاریخ کے فلسفے کے پیروکاروں اور اٹھارویں صدی کے تاریخ دانوں کے طریقوں اور سوچ میں حد فاضل قائم کردی۔ فلسفیاتی تاریخ روشن خیالی کے خیالات سے متاثر ہوئی۔ ایک روشن خیال طبقہ روشن خیالی (Enlightenment) کی قندیل اٹھائے تاریخ کے ایک منفرد فلسفے کولیکر آگے بڑھا۔ والٹائر نے تاریخ نویسی کی ادبی روایات کو عقلیت(Rationalism) کی کسوٹی پر پرکھا اور اُن میں جوش، خروش کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اس نے کلاسیکل تاریخ کے روایتی فلسفہ سیاست پر مرکوزیت سے ہٹ کر انسان تہذیب کے ہر پہلو کو تاریخ نویسی کے دائرے میں شامل کیا جس میں فہم، فراست کی معنویت بام عروج پر تھی بعد میں آنے والے روشن خیال مورخین مونٹیسکو، ڈیوڈ ہیوم، ولیم رابرٹسن (1721-93) نے تاریخ کے لبرل نظریے کو آگے بڑھایا۔ ایڈورڈ گبول نے البتہ قدیم اور روشن خیالی پر مبنی فکر کے ملاپ سے تاریخ نویسی کو کئی ادبی تحائف سے نوازا۔ رومن ایمپائر کے عروج، زوال کی داستان (1776-88) ایسے ہی ایک تاریخی فن پارے کا نام ہے۔

19ویں صدی میں لیو پوڈ وان رینکی (Ranke) نے تاریخ کو نئے زاویوں سے روشناس کروایا۔ رینکی انسانی تاریخ کے کینوس پر ایک آزاد علمی سوچ لیکر اُبھرا۔ اسی سوچ اور نظریاتی فکر کو اس نے اپنی شناخت بنایا۔ رینکی مخصوص فکر اور تنقیدی سوچ کے ساتھ جذبات سے پاک مقصدیت پر زور دیتا ہے۔ وہ مورخ کے نقطہ نظر، بیان کردہ تاریخی واقعات اور ان کے ماخذوں کو انتہائی تنقیدی نظر سے دیکھتا ہے تاکہ تاریخ مبالغہ آرائی اور من گھڑت افسانوں سے پاک رہے۔

تاریخ میں غیر جانبدارانہ اور کسی مخصوص نظریے یا فکر کی عدم پیروی نے اس حقیقت سے پردہ کشائی کی کہ تاریخ کا مشاہدہ کرنے والوں پر

اُن کے مخصوص وقت اور جگہ کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ وہ بسا اوقات روائیتی تخیلاتی ادبی فن سے قطع تعلق کر کے جدید سائنسی تحقیق کے ساتھ تعلق جوڑ کر سمت بہتر بناتے ہیں۔ بہت سے جدید مورخین نے امریکی اور جرمن یونیورسٹیوں میں تاریخ نویسی کے مضمون کی ترقی کو شعوری سمت دی۔ ان میں جارج بنیکروفٹ نے امریکی تاریخ میں، سمویئل گارڈنر (1829-1902) اور فریڈرک ڈبلیو سٹلینڈر (1830-1906) نے برطانیہ کی انگریزی تاریخ میں نمایاں کام کیا۔ بیسویں صدی تک تاریخ ایک پیشہ ور مضمون کی حیثیت سے یورپین اور امریکی یونیورسٹیوں میں جگہ بنا چکی تھی۔ اس کا انحصار تاریخ کے ماخذوں اور واقعاتی شہادتوں پر تھا۔

بدلتے رجحانات

پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے جہاں انسانیت کو تقسیم کیا وہاں تاریخ کے بین الاقوامی اور باہم تسلیم شدہ مثالیت کے نقطہ نظر کو متاثر کیا۔ دوسرے لفظوں میں دونوں جنگوں سے ہونے والی تباہی نے انسانیت کے مشترکہ بین الاقوامی تاریخی نظریے کی نفی کی تھی اور ہم عصر تہذیب کی سادگی کو پیچیدگی میں بدل ڈالا تھا۔ ماضی کی تاریخ سے وابستہ سچائی کے روائیتی نظریے کو اس فکر نے نئی جہت سے نوازا کہ چند حقائق ہی تاریخ کو بنیاد فراہم کرتے ہیں اور کوئی مورخ بھی تعصب سے پاک نہیں۔ علم آثار قدیمہ اور انسانی معاشرتی زندگی کے مطالعے کی سائنس کے پنپنے سے تاریخ کے مضمون کو وسعت ملی اور ابتدائی ادوار کا علم بھی اس میں شامل ہوا جس نے انسانی تاریخ کو جلا بخشی۔ اہلِ دانش کے خیال میں قومی تاریخ پر کلچر کی چھاپ ہوتی ہے جبکہ بین الاقوامی مفروضوں پر تاریخ رقم کرنا ایک انتہائی مشکل ہدف حاصل کرنے کے برابر ہے۔ تشریح، تفصیل میں جدت نے معاشرتی سائنس کی شاخوں عمرانیات، نفسیات، معاشیات اور لسانیات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس طرز فکر نے معاشی اور آبادیاتی مطالعہ کو ایک قابل قبول شکل دی ہے۔

سولہویں اور سترہویں صدی مذہبی رجحانات کے حوالے سے طلاطم خیز رہیں تھیں جن کا ردعمل حقیقت پسندی اور سائنسی سوچ کی شکل میں سامنے آیا اس سے یورپ میں روشن خیالی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ برطانوی اور فرانسیسی مفکرین کے کاموں میں جذب ہو کر جرمن اساتذہ نے دنیا کے اس فلسفے کو رد کر دیا جس میں گناہ گار مرد و زن ترک گناہ کیے بغیر خدائی مدد اور معجزے کے متلاشی رہتے تھے۔ انہوں نے تمام انسان اچھے اور صاحب بصیرت ہیں، کی بنیاد پر ایک پرامید اور سیکولر دنیا کا تصور اپنایا۔ اس تصور کے تحت تمام انسانوں کی ذہنی بالغ نظری کیلئے با مقصد تعلیم نہایت ضروری قرار دی گئی۔ جرمن فلسفے دان جی ڈبلیو وان لائنیز نے ایک ایسی کائنات کی بات کی جو پہلے سے طے شدہ ہم آہنگی کے قدرتی اصولوں پر کام کرے۔ مثالیت (Idealism) کے حامی فلسفی ایمانیول کانت نے دلیل اور عقل کی قوت کا تجزیہ کیا اور اخلاقیات کیلئے عقلی بنیاد (Rational Base) پر زور دیا۔ وجدان اور احساسات کے پیروکاروں کی طرف سے عقلیت کو بنیاد بنانے کے نظریے کی مخالفت کی گئی۔ مذہب میں اس نے انجیل نویسی کو ایک نیا اسلوب دیا۔ جرمنی کے درمیانے اور نچلے طبقے نے انفرادی طور پر بائیبل کے مطالعے اور روحانیت پر مبنی اخلاقیات کے فلسفے پر زور دیا۔

یورپین کی طرح بہت سے ایشیائی لوگوں نے تاریخی تحریروں پر روایات قائم کیں جس کا تعلق گزری صدیوں سے تھا۔ مغربی مورخین کے ساتھ یہود کی تاریخی روایات کا بھی ذکر ملتا ہے۔ چودہویں صدی میں ابن خلدون نے کائنات کی تاریخ لکھی جو اس مردمومن کے علم اور غیر معمولی فہم، فراست کا پتہ بتاتی ہے۔ ابن خلدون کی اس لازوال تحریر کو ایک زمانے نے سراہا یعنی انگریزوں نے اسے اپنی یونیورسٹیوں میں پڑھایا۔ اس تاریخ نے صدیوں پر محیط سماجی اور معاشی نظریات کی تشریح، توضیع کر کے علم کے نئے زاویے روشناس کرائے۔ وہ واحد مسلم مورخ تھا جس نے اس نان ڈیجیٹل دور میں بیٹھ کر تاریخ ساز تبدیلی کے لیے سماجی اور معاشی وجوہات دور کرنے کی بات کی۔ دراصل ابن خلدون کے کام نے انیسویں صدی کے یورپ/مغرب کو ایک نئی فکر عطا کی۔ غرضیکہ عقلیت اور غیر عقلیت کی اٹھارویں اور انیسویں صدی کی تکرار نے قومیت (Nationalism) کے تصور کو جنم دیا۔ نمائندہ حکومت کے روشن خیال نظریات اور تصورات آزادی کے ملاپ نے جرمنوں اور دوسرے نسلی گروہوں کو ایک قوم بننے اور لبرل اصلاحات کی طرف راغب کیا۔ نپولین کی فتوحات نے بعدازاں ان کی قومی شناخت کی حس کو جگایا۔

18 سال تک جرمن ریاستیں فرانس کے نپولین اور انقلابیوں کی مشترکہ افواج کے خلاف اپنا دفاع کرتی رہیں۔ یہ خونریزی پانچ جنگوں کی صورت میں جاری رہی۔ پہلی دو جنگوں میں فرانس نے رائین کا بایاں کنارہ فتح کر لیا۔ تیسری جنگ میں نپولین نے ویانا اور برلن چھین لیے۔ 1806 میں نپولین نے بائیں کنارے کی فتح کے دوران پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لیے مغربی جرمن ریاستوں کی دوبارہ تشکیل کر کے رائین کی ایک کنفیڈریشن بنائی۔ اس کنفیڈریشن میں سے آسٹریا اور پروشیا نکال دیے گئے، ان دو ممالک کو کافی زمین سے ہاتھ دھونا پڑے۔ 1809 میں آسٹریا نے فرانس کے خلاف چوتھی جنگ چھیڑ دی، نپولین اس وقت سپین میں مصروف تھا لیکن نپولین کا ستارہ بلندی پر تھا، آسٹریا نے جنگ کے اتار چڑھاؤ میں کچھ مزید زمین کھو دی۔ تاریخ کے قاری کی دلچسپی کے لیے ان جنگوں کا حوالہ دینے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جرمن کنفیڈریشن کن حالات میں معرض وجود میں آئی اور ہٹلر کے زمام اقتدار سنبھالنے کے وقت اور انیسویں صدی کے اوائل کے حالات کے درمیان نظریاتی سوچ میں فرق کس قدر تھا۔

1812 میں روسیوں کے ہاتھوں ماسکو سے نپولین کی شرمناک پسپائی نے اتحادیوں کو حوصلہ بخشا کہ وہ نپولین کے خلاف ایک مزید کوشش کریں۔ پروشیا کے فریڈرک ولیم 3 نے روس اور آسٹریا کی مدد سے آزادی کی جنگ شروع کی جس میں نپولین کو 1813 میں لائپگ (Leipzig) کے مقام پر شکست ہوئی۔ کافی خون خرابے کے بعد 1814 میں اتحادیوں نے پیرس لے لیا۔

15-1814 کی ویانا کانفرنس میں اتحادیوں نے یورپ کا نیا نقشہ کھینچا۔ آسٹریا جس نے آسٹریا کے ہالینڈ اور مغرب میں واقع سوبین سرزمین کو چھوڑ دیا تھا۔ اسے جنوب اور مشرق میں سالزبرگ، ٹائی رول، لومبارڈی، اٹلی میں وینیشیا اور Adriatic سمندر پر واقع ڈالمیشیا اور لریا دے کر اس کے ماضی کے نقصان کی تلافی کی گئی۔ پروشیا نے اپنے زیر کنٹرول پولینڈ کے بہت سے علاقے کو کھو دیا تھا۔ اسے رائین لینڈ اور مغربی پھالیہ میں زمین کے ساتھ ساتھ سیکسونی اور سویڈش پرمرینیا کا بہت سا علاقہ دیا گیا۔ یاد رہے کہ رہر اور سار کے غیر تیار شدہ لوہے اور کوئلے کے عظیم وسائل انہی علاقوں میں واقع تھے جنہوں نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں دنیا بھر میں شہرت حاصل کی۔

جرمن کنفیڈریشن

39 ریاستوں پر مشتمل ویانا کانگریس کو جس کی باگ ڈور کمزور ہاتھوں میں تھی، رومن ایمپائر نے ہٹا دیا۔ یہ ایمپائر 240 سے زیادہ ریاستوں پر مشتمل تھی۔ اب اس نئی کنفیڈریشن کا نظام کیسا ہو، بہت سے جرمن اس سوال پر مختلف رائے رکھتے تھے۔ بعض برطانیہ اور فرانس کی طرز پر لبرل حکومتوں کا ماڈل چاہتے تھے جس کا ایک آئین ہو جو اکثریتی نمائندگی آزادی اظہار رائے اور ایک آزاد اور خودمختار عدالتی نظام کی بنیاد پر کام کرے۔ ملک کا پڑھا لکھا طبقہ صحافی، ڈاکٹر، پروفیسر، وکیل اور یونیورسٹیوں کے جوشیلے طالب علم ''قومی وحدت'' کی بات کرتے تھے۔ پروشیا اور آسٹریا کے حکمرانوں کی طرف سے لبرل ازم اور قوم پرستی کے نظریات کی مخالفت کی جارہی تھی۔ آسٹریا، پروشیا، روس اور برطانیہ نے Quadruple Alliance تشکیل دیا۔ اس اتحاد کا مقصد ویانا کے مستقبل کے فیصلوں کی حفاظت کرنا تھا۔

1830ء میں پیرس میں جولائی کے انقلاب نے جرمن ریاستوں میں لبرل ازم کے حامی مظاہروں کی آگ بھڑکا دی جو رفتہ رفتہ یورپ بھر میں پھیل گئی۔ مظاہرے بویریا، پروشیا اور جنوب مغربی جرمنی میں بھی ہوئے جس کے نتیجے میں خوفزدہ حکمرانوں نے وفود فرینکفرٹ کی اسمبلی میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

فرینکفرٹ اسمبلی نے بادشاہت کے وراثتی نظام کے تحت متحدہ جرمنی کے لیے ایک لبرل آئین تجویز کیا۔ آسٹریا نے اپنے زیرکنٹرول جرمن علاقے کو تجویز کردہ متحدہ جرمنی میں شامل کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ اسمبلی نے اظہار تاسف کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ جرمنی آسٹریا کے بغیر جرمن ریاستوں پر مشتمل ہوگا۔ انہوں نے جرمن تاج فریڈرک ولیم کو سوچنے کی پیش کش کی جس نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اسمبلی ناکامی کا شکار ہو کر منتشر ہوگئی۔ اب جرمن اتحاد صرف پروشیا کی فوجی قوت کے ہی ذریعے حاصل ہوسکتا تھا۔

فرینکفرٹ اسمبلی کی ناکامی کے بعد، پروشیا اور آسٹریا نے اتحاد کے لیے مختلف منصوبے پیش کیے۔ عین موقع پر پروشیا پیچھے ہٹ گیا لیکن عارضی طور پر۔ ولیم اول اپنے ارادے میں مضبوط تھا کہ نہ آسٹریا اور نہ ہی جارح فرانس کو پروشیا کے ارادوں اور خواہشات کے آڑے آکر انہیں ناکام بنانا چاہیے۔ ولیم اول اور اس کا وزیراعلیٰ اوٹو وان بسمارک متفق تھے کہ پروشیا کو مزید مضبوط ہونا چاہیے۔ بسمارک پروشیا کا ایک ذہین اور باصلاحیت امیر تھا۔ وہ تاج کا وفادار تھا اور اتحاد کو آگے بڑھنے کا ایک ذریعہ قرار دیتا تھا۔

بسمارک حقیقت پسندی کی سیاست (Realpolitik) کا حامی تھا اور فن سفارت کاری کے ساتھ ساتھ طاقت کے ملاپ کا قائل تھا۔ تاریخ میں اس کے سیاسی فلسفے کو بلڈ اینڈ آئرن پالیسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بسمارک کی اس پالیسی کا مقصد آسٹرین اثرات کا خاتمہ اور جرمن ریاستوں کا وہ اتحاد تھا جیسا پروشیا چاہتا تھا۔ ابتداء میں بسمارک نے روس، فرانس اور اٹلی جیسے ممالک کے ساتھ ''دوستی کے معاہدے'' کر کے انہیں غیرجانبدار بنا دیا۔ پہلے قدم کے طور پر اس نے 1864 میں آسٹرین کو دعوت دی کہ وہ پروشیا کے ساتھ ملکر شلزوگ ہولسٹائن پر حملہ کریں۔ شلزوگ اور ہولسٹائن دو جاگیریں (Duchies) تھیں جن پر ڈنمارک کی حکومت تھی آسٹرین اور پروشین دستوں نے مشترکہ حملہ کر کے ڈنمارک کو شکست دی لیکن

دو فاتحین مقبوضہ علاقوں کے انتظام، انصرام پر ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔

اس ناانصافی کی آڑ لے کر بسمارک نے آسٹریا کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ یہ جنگ سات ہفتوں تک جاری رہی۔ تینوں فوجوں کو کامیابی سے لڑاتے ہوئے جنرل ہیلوتھ وان مولٹکے نے 1866 میں کونیگ ریز (Koniggratz) کے مقام پر آسٹریا کی فوجوں کا صفایا کر دیا، لیکن وہ آسٹریا کو مکمل طور پر ہڑپنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اس نے امن کا ایک آسان معاہدہ کر لیا۔ آسٹریا نے وینیشیا اٹلی کے قوم پرستوں کو دیدیا۔ پروشیا نے شلزوگ ہولسٹائن ہاینوور اور دوسری ریاستوں کا الحاق کر لیا۔ آسٹریا کے بغیر نے 1867 میں شمالی جرمن کنفیڈریشن کو منظم کیا جرمن تاریخ کے اس اکھاڑ پچھاڑ کا عمل جاری، ساری تھا لیکن بہت سے جرمن سیاسی عمل سے بے نیاز ثقافتی سرگرمیوں میں مصروف تھے جن کے ذریعے انہوں نے مغربی دنیا کو متاثر کرنا تھا۔ یہی وہ معاشرتی سکوت تھا جس نے جرمنی پر ڈکٹیٹرشپ کی راہ ہموار کی۔

انیسویں صدی کا جرمن فن اور فکر

جرمن مصوری نے انتون رافیل مینگز (1728-79) کے دور کے نیوکلاسیک ازم سے انگڑائی لی اور رومانیت کی طرف مائل ہوگئی۔ سی ڈی فریڈرک اور پی اوررنج (1777-1810) نے کہانیوں کو تصویری اور مجازی شکل میں پیش کر کے اس کی بنیاد رکھی۔ مصوری بعد کے دور میں حقیقت پسند ہوتی چلی گئی۔ فن تعمیر پہلے ہی رومانوی گوتک میں تھا۔

موسیقی میں بھی رومانیت کا عنصر آ گیا۔ ان کی اکثریت ادب سے متاثر تھی۔ مثال کے طور پر آرٹ پر مبنی نغمات جنہیں فرینز شوبرٹ، جولا ئر برائز، ہگو وولف اور رچرڈ ویگنر کے اوپیرا نے تخلیق کیا۔ ادبی یا تصویری ملاپ سے جنم لینے والی موسیقی "پروگرام موسیقی" کہلائی۔ اس کے برعکس برامز، رابرٹ شومین اور فیلکس مینڈل سون نے کلاسیکل شکل میں کام جاری رکھا بعد میں رومانی موسیقی کا رجحان خالص نثری رہا۔ گوئٹے، شیلر اور ہائینرچ ہائین کے نغمات سے متاثر ہو کر، رومانوی ادب میں کلیمنز، لڈوگ ٹائیک، بریٹانو، جوزف وان آئیکنڈروف، ہوف مین جیسے کہانی سنانے والوں اور دوسرے شعراء کے کام کو بھی شامل کر لیا گیا۔ رومانیت کے ان پیروکاروں نے جرمن لوک کہانیوں اور نغمات کو موضوعات کا حصہ بنایا۔

فرد اور معاشرے کے درمیان اختلاف رائے کو سب سے پہلے گوئٹے نے تھیوڈور فونٹین، آیڈبرٹ سٹیفٹر (1805-68)، سوئس گوٹ فرائیڈ کیلر فرینز گرپرزر اور فرائیڈرچ ہیبل کے ناولوں میں اجاگر کیا۔ نفسیات میں انکی دلچسپی دنیا کے لیے ان کی حقیقت پسندانہ سوچ کا حصہ تھی جس نے آہستہ آہستہ رومانیت پر غلبہ پا لیا۔ معاشرے پر حقیقت پسندانہ تنقید ہائین کے سخت الفاظ پر مبنی نغمات سے ظاہر تھی۔

علم اور فکر

1806ء میں برلن پر فرانسیسی قبضے سے پروشیا کو دھچکا لگا، سیاسی برتری کھونے کے بعد وہ ثقافتی وقار کو بحال کرنے کے خواہاں تھے۔ چنانچہ ولیم وان ہمبولٹ کی قیادت میں تعلیمی نظام کو از سر نو تشکیل کیا گیا تاکہ طالب علم کی انفرادیت پر دباؤ کم ہو اور شہریوں کو تعلیم دینے کی ریاست کی اخلاقی ذمہ داری پوری کی جا سکے۔ پرائمری اور ہائی سطح کے سکولوں نے رٹے لگانے کی بجائے تعلیمی معیار اور تجربے پر زور دیا۔

سیاسی محاذ پر تلملائے فرانس نے اعلان جنگ کر دیا۔ قومی وفاداری کے جذبے سے سرشار ہو کر جنوبی جرمن ریاستوں نے اپنا وزن پروشیا کے پلڑے میں ڈال دیا۔ پروشیا کی تجربہ کار، منظم اور تربیت یافتہ فوج نے فرانس کی نسبتاً غیر منظم فوج کو سیڈان کے مقام پر تتر بتر کر دیا اور ایک لمبے محاصرے کے بعد 1871ء میں پیرس لے لیا۔ ان حالات میں بسمارک نے جرمن ریاستوں کو یقین دلایا کہ جنوبی جرمن ریاستوں کو پروشیا کی حاکمیت اعلیٰ قبول کرنا ناگزیر ہے۔ 1871ء میں اس نے ورسیلز کے مقام پر پس و پیش کرنے والے ولیم کو آمادہ کر لیا کہ وہ جرمن ایمپائر دوسری رائخ کے سربراہ کے طور پر نیا لقب اختیار کر لے۔

بسمارک کا دور حکومت (1862-1890)

پروشیا کو سیاسی عروج دلانے والے بسمارک کو جرمن "آئرن چانسلر" کہہ کر پکارتے تھے۔ بدلتے حالت میں اسے امن کے لیے کام کرنا پڑا۔ جرمنی کو جارحیت سے محفوظ رکھنے کے لیے اس نے کچھ اتحاد کیے۔ 1878ء میں برلن کانگریس کے موقع پر بسمارک نے بلقان میں امن معاہدے کے لیے ثالثی کی۔ بلقان میں سلوا کیہ کے چند گروہ سلطنت عثمانیہ کی ڈگمگاتی ناؤ کو ڈبونے کے لیے پر تول رہے تھے۔ تاجروں کو خوش کرنے کے لیے، اس نے افریقہ اور بحرالکاہل میں جرمن کالونیوں کا الحاق کر لیا۔ جرمنی اپنی کالونیوں کو اپنے لیے باعث عزت، افتخار تصور کرتا تھا۔

اندرون ملک بسمارک نے صنعتی انقلاب کی حوصلہ افزائی کی اور 1850ء کے بعد جرمنوں نے روہر اور سار کے لوہے اور کوئلے کے ذرائع میں جدید صنعتی ٹیکنالوجی کا استعمال کیا۔ کیتھولک چرچ کی غیر معمولی حاکمیت کو چیلنج کیا جس نے جرمن ریاست کی حاکیت کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس نے "ثقافتی جدوجہد" (Kultur Kampf) شروع کی جس کے دوران اس نے بہت سے مذہبی احکام معطل کر دیئے اور نافرمان پادریوں کو معطل کر دیا گیا یا جیل بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد سوشلسٹ پارٹی بسمارک کے غصے کا نشانہ بنی۔ بادشاہ ولیم پر کی گئی دو قاتلانہ کوششوں کا الزام سوشلسٹ پارٹی پر ڈال کر اس نے پارٹی پر پابندی لگا دی۔ 1890ء کے انتخابات میں جب اس پارٹی نے بہت سی نشستیں جیت لیں تو بسمارک آئین کو معطل کرنے پر بھی تیار ہو گیا۔

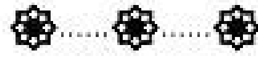
بسمارک کے عہد حکومت میں جرمنی کو سیاسی استحکام حاصل ہوا۔ شمالی اور جنوبی جرمن ریاستوں کا اتحاد ہوا جس سے جرمنی کی عظمت میں اضافہ ہوا۔ اس اتحاد کی وجہ سے بسمارک کو سیاسی اور معاشی اصلاحات کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے دو ایوانوں پر مشتمل پارلیمنٹ بنائی۔ پہلے ایوان کا نام رائخ سٹیگ (Reichstag) تھا جو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایوان کے نمائندوں کا انتخاب کرتا تھا۔ دوسرا ایوان بندر ریتھ (Bundersrath) تھا۔ یہ برطانیہ کے دارالامرا (House of Lords) کی طرز پر تھا۔ اس میں بیٹھنے والے نمائندے تمام جرمن ریاستوں کے امراء کے بھیجے نمائندے تھے۔

رائخ کا کام قانون سازی کرنا تھا اور ملکی بجٹ کی منظوری دینا تھا۔ رائخ کا ان دو کاموں کے علاوہ حکومت یا انتظامی کاموں میں کوئی دخل یا اختیار نہ تھا۔ عملی طور پر بندر ریتھ ہی اقتدار کا سرچشمہ تھا۔ ملکی انتظام سنبھالنے کی ذمہ داری براہ راست بسمارک یعنی چانسلر کے پاس تھی، تمام وزراء

اسی کو جواب دہ تھے جبکہ چانسلر بادشاہ کو جواب دہ تھا۔

بسمارک کی ایک اور کوشش کیمیونزم کے بڑھتے سیلاب کے آگے بند باندھنا تھا اس نے مزدوروں کا دل جیتنے کے لیے ایسے قوانین بنائے جن سے بیروزگاری میں کمی ہوئی۔ وہ ریاستی سطح پر پیداواری عمل کا حامی تھا۔ دوسری طرف قوم پرستی کی مخالفت کرتے ہوئے، انقلابی فلسفی کارل مارکس نے اپنا معاشی نظریہ پیش کیا کہ زندگی کے تمام خیالات معاشی نظام سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ اس نے مادیت کا مخصوص تصور پیش کرتے ہوئے دنیا بھر کے مزدوروں پر زور دیا کہ وہ اپنی حکومتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جو طبقاتی تقسیم سے پاک ہو ہر چند کوششوں کے باوجود کیمیونزم کا پروپیگنڈا بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ 1918ء کا انقلاب آ گیا۔

ہٹلر سے قبل کی جرمن تاریخ میں واقعات کی کھوج لگانے کا مقصد یہ باور کروانا تھا کہ انیسویں صدی میں قوم پرستی نے جرمنی کو متحد کر کے ایک شکل دی۔ اس قوم پرستی کی پاداش میں اس نے دو خطرناک جنگیں مول لیں اور بالآخر بیسویں صدی میں دوبارہ تقسیم ہو گیا۔



ایڈولف ہٹلر (1889-1495ء)

کون ہے جو ہٹلر کو نہیں جانتا؟ دوسری جنگ عظیم میں اس جرمن نازی ڈکٹیٹر نے اتحادیوں (امریکہ، برطانیہ، فرانس) کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔ ہٹلر کو دنیا ایک طرف تو انتہا پسند اور نسل پرست ڈکٹیٹر کی حیثیت سے جانتی ہے اور دوسری طرف اس کی شخصیت کا ایک ٹھوس حوالہ یہودیت کی شدید مخالفت ہے۔ ایڈولف ہٹلر کسی بھی یہودی کو جرمنی میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا حتیٰ کہ اس کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا سوچتا تھا۔ یہ ہٹلر آخر کیسا انسان تھا؟ یہ پیدائشی لیڈر تھا یا ایک عام آدمی تھا۔ جی ہاں! وہ ایک عام انسان تھا جو رفتہ رفتہ ترقی کے زینے پلانگتا پہلے ایک سیاسی پارٹی کا لیڈر بنا، پھر ملک کا چانسلر بنا اور پھر آمر مطلق (Despot) بن کر جرمن قوم کو ایک نئے فلسفے سے روشناس کروایا جس کا نام "نازی ازم" تھا۔ وہ بلا کا ذہین، فطین شخص تھا لیکن وقت نے ثابت کیا کہ اس نے اپنی ذہانت بنی نوع انسان کی فلاح کی بجائے بربادی پر خرچ کی۔ اس لیے اسے Evil Genius کہا جاسکتا ہے۔

ہٹلر کا پورا نام ایڈولف ہٹلر تھا۔ وہ 20 اپریل 1889ء کو بالائی آسٹریا کے ایک قصبے براؤنو میں 20 اپریل 1889ء کی شام ساڑھے چھ بجے پیدا ہوا۔ وہ محکمہ کسٹم کے ملازم کا بیٹا تھا جس نے تین شادیاں رچا رکھی تھیں۔ ہٹلر تیسری بیوی کے بطن سے تھا۔ بچپن میں وہ نیم بیمار سا لگتا تھا اور مزاجاً شرمیلا تھا لیکن طبعاً غصیلا تھا۔ دوسرے بچوں کی طرح اسے بھی سکول بھیجا گیا لیکن وہ خود کو اچھا طالب علم نہ منوا سکا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی رہی ہو کہ چار پانچ سالوں کی ابتدائی پڑھائی میں وہ پانچ سکولوں کی سیر کر چکا تھا اور سات بار گھر کے پتے بدل چکا تھا۔ اس ماحول میں کسی بھی طالب علم کے علمی نتائج متاثر ہو سکتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے دو سال تک لمباچ کے گرجا گھر میں تعلیم حاصل کی۔ عمر کے گیارہویں سال ہٹلر کو ہائی سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ ابھی تک اسے کوئی سکول یا استاد متاثر نہیں کر سکا تھا جو اس کے دل و دماغ میں سکول یا تعلیم کی محبت راسخ کروا پاتا۔ بہرکیف ہائی سکول میں ہٹلر بہتر نتائج نہیں دکھا پا رہا تھا صرف تاریخ کے مضمون کے ایک استاد ڈاکٹر پوٹس نے اس کی شخصیت پر اپنا علمی نقش چھوڑا۔ ہٹلر نہایت متاثر کن الفاظ میں ڈاکٹر پوٹس کی تعریف کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر پوٹس تاریخ کے خشک مضمون کو اس قدر دلجمعی سے پڑھاتے کہ ہم محو ہو کر رہ جاتے، وہ ہمارے قومی جذبے کو ابھارتے، ملک سے محبت اور اس کے لیے بڑھ چڑھ کر کام کرنے اور اس کی عظمت رفتہ بحال کرنے کا پیغام دیتے۔ ان کی بدولت تاریخ اور وطن کی محبت میرے رگ و پے میں اتر گئی تھی۔ تاریخ کا مضمون نہ صرف میرا پسندیدہ مضمون بن چکا تھا بلکہ میرے خیالات میں بہت بڑا تغیر مجھے نظر آنے لگا تھا۔ ہٹلر کا باپ بیٹے کو خود کی طرح سرکاری نوکری میں دیکھنا چاہتا تھا لیکن وہ نوکری کو چاکری قرار دیکر ٹھکرا دیتا تھا۔ یہ باپ اور بیٹے کے درمیان پہلا نظریاتی ٹکراؤ تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ جو میرے دل، دماغ کہیں گے میں وہ کروں گا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں مصور بنوں اور مختلف انداز کی مصوری کر کے نام کماؤں۔ باپ یہ سن کر تیخ پا ہوا اس نے کہا میرے جیتے جی یہ نہیں ہوسکتا۔ اس گرما گرمی میں ہٹلر نے تعلیم میں دلچسپی خاصی کم کر دی جس کا نتیجہ صاف ظاہر تھا نتائج خراب آنے پر ہٹلر نے سکول چھوڑ دیا یا والد کو زچ کرنے کے لیے ڈرامہ کر رہا تھا۔ جس طرح کا

دماغ وہ رکھتا تھا ایسے منصوبے بنانا بعداز بعید نہ تھا۔ بہر حال اچھے طالب علم نہ ہونے کی وجہ سے اسے سولہویں سال میں تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔



ہٹلر کے بچپن کی مبینہ تصاویر

اسے مصوری کا شوق تھا لیکن جب اس نے آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کی آرٹس اکیڈمی میں داخلہ لینا چاہا تو انٹری ٹیسٹ میں ''غیر تسلی بخش'' نتائج کی بنا پر داخلہ نہ دیا گیا۔ اس ناکامی نے اس کے مزاج کو پہلے سے زیادہ چڑچڑا بنا دیا تھا۔ اگر اسے آرٹس اکیڈمی داخلہ دے دیتی اور وہ وہیں کا ہو رہتا تو دنیا آج شاید کسی ایڈولف ہٹلر کو نہ جانتی لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا ہے!

تب کا ویانا فن موسیقی، فن تعمیر اور مجسموں کے آرٹ کے لحاظ سے لاجواب شہرت رکھتا تھا۔ اس شہر کے پرمسرت دنوں اور رنگین راتوں نے ہٹلر کو کچھ نہ دیا سوائے مایوسی اور بے چارگی کے۔ شراب، شباب سے اس کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ اول درجے کا نیکوکار یا کسی جسمانی معذوری کا شکار تھا بلکہ اس کی مالی حالت، ہٹ دھرمی اور اصول کا پکا ہونا تھا۔ بچپن میں ایک مرتبہ وہ شراب پی کر راستے میں ہی لڑھک گیا تھا۔ ایک گوالن نے اسے گھر پہنچایا تھا۔ اس واقعے سے پہنچنے والی شرمندگی کے بعد اس نے قسم کھائی تھی وہ زندگی بھر شراب نہیں پیئے گا۔ شباب کے بارے میں یعنی عورتوں کے ساتھ جسمانی تعلق رکھنے کے بارے میں وہ شرمیلا واقع ہوا تھا جس کے سبب وہ عورتوں سے دور ہی رہنا پسند کرتا تھا۔

ویانا میں قیام کے دوران، پیٹ کی آگ سرد کرنے کے لیے اس کے پاس محنت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا تاکہ غربت کے بھیڑیے کو خود سے دور رکھ سکے ورنہ وہ اسے نگل جائے گا۔ اس نے گھٹیا اور سستے قسم کے تصویری کارڈ بنائے۔ جس مقام، مرتبے کی تلاش میں وہ ویانا آیا تھا وہ اس سے کوسوں دور تھا لیکن وہ مایوس ہرگز نہ تھا بلکہ مصمم ارادے اور بااعتماد شخصیت کے سہارے زندگی کے اس حسین موقع کی تلاش میں تھا جو اسے بام عروج تک پہنچا دے۔

بازاروں میں برف صاف کی، گھروں میں رنگ، روغن کا کام کیا، قالینوں کی صفائی کی اور کچھ عرصہ ریلوے کے پلیٹ فارم پر معمولی مزدور (پورٹر) کا کام بھی کیا۔ ان تمام کاموں نے اس کی مالی حالت کو کبھی اتنا سنبھالا نہ دیا کہ وہ کچھ بہتر کام کرنے کا سوچ پاتا۔ ان تمام کاموں کے ذریعے

اسے صرف بھوک مٹانے کا سامان مل پاتا۔ وہ خود کہتا تھا کہ ویانا میں قیام کے پانچ سالوں میں بھوک ہی اس کی بہترین ساتھی رہی تھی۔

پانچ سال قبل اس کے ذہن میں زندگی کی جو تصویر تھی اب اس کے خدوخال میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ اب اس کی سوچ ایک کم سن لڑکے کی سوچ سے نکل کر ایک مستقل مزاج شخص کی سوچ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ انہی دنوں میں اسے یہودیوں سے دلی نفرت سی ہو گئی تھی کیونکہ وہ شہر میں کاروبار، تجارت اور صنعت کے شعبوں میں مقامی اور غیر ملکی یہودیوں کی اجارہ داری، دیکھتا جس سے وہ غم، غصے کا شکار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ صرف جرمنوں کا حق تھا جو برتر آریائی نسل سے تھے۔ تاریخ کے طالب علم رہنے کی حیثیت سے اس کے ذہن میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ کئی صدیوں سے جرمن قوم ایک وسیع، عریض سلطنت پر حکمرانی کر رہی تھی جن میں بہت سی غیر زبان بولنے والی اقوام بھی شامل تھیں۔ 1848ء سے قبل تک جرمن برتری کی حالت میں تھے لیکن اس کے بعد اس کی گرفت کمزور ہونے سے ہنگری اور اٹلی الگ ہو گئے۔ نئے اور آزاد خیالات جنم لے رہے تھے جیسے مزدور ٹریڈ یونین بنانا چاہ رہے تھے تاکہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کر سکیں اور حقوق نہ ملنے کی صورت میں ہڑتال کر سکیں۔ اس کے علاوہ قومی خود مختاری اور قوموں کی برابری کے اصول منظر عام پر آرہے تھے۔ یہ حالات ہٹلر جیسے نوخیز نوجوان کے لیے ناقابل برداشت تھے۔ جرمن قوم کے بارے میں جو آئیڈیلزم اس کے ذہن میں تھا جب حالات، واقعات اس آئیڈیلزم کی نفی کرتے تو وہ ہٹلر کے لیے ناقابل قبول ہوتے۔ اس کا خیال تھا کہ جرمنی کو بزور طاقت ماضی کے عروج کی طرف لوٹنا چاہیے اور کم تر درجے کی قوموں کی برابری کے اصول کی نفی کرنی چاہیے۔ وہ پارلیمنٹ کو تماشا دکھانے والوں کی کرتب گاہ قرار دیتا تھا جس میں لاحاصل بحث، مباحثے تو تکرار اور جھوٹ سچ پر مبنی قصوں کی بازگشت سنائی دیتی تھی جن میں مقصدیت نام کو نہ تھی اور ایسی جگہ پر تماشا دکھانے سے جرمنی کی عظمت رفتہ لوٹ نہیں سکتی تھی۔

1913ء میں اس نے آخر کار ویانا شہر میں اپنے مستقبل سے مایوس ہو کر جرمنی لوٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ویانا سے واپس لوٹ کر ہٹلر میونخ پہنچا تو سیاسی افق پر جنگ کے بادل چھا رہے تھے۔ اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ رہنے کو نہ گھر تھا۔ اسی اثنا میں سیاسی میدان میں جرمنی اور فرانس حریف کی حیثیت سے آمنے سامنے آرہے تھے۔ وجہ جرمنی کی روز افزوں ہونے والی ترقی تھی۔ فرانس کا روس سے پہلے ہی جرمنی کے خلاف دفاعی معاہدہ (1891) موجود تھا۔ 1906ء میں وہ برطانیہ کے ساتھ بھی شیر وشکر ہو گیا۔ جرمنی کی برتر بحری قوت نے علاقے میں طاقت کا توازن جرمنی کے حق میں کر رکھا تھا جس کی بدولت روس، فرانس اور برطانیہ ایک دوسرے کے نزدیک آرہے تھے اور تین رکنی اتحاد (Trika Alliance) وجود میں آچکا تھا۔ یورپ میں حالات کشیدگی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ لڑائی چھیڑنے کے لیے صرف ایک گولی کی ضرورت تھی اور وہ گولی آسٹریا کے شہزادے فرڈینیڈ کی سرویا میں ہلاکت پر چل گئی۔ اس واقعے نے آسٹریا والوں کو آگ بگولا کر دیا، انہوں نے جرمنی کی شہ پر سرویا پر حملہ کر دیا۔ آسٹریا نے سرویا کو الٹی میٹم دیا کہ قاتلوں کو 48 گھنٹوں میں گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دیں۔ قاتلوں کے فرار کے سبب سرویا کے لیے یہ ممکن نہ رہا تھا۔ 48 گھنٹے گزرنے پر آسٹریا نے سرویا پر حملہ کر دیا۔ سرویا کو خطرے میں دیکھ کر روس کے زار نے بھی آسٹریا پر حملہ بول دیا جس پر جرمنی نے آسٹریا کی حفاظت کے لیے جنگ میں کودنے کا اعلان کر دیا۔ اسی اثنا میں فرانس نے سرویا کو بچانے کے لیے آسٹریا پر آگ اگلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے رد عمل کے طور پر جرمنی نے فرانس پر براہ راست فوجیں چڑھا دیں۔ جرمن بادشاہ قیصر ولیم کا خیال تھا کہ جرمنی چھ ماہ میں

فرانس کو شکست دے سکتا ہے۔ ان رپورٹوں کی بنا پر جرمنی نے فرانس پر حملہ کر دیا لیکن عملی طور پر ایسا نہ ہو سکا۔ جرمنی چار سالوں میں یہ مقصد حاصل نہ کر سکا۔ امریکہ کے جنگ میں شریک ہونے پر پانسہ پلٹ گیا اور جرمنی شکست کھا گیا۔

1918ء میں جرمنی کی معاشی حالت بگڑنے پر قحط پڑ گیا، ملک کے طول، عرض میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ پلیگ کی بیماری نے مزید تباہی چھائی۔ حالات قیصر ولیم کے قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ جرمنی چھوڑ کر ہالینڈ کی طرف نکل گیا اور پھر لوٹ کر نہ آیا۔ قیصر کے جرمنی سے نکلتے ہی کیمونسٹ جوز وروں پر تھے۔'' انہوں نے سیاسی انقلاب برپا کر دیا۔ اور اتحادیوں سے صلح کی کوششوں کے سگنل بھیجنا شروع کر دیے۔

جرمن کے ہار ماننے کے اعلان کے بعد اب نئی قیادت کے سامنے آگ اور خون کے کھیل کو ختم کر کے نارمل، انسانی زندگی کی طرف لوٹ کر آنا تھا۔ اتحادیوں سے صلح کی درخواست کی گئی دوسرے لفظوں میں انگریزوں نے یہ خونی جنگ بھی جیت لی تھی۔ زمین پر بسنے والی دوسری اقوام کو انگریز کی Consistent political اپروچ اور پالیسیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ جون 1919ء میں ورسیلز کے مشہور ہال میں فاتح ملکوں کے نمائندوں اور جرمنی کے نمائندوں کے درمیاں صلح کے معاہدے پر دستخط کیے گئے۔ یہ معاہدہ بظاہر ایک کاغذ کا ٹکڑا تھا لیکن اس کے پس پردہ جو ذلت تھی اس کا طوق اب جرمنی کو پہننا تھا۔

معاہدہ ورسیلز کے نتائج

1- جرمن کی رائین لینڈ میں واقع کوئلے اور لوہے کی کانوں پر قبضہ کر لیا گیا۔
2- الیس اور نورین دوبارہ فرانس کے حوالے کر دیے گئے۔
3- جرمنی کو اپنی نوآبادیوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔
4- فوجی لحاظ سے جرمنی کو اس قدر کمزور کر دیا گیا تھا کہ وہ آئندہ جنگ کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔
5- جرمنی پر پابندی تھی کہ وہ اسلحے کی فیکٹری اتحادی طاقتوں کی اجازت کے بغیر قائم نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی تمام فیکٹریاں تباہ کر دی گئیں۔ فوجی سکول ختم کر دیے گئے۔
6- جرمنی پر لازم تھا کہ وہ ہر ملک کو طے شدہ رقم کے مطابق تاوان ادا کرے گا۔ جس کی مالیت 1 ارب پاؤنڈ کے قریب تھی۔ ان ممالک میں فرانس، برطانیہ، اٹلی، بیلجیئم، یوگوسلاویہ، امریکہ اور رومانیہ شامل تھے۔

معاہدہ ورسیلز کے بعد کا جرمنی

جب اتحادی طاقتوں اور جرمنی کے مابین معاہدہ ورسیلز پر دستخط کیے جا رہے تھے اس وقت جرمنی کی جانب سے مارشل وان ہنڈ برگ کھڑا تھا۔ ایڈولف ہٹلر نام کے کسی انسان کو کوئی نہ جانتا تھا۔ وہ عام انسانوں کے ہجوم میں کھڑا ایک ایسا غیر معمولی انسان تھا جس کے پاس ایک متحرک سوچ تھی۔ جس کے سہارے اس نے دنیا کو ہلا دینا تھا۔

بدلتے حالات کے ساتھ جرمن سوچ بھی بدلی اور 11 فروری 1919ء کو جرمن سیاست دانوں نے ایک اجلاس میں جرمنی کے مستقبل کا سیاسی ڈھانچہ تیار کیا جرمنی کے لیے جمہوریت کو بطور نظام اپنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ فریڈرک ایبرٹ کو جرمن ڈیموکریٹس کا سربراہ چنا گیا۔ جرمنی کی جمہوریت آدھا تیتر آدھا بٹیر کی طرح تھی یعنی ایک طرف پارلیمنٹ جسے رائیچ (Reich) کہا جاتا تھا اور دوسری طرف 17 مطلق العنان ریاستیں جنھیں ایک ڈکٹیٹر کنٹرول کرتا تھا۔ معاہدہ ورسیلز کے مضر اثرات نے جرمنوں کی معاشی خوشحالی کو بدحالی میں تبدیل کر دیا تھا۔ ملک میں ہر طرف قحط کی سی صورت حال تھی۔ اس صورت حال میں کسی سیاسی جماعت میں استادم خم نہ تھا کہ وہ حالات کو کنٹرول کر کے جرمنی کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر سکے۔

بے چینی اور افراتفری کے ان دل گرفت حالات میں صدر جمہوریہ ایبرٹ کا انتقال ہو گیا۔ اب اس کی جگہ مارشل وان ہنڈبرگ کو صدر چنا گیا۔ اس شخص کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے توقع تھی کہ یہ شخص جرمنی کی عظمت رفتہ کی بحالی میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ مارشل ہنڈبرگ کو جرمنی بھر میں ایک اعلیٰ پائے کا مدبر قرار دیا جاتا تھا۔ ہنڈبرگ کے دور اقتدار میں ہی ہٹلر نے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ نازی پارٹی کی بنیاد رکھی اور اپنی قوم پرستانہ سوچ کو عوامی سطح پر لے گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہٹلر اس سارے عرصے میں کہاں تھا اور کیا کرتا رہا تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے وقت کا ہٹلر

1914ء میں جنگ عظیم اول کا چھڑنا ہٹلر کے لیے نادر مواقع سمیٹ لایا خصوصاً اس تناظر میں جب ہٹلر کے پاس ذاتی رقم برائے نام رہ گئی تھی۔ اس نے جرمن فوج کے بویرین یونٹ کے لیے اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کیں اور تمام جنگ میں وطن کی خدمت کی۔ اس کی بہادری کے اعتراف میں اسے بارہا انعامات سے نوازا گیا لیکن اسے رینک میں پرائیویٹ فرسٹ کلاس سے آگے ترقی نہ دی گئی۔ ایک ایسی جنگ جس میں زخمیوں کی تعداد ان گنت تھی، ایسے فیصلے کی توجیح تلاش کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ شاید افسروں نے اسے لونر سے زیادہ اہمیت نہ دی ہو جس کا کام پیغامات کو ادھر ادھر لیجانا اور کئی دوسرے خطرناک کام سرانجام دینا تھا لیکن اسے آدمیوں کی کمانڈ کرنے کے لحاظ سے ناموزوں قرار دیا گیا۔

ہٹلر نے انسانی نسلوں کے مابین جدوجہد اور کشمکش کے مختلف انداز دیکھے اس کے لیے ظاہری اور پوشیدہ جنگ، جدل کے مختلف طریقے دیکھے۔ بقا کی اس جدوجہد میں اس کے لیے تجربے کا ایک نچوڑ پنہاں تھا۔ ٹھیک اسی دور میں اس کے صیہونی مخالف جذبات اور احساسات جڑ پکڑ رہے تھے۔ 1918ء میں جب جرمنی کو جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، ہٹلر ایک فوجی ہسپتال میں زیر علاج تھا، Mustard گیس کے زیر اثر وہ عارضی طور پر اپنی بینائی کھو بیٹھا تھا۔ اس کا ذہن اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ جرمنی کی شکست کے ذمہ دار یہودی ہیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ملکی سیاست میں حصہ لیکر ملک کو بچائے گا۔

جنگ کے بعد ہٹلر میونخ واپس چلا گیا، وہاں مقامی فوجی ہیڈ کوارٹر نے اسے سیاسی مقرر منتخب کر لیا، اسے خصوصی تربیت دی گئی اور مواقع فراہم کیے گئے کہ وہ جنگی قیدیوں کی واپسی سے قبل عوامی اجتماعات سے خطاب کر کے عوامی رائے کو ہموار کر سکے۔ اس کی تقاریر نے میونخ کے علاقے میں سر

گرم سیاسی گروپوں پر نظر رکھنے کے اعتبار سے اس کے انتخاب کو درست قرار دیدیا۔ اس پوزیشن پر کام کر کے اسے جنگ کے بعد کے سالوں میں قوم پرست جماعت جرمن ورکرز پارٹی اور کئی دوسرے نسلی گروپوں کے بارے میں تحقیق کا اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ نسلی گروہ جنگ کے بعد میونخ میں خودرو پودے کی طرح اگ آئے تھے۔

نازی پارٹی کا وجود میں آنا

قوم پرستوں نے بدلتے سیاسی موسموں میں جرمن ورکرز پارٹی کے نام پر ایک سیاسی جماعت بنائی تھی جس کا بعد میں نام بدل کر نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی رکھا گیا۔ (جس کا مخففNSDAPیا نازی پارٹی تھا) یہ پارٹی ہٹلر کی سیاسی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ اسے اس سیاسی پلیٹ فارم کی شکل میں اپنی صلاحیتوں کے شاندار اظہار کا موقع ملتا نظر آ رہا تھا۔ ویانا میں رہتے ہوئے ہٹلر میں قوم پرسی اور صیہونی مخالف جذبات پیدا ہوئے تھے۔ ان خیالات کے ساتھ ساتھ اس نے جرمن وائیمر ریپبلک کی پیش کردہ روشن خیال جمہوریت کے نظریے کی مخالفت کو بھی اپنے سیاسی فلسفے کا حصہ بنایا تھا۔ جرمن وائیمر ریپبلک جماعت کا قیام جنگ عظیم اول کے بعد عمل میں آیا تھا۔ اگرچہ ہٹلر ابھی تک فوج میں تھا، لیکن وہ جلد ہی پارٹی کا ناترجمان بن گیا۔ عوامی تقریروں کے ذریعے اور مقامی فوجی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ہٹلر نے ایک ایسی تنظیم کے لیے جس کے اراکین کی تعداد 100 سے 200 تک تھی، افراد کی ایک کثیر تعداد کی حمایت اکٹھی کر لی۔ 24 فروری 1920ء کو پارٹی کے سرکاری طے شدہ پروگرام کے اعلان کے موقع پر 2000افراد موجود تھے۔

اگلے ہی ماہ ہٹلر کو فوج سے فارغ کر دیا گیا۔ جلد ہی اس نے نازی پارٹی میں حاکمیت اور برتری حاصل کر لی۔ وہ پارٹی کے سرکردہ اور بہترین افراد میں سے ابھر کر سامنے آیا تھا۔ جس انداز سے اس نے پارٹی کے اجتماعات میں حاضری کو بڑھایا تھا اور پارٹی کے لیے چندے اکٹھے کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس نے ہٹلر کے سیاسی قد کاٹھ کو خوب بڑھایا تھا۔ جب پارٹی کی صفوں میں اس کی مخالفت کی گئی تو اس نے مخالفین اور منحرفین کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ بارہا مواقعوں پر اس نے ایسی صورت حال میں پارٹی چھوڑ جانے کی دھمکی دی۔ ہٹلر نے خود کے لیے فیورر (Fuhrer) ''شاندار رہنما'' کے لقب کے انتخاب کے لیے کافی حمایت حاصل کر لی تھی۔ طاقت اور اثر و رسوخ کا کھلم کھلا مظاہرہ پارٹی کے 29 جولائی 1921ء کے اجلاس کے موقع پر کیا گیا۔

اقتدار تک رسائی

جنگ عظیم اول کے اختتام پر، اتحادیوں (جرمنی کے مخالف ممالک کا اتحاد، جو جرمنی کے خلاف لڑے تھے) نے جرمنی سے جنگی نقصانات کے ازالے کے بدلے رقوم کا مطالبہ داغ دیا۔ حکومت نے اس مطالبے کو من وعن تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جب جرمنی کافی رقوم کا بندوبست نہ کر سکا تو فرانس اور بیلجیئم نے جنوری 1923ء میں مغربی مرکزی جرمنی میں واقع روہر کے صنعتی علاقے کی کوئلے کی کان پر قبضہ کر لیا۔

اس جارحانہ اقدام کے خلاف بطور احتجاج جرمن حکومت نے ہر قسم کی رقوم کی ادائیگی روک دی اور روہر کے صنعتی علاقے کے ورکروں کو

مزاحمت کرنے کی کال دی۔ یہ مزاحمت ایک عام ہڑتال کی شکل میں سامنے آئی جب روہر کی کوئلے کی کان کے ورکروں نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ ہڑتالی ورکروں کو تنخواؤں کی ادائیگی کرنے اور کوئلے کی کان کی بندش سے ہونے والے مالی نقصان کی تلافی کے لیے، جرمن حکومت کو نئے کرنسی نوٹ کثیر تعداد میں چھاپنے پڑے۔ اتنی کثیر تعداد میں کرنسی نوٹوں کی مارکیٹ میں آمد نے افراط زر کو ہوا دی اور جرمن کرنسی اپنی ویلیو گنوا کر زمین پر آ گئی۔ جرمن لوگوں کی ان کے گھروں میں پڑی بچت کی رقوم اپنی اہمیت کھو بیٹھیں تھیں جبکہ اشیائے صرف کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔ ایک عام جرمن نوٹوں اور سکوں کا تھیلا بھر کر بازار نکلتا اور جیب میں بھر کر چیز لاتا۔ ان حالات میں معاشرہ نفسانفسی کا شکار ہو گیا۔ ہوشربا گرانی اور ہائپر افراط زر نے معاشرے کے تار پود بکھیر کر رکھ دیے تھے۔ غرضیکہ ہر طرف جرائم اور لوٹ مار تھی۔ قحط اور بیماری نے جرمن قوم کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

بڑھتی گرانی اور معاشرتی بدنظمی پر قابو پانے میں ناکامی پر جرمن حکومت نے جھنجھلا کر فیصلہ کیا کہ وہ اتحادیوں کے خلاف ست مزاحمت (Passive Resistance) کی پالیسی پر نظر ثانی کرے گی اور ایک نئے معاشرے کی تلاش کرے گی۔ ہٹلر نے سیاسی طور پر اس موقع کو کسی بھی انقلاب کے برپا کرنے کے لیے موزوں ترین قرار دیا۔ اس کے پیروکاروں میں بے چینی پھیل رہی تھی اور ہٹلر کو ڈر تھا کہ تختہ الٹنے کا موقع کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے کیونکہ حکومت معاشرتی بدنظمی اور افراط زر ختم کرنے کے لیے کسی ممکنہ معاہدے تک پہنچنے کی غیر معمولی کوشش کر رہی تھی۔

8 نومبر 1923ء کو ہٹلر نے نازی پیراملٹری فورس کے 600 مسلح افراد کی مدد سے کارروائی شروع کر دی اور میونخ کے بیئر ہال میں داخل ہو گیا جہاں بویرین کی صوبائی حکومت کا سربراہ گستاوان کاہر ایک عوامی اجتماع سے خطاب کر رہا تھا۔ ہٹلر نے آگے بڑھ کر وان کاہر کو دبوچ لیا اور اسے اُس کے قریبی ساتھیوں سمیت یرغمال بنا لیا۔ اس صورت حال میں کاہر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہیں تھیں۔ ہٹلر نے اس کی طرف پستول تانا، وہ پیچھے ہٹ گیا اور ہٹلر آگے بڑھ گیا۔

ہٹلر نے اپنے مخصوص انداز میں چیختے ہوئے کہا، قومی انقلاب شروع ہو چکا ہے۔ اس شراب خانے کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ جس نے فرار ہونے کی کوشش کی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

ہال میں اگر مکمل خاموشی نہ ہوئی تو میں سٹین گن لگوا دوں گا جو خود ہی سب کو خاموش کر دے گی۔ ہٹلر نے گرجدار آواز میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ بویریا اور جرمنی کی حکومتیں ہٹا دی گئی ہیں اور ایک قومی حکومت کی تشکیل دی جا رہی ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن اس کے بعد جوشِ خطابت میں ہٹلر کہہ گیا کہ فوج اور پولیس کی بیرکوں پر قبضہ کر لیا گیا ہے جو کہ درست نہ تھا۔

بیئر ہال میں موجود افراد میں سراسیمگی پھیلتی دیکھ کر گورنگ نے اوپر آ کر اعلان کیا کہ فکرمندی کی ضرورت نہیں، آپ لوگ مزے سے شراب پیئیں۔ جلد ہی آپ کے سامنے نئی قومی حکومت کی تشکیل کی خبر آ جائے گی۔ اسی اثناء میں ہٹلر کاہر، لاسو اور سیسر کو ہانک کر بغلی کمرے میں لے گیا اور پستول ان افراد کی طرف تان لیا۔ اس نے گرجدار آواز میں متنبہ کیا تخت یا تختہ میں سے ایک کا انتخاب تم لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ میں لیوڈینڈارف کی صدارت میں نئی حکومت قائم کرنے کا خواہاں ہوں اور اس میں تم لوگوں کے لیے اعلیٰ عہدے موجود ہیں گن پوائنٹ پر ہونے کے باوجود کاہر نے ہٹلر کا ساتھ دینے کی حامی نہیں بھری۔ اندر جب یہ گفتگو جاری تھی باہر نئی حکومت کا اعلان کیا جا چکا تھا جس کی تشکیل کا سہرا کاہر کے سر

باندھا جا چکا تھا۔اس کے بعد کاہر کو رہا کر دیا گیا۔رہائی پاتے ہی کاہر نے ہٹلر کے جاری کردہ بیانات کی تردید کی لیکن اس سے قبل بیئر ہال میں موجود ہزاروں افراد چاروناچار ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کے بیانات کے جھانسے میں آ گئے تھے۔لوگر ینڈارف بھی موقع پر پہنچ چکا تھا۔اس ڈرامہ بازی میں ہٹلر نے اپنے دل میں مدت سے چھپے انقلابی خیالات کا کھل کر اظہار کیا اور وہاں موجود مجمع سے جرمنی کی عظمت رفتہ کی بحالی کا عہد کیا۔

ہال کے باہر موجود خاکی کپڑوں والے ہٹلر کے جانثاروں اور صوبائی حکومت کی بھیجی فوج کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ شروع ہو چکا تھا۔ طاقت کا توازن صوبائی فوج کے حق میں تھا چنانچہ ہٹلر نے لیوڈینڈارف کو ہال میں چھوڑا اور تاکید کی کہ کاہر اور اس کے ساتھی بچ کر نہ جانے پائیں انہیں قابو کر کے رکھنا یہ کہہ کر وہ خود باہر چلا گیا۔ہٹلر کے حمائیتی دستوں نے پلان کے مطابق وزارت دفاع کا گھیراؤ کر لیا تھا لیکن وہ ٹیلی گراف کے چھوٹے سے دفتر کو نظر انداز کر گئے جس سے بغاوت کی خبر برلن پہنچ گئی۔ہٹلر کا منصوبہ حکومت پر قبضہ کرنے کا تھا خانہ جنگی کا نہیں تھا۔وہ ایک گولی چلائے بغیر دہشت کا ماحول پیدا کر کے یہ کام کرنا چاہتا تھا جس کے لیے اس نے کاہر اور دوسرے معززین پر پستول تان لیا تاکہ لوگ اس کے پیچھے چلے آئیں گے۔فوج کی آمد نے اس کے منصوبے کو درہم برہم کر دیا تھا۔ہٹلر کے سامنے پہلا کام یہ تھا کہ وزارت دفاع کی عمارت میں گھرے ہوئے اپنے دوست روئم کی مدد کی جائے۔اس کے ساتھیوں میں لیوڈینڈارف کی شخصیت معروف تھی اور امکان تھا کہ فوج اور پولیس اس کا احترام کرے گی۔ لیکن معاملہ توقع کے برعکس نکلا۔وزارت دفاع کی عمارت کے نزدیک مامور فوج کے کمانڈر نے لیوڈینڈراف اور ہٹلر کو کوئی اہمیت نہ دی اور ان کو ہالٹ کر دیا۔جس کے نتیجے میں گولی چلی اور یہیں ہٹلر کا بنایا منصوبہ زمین بوس ہو گیا کیونکہ ہٹلر کے پاس گنوانے کو اتنی افرادی قوت نہ تھی۔اس کا منصوبہ خون بہائے بغیر کام مکمل کرنا تھا۔

حالات کی پرواہ کیے بغیر ہٹلر اور اسکے وفاداروں نے میونخ کے مرکز کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ریاستی پولیس نے مارچ کو روکا، مارچ کے شرکاء کی طرف سے مزاحمت بڑھنے پر فائرنگ شروع ہو گئی اور ہٹلر کے 16 جانثاروں نے جان قربان کر دی۔عوامی طاقت کی کمی اور مسلسل گھٹتی عددی قوت کی بدولت، ہٹلر کے پاس بویرین حکومت کی پولیس اور فوجی طاقت کے خلاف ڈٹے رہنے کا کوئی موقع نہ تھا۔بیئر ہال میں برپا کی گئی بغاوت (Putsch) ناکام ہو چکی تھی۔ہٹلر فرار ہو گیا لیکن جلد ہی گرفتار ہوا اور اس پر مقدمہ چلایا گیا۔عدالت میں اس نے وائیمر ریپبلک اور بویرین حکومت کے خلاف خوب دلائل دیے۔بغاوت کے اس جرم کی پاداش میں ہٹلر کو پانچ سال قید کی سزا سنائی گئی لیکن ایک سال سے کم ہی عرصے کے بعد اسے رہائی مل گئی۔اگرچہ بغاوت ناکامی سے دوچار ہوئی تھی لیکن سیاسی طور پر اس کا فائدہ ہٹلر کو پہنچا۔اسے عوامی سطح پر زبردست شہرت ملی نیز اس تجربے نے اسے جمہوریت کو تباہ کرنے کا ایک اہم رستہ دکھایا۔اسے معلوم ہوا کہ جمہوریت کو کسی بیرونی قوت سے نہیں بلکہ اندرونی طور پر کام کر کے کھوکھلا کیا جا سکتا ہے۔اس طریقے میں کثیر عوامی حمایت بھی حاصل ہوتی ہے اور پولیس اور فوج کے ساتھ محاذ آرائی سے بھی گریز شامل ہوتا ہے۔

میری جدوجہد (مائن کیف)

جیل میں کٹنے دنوں کے دوران، ہٹلر نے ''میری جدوجہد'' نامی سوانح حیات کی پہلی جلد تحریر کروائی۔مذکورہ کتاب کا ترجمہ 1939ء میں جرمن سے انگریزی زبان میں کیا گیا۔اس کتاب میں ہٹلر نے 1923ء تک کی اپنی زندگی کے گزرے واقعات اور مشاہدات رقم کیے ہیں۔رہائی کے

بعد اس نے پہلی جلد میں اضافہ کروایا اور دوسری جلد کی داغ بیل ڈالی اس جلد میں اس کے دماغ میں پلنے والے بیشتر خیالات کا اظہار شامل تھا جس کے ذریعے دنیا کو اس کی شخصیت میں چلنے والے گرم اور ٹھنڈے الیکٹرک چارج کا بخوبی اندازہ ہوا اسی جوش، جذبے نے آگے چل کر تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دینا تھا۔

ہٹلر کا خیال تھا کہ تاریخ مختلف نسل اقوام کے درمیان کشمکش سے عبارت ہے وہ اکثر کہتا تھا کہ آریان نسل کو جرمنی میں برتر مرکزی مقام حاصل تھا اور یہی نسل آخر کار فاتح عالم ہوگی۔ اس بین الاقوامی کشمکش میں فاتح کہلوانے کے لیے جرمنی پر ایک ڈکٹیٹر کی حکومت ہوگی جسے نسلی برتری کا واضح احساس ہوگا اور اسی نسلی برتری کے شعور کو عوام میں اجاگر کر کے ان کے احساسات تک رسائی حاصل کی جاتی تھی۔ جذبات، احساسات چونکہ عقلی معیار کی پیروی کے قائل نہیں ہوتے، اس لیے نسلی برتری کے پروپیگنڈے کے لیے احساسات کو ٹارگٹ بنایا گیا تا کہ دوسری کمتر نسلوں (جیسا کہ دعویٰ کیا گیا) کے خلاف نفرت پیدا کی جا سکے۔ ان کمتر نسلوں میں یہودی سرفہرست تھے۔ جرمن معاشرے کی کسی اور کلاس کا اس فہرست میں کوئی ذکر نہ تھا۔

ہٹلر کے دماغ میں پنپنے والے خیالات میں ایک نظریہ جرمنوں کے لیے مزید رہائشی جگہ (Lebenstraum) کا حصول تھا۔ اس نے ان جرمن سیاسی جماعتوں اور تحریکوں کو ناامیدی کی حد تک بیوقوف قرار دیا جو سیاسی نعرے بازی کی حد تک اور کسی منضبط سیاسی پروگرام کے بغیر 1919ء کے ورسیلز معاہدے کا طوق گلے سے اُتارنے اور جو کچھ جرمنی نے کھویا تھا، اس کے دوبارہ حصول کے دعویدار تھے۔ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ جرمنی کو مستقبل قریب میں زیادہ زمین اور علاقے کی ضرورت ہوگی۔ اس مسئلے کے حصول کے لیے مقامی آبادی کو بیدخل کرنا یا موت کے گھاٹ اتارنا یا مزید علاقے فتح کرنا وقت کی اہم ضرورت تھی۔ اس کام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جنگوں سے واسطہ پڑنا ناگزیر تھا۔ یہ جنگیں سیاسی یا معاشی مقاصد کے حصول کے لیے نہ تھیں بلکہ زمینیں حاصل کرنے کے لیے تھیں جن پر آباد ہو کر جرمن مزید نسلیں تیار کر سکیں۔ نتیجتاً مزید زمین درکار ہوگی بڑھتی ہوئی آبادی سپاہ کی فراہمی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ ان اقدامات سے جنگی نقصانات کی تلافی میں مدد ملے گی اور مزید زمین فتح کرنے کے اسباب پیدا ہونگے۔ اس سوال کا البتہ جواب نہ دیا جا سکا کہ کیا ہوگا جب جرمن آباد کار بڑھتے بڑھتے کرۂ ارض کے دوسرے کونے تک جا پہنچیں گے۔

جیل میں کاٹے وقت کے دوران، ہٹلر نے نازی پارٹی کی نظریاتی سمت الفریڈ روز برگ کی طرف موڑ دی۔ روز برگ پارٹی کے اخبار پاپولر آبزرور (The Volkischer Beobacter) کا ایڈیٹر تھا لیکن اس میں انتظامی صلاحیت چنداں نہ تھی۔ نتیجتاً ہٹلر نے دسمبر 1924ء میں رہائی پاتے ہی پارٹی کا کنٹرول سنبھال لیا۔ سال 1925ء سے 1930ء کے درمیانی عرصے میں، ہٹلر نے جرمنی بھر میں مقامی سطح پر اپنی پارٹی کا نیٹ ورک پھیلا دیا اور S S نامی نازی نیم فوجی تنظیم کو از سرِ نو منظم کیا۔ ہٹلر نے سیاہ شرٹوں پر مشتمل دفاعی دستوں کو اپنی حفاظت، پارٹی کو کنٹرول کرنے اور پولیس کے کاموں کے لیے تیار کیا۔ جرمن زبان میں ایسے دستوں کے لیے لفظ Schutz Staffel استعمال کیا جاتا تھا۔

نیشنل شوسلسٹ پارٹی کے سیاسی عمل کو آگے بڑھانے کی اس مہم کے دوران جن چیدہ افراد نے ہٹلر کی مدد کی تھی انھوں نے 1923 سے قبل اس کے ساتھ کام کیا تھا۔ ہرمن گورنگ پہلی جنگ عظیم میں بطور جنگی پائلٹ خدمات سرانجام دے چکا تھا۔ اب اس کے ذمہ S A کی تنظیم سازی تھی۔

وہ ہٹلر کا انتہائی با اعتماد ساتھی تھا۔ روڈولف ہٹلر بھی ایک سابقہ پائلٹ تھا، اس نے ہٹلر کے سیکرٹری کی حیثیت سے پارٹی کی تنظیم سازی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ جوزف گوئبلز خوش دل تاثر چھوڑنے والا ایک کامیاب مصنف تھا۔ اسے ہٹلر کی پروپیگنڈا مہم کا روح رواں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس نے اپنی شعلہ بیاں تقریروں اور نت نئے حربوں سے عوام میں ہٹلر کے تشخص کو اس قدر ابھارا کہ اسے مبالغہ آرائی سے عبادت کے لائق ہستی کی سطح تک لے گیا۔

ارنسٹ روئم ایک فوجی افسر تھا جس کی حمایت کے سبب ہٹلر کے لیے فوج کی مدد لینا ممکن ہوسکتا تھا۔ SA جیسی بدنام زمانہ خفیہ تنظیم کے قیام کے پیچھے ارنسٹ کا ہاتھ کارفرما تھا۔ 1934ء میں روئم کو کاہر کے حکم پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ایسا ایک شک کی بناء پر ہوا جب ہٹلر نے محسوس کیا کہ روئم اس کے منصوبوں کے لیے خطرہ بنتا جا رہا تھا۔ ہنرک ہملر جس نے زمانہ طالب علمی میں زراعت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ایک سیکرٹری کی سطح سے پارٹی کے لیے کام کرنا شروع کیا اور پھر رفتہ رفتہ SS میں شامل ہوگیا جس کا وہ ایک دن سربراہ بن گیا۔ میکس امان جو پہلی جنگ عظیم میں ہٹلر کا سینئر افسر تھا اسے پارٹی کے اخبار اور اشاعتی ادارے کا سربراہ بنا دیا گیا۔ اس نے اپنے حسن تدبیر سے ان اداروں کو نفع بخش اداروں میں تبدیل کر دیا۔

1935ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد، ہٹلر نے ناکام بغاوت کے شہید اپنے سولہ ساتھیوں کی قبریں کھدوا انہیں ایک نئی جگہ دفن کیا اور اس جگہ کو ''قومی یادگار'' قرار دے دیا۔ وہ ہر سال بیئر ہال میں جا کر اس وقت کو یاد کرتا جب اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اقتدار حاصل کرنے کی ایک ناعاقبت اندیشانہ کوشش کی تھی۔ یہ کوشش اندھیرے میں چھلانگ کے مترادف تھی۔ وہ خود کہتا تھا کہ اس جلد بازی کی سزا اگر قدرت انہیں وہیں موقع پر دیدیتی تو آج ان کی لاشیں بھی نہ ملتیں۔ اس وقت ہٹلر کے پاس جوش تھا لیکن ہوش کم تھا۔ جماعتی تنظیم بھی کمزور تھی۔ اگر اقتدار مل بھی جاتا تو سنبھالنا ناممکن تھا۔ بغاوت کی ناکامی، عدالتی کارروائی کا سامنا کرنا، دنیا بھر میں خیالات کو پہنچانا، حالات کے زیر و بم سے نظریات کی اصلاح کرنا، کمزوریوں کا جائزہ لیکر اصلاح احوال کرنا جیسی تمام کامیابیاں جو بعد میں حاصل ہوئیں اس ایک ناکامی میں پوشیدہ تھیں۔ 1923 میں جب انہیں موقع ملا تو انہوں نے حکومت کی تشکیل کرنے میں چند گھنٹے لیے۔ ہٹلر نے سن 1942 میں خود یہ بات تسلیم کی کہ قید کے دوران کتاب کی جلد اول کی تیاری کے دوران اسے اپنے ناپختہ خیالات کو پختہ کرنے اور خود کو پرسکون کرنے کا نادر موقع ملا۔

ہٹلر کے نظریات کی کہانی

قوموں کے مابین نظریاتی کشمکش مختلف نظریات کو پروان چڑھاتی ہے۔ ان نظریات کی آبیاری جذبات کی گرمی اور نظریے سے وابستگی کرتی ہے۔

قوموں کا ٹکراؤ انسانی تاریخ کے لیے کوئی نئی بات نہیں لیکن اربوں کروڑوں انسانوں میں سے چند ایسے ہیں جنھوں نے ان ٹکراؤ میں کلیدی کردار ادا کیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمن نازی ڈکٹیٹر نے اتحادیوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ہٹلر کو دنیا ایک طرف تو انتہا پسند اور نسل پرست ڈکٹیٹر کی حیثیت سے جانتی ہے اور دوسری طرف اس کی شخصیت کا ایک ٹھوس پہلو یہودیت کی شدید مخالفت بھی ہے۔ ایڈولف ہٹلر کسی بھی یہودی کو جرمنی میں دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے یہودیت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی بات بھی کی تھی۔

ہٹلر کی مشہور تصنیف Mein Kamf (میری جنگ یا میری جدوجہد) کو نازی ازم کی مستند دستاویز میں شمار کیا جاتا ہے یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد 18 جولائی 1925ء کو منظر عام پر آئی۔ دوسری جلد 1926 میں شائع ہوئی۔

Mein Kamf ایک ایسا ٹائٹل ہے جس کا ترجمہ مختلف انداز سے کیا جاتا رہا ہے۔ اس کتاب میں ہٹلر نے اپنے بارے میں بھی بہت کچھ بیان کیا ہے اور نازی پارٹی کے ابتدائی زمانے کی باتیں بھی بیان کی ہیں۔ جو لوگ ٹائٹل کا ترجمہ ''میری لڑائی'' کرتے ہیں وہ بھی غلطی پر نہیں کیونکہ ہٹلر نے اس کتاب میں نازی ازم کے فروغ اور آریائی نسل کو بہترین نسل قرار دینے سے متعلق ایک محاذ کھولا ہے اور اس محاذ پر وہ آخر تک ڈٹا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ترجمے اور تصنیف کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت کے نزدیک اس کتاب کے ٹائٹل کا بہترین اور موزوں ترین ترجمہ ''میری جدوجہد'' ہو سکتا ہے کیوں کہ اس میں نازی پارٹی کے قیام اور جرمن معاشرے میں آرائین کے لیے بلند مقام پیدا کرنے کی جدوجہد تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست اور اس کے بعد درپیش ذلت سے پیدا ہونے والے ماحول میں انتہا پسندی کا اُبھرنا حیرت انگیز بات نہ تھی۔ جرمن معاشرہ انتشار کا شکار تھا۔ معیشت تباہ ہو چکی تھی۔ جنگ میں شکست نے جرمن قوم کے اعصاب اور نفسیات پر شدید منفی اثرات مرتب کیے تھے۔ معاہدہ ورسائی کے موقع پر جرمن وفد کو جس ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس نے جرمنوں میں متعدد یورپی اقوام کے لیے شدید غم و غصہ پیدا کر دیا تھا۔ روس اور فرانس کا رویہ بھی قابل اعتراض اور متنازعہ رہا تھا۔ ایسے میں اگر جرمنی کی نئی نسل انتقام لینے کے بارے میں سوچنے لگی تھی تو یہ کوئی غیر متوقع بات نہ تھی۔ ایسے میں ہٹلر نے جب نازی ازم کی بات کی تو لوگوں کو محسوس ہوا کہ ان کے دل کی بات کہنے والا کوئی سامنے آ چکا ہے۔

ہٹلر نے لینڈز برگ میں اسیری کے دوران ریمل مورس کو اپنی کتاب لکھوانا شروع کیا۔ جولائی 1924 میں ریوڈولف ہیس نے ہٹلر کی کتاب کے نوٹس لینے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ بعد میں اس کتاب کی تدوین اور ادارت پر مامور ہونے والوں میں ہیس بھی شامل تھا۔ اصل مسودے میں بہت سے باتیں بار بار بیان کی گئیں۔ لہٰذا بیان کچھ ایسا تھا کہ پڑھنے والے تیزی سے بیزار ہو جاتے تھے۔ ہٹلر چوں کہ باقاعدہ مصنف نہ تھا، اس لیے اس کے انداز بیان میں پیشہ وارانہ رنگارنگی نہیں تھی اور وہ کسی بھی بات کو تفصیل سے بیان کرتے وقت اس میں دل کشی کا پہلو برقرار نہیں رکھ پاتا تھا۔ ادارت کے دوران کافی کانٹ چھانٹ کی گئی تاکہ کتاب میں کشش پیدا کی جا سکے۔ کتاب کو آسان تر بنانے کے لیے اس میں بہت کچھ حذف کیا گیا۔ انتساب تھیل سوسائٹی کے رکن ڈائٹ برچ ایکارٹ کے نام کیا گیا۔

ہٹلر کے تصورات

ہٹلر نے ''مائن کیمف'' میں ان تمام خیالات اور تصورات کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے جو بعد میں دوسری جنگ عظیم کا موجب بنے۔ 1895 میں جرمن دانش ور گستاولی بون کی کتاب ''دی کراؤڈ'' شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں لی بون نے اس امر پر بحث کی تھی کہ کسی

بھی معاشرے میں اگر رائے عامہ کو کنٹرول کرنا ہے تو منظم پروپیگنڈا کے ہتھیار کو استعمال کرنا پڑے گا۔

ہٹلر اور اس کے رفقاء میں یہودیوں کے خلاف شدید نفرت موجود تھی۔ یہ لوگ "دی پروٹوکول آف دی ایلڈرز آف دی زائن" اور اس سے ملتی جلتی دستاویزات سے خاصے مشتعل تھے۔ مذکورہ دستاویز کو دنیا پر یہودیوں کے غلبے کی سازش پر مبنی پروگرام تصور کیا جاتا ہے۔ ہٹلر کا دعویٰ تھا کہ بین الاقوامی رابطے کے لیے وضع کی جانے والی زبان اسپرالتو بھی دراصل پوری دنیا پر قابض ہونے کی یہودیوں کی سازش کا ہی حصہ ہے۔ ہٹلر اور اس کے ساتھیوں نے "پروٹوکول آف دی ایلڈرز آف دی زائن" کی تحقیق بنیاد پر ہی قدیم جرمن تصور "ڈرینگ لیچ آسٹن" (مشرق کی جانب توسیع) کی حمایت کی۔ ہٹلر جرمنی کو مشرقی سمت توسیع دینے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ پہلے مشرقی یورپ پر قبضہ کیا جائے، اس کے بعد سوویت یونین پر حملہ کیا جائے اور اُس نے ایسا ہی کیا۔

بعض مبصرین کہتے ہیں کہ ہٹلر نے اپنی کتاب میں بعض حقائق کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے اور چند ایک گھڑی ہوئی باتیں بھی کتاب میں شامل کی ہیں۔ ہٹلر کی دنیا پر قابض ہونے کی یہودیوں کے بارے میں اس کی رائے اس کتاب میں درج ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ اشتراکیت بھی دراصل یہودیوں ہی کی سازش ہے اور اس کا مقصد دنیا کو دو بلاکس میں تقسیم کر کے ان کی لڑائی سے اپنے مفادات مستحکم کرنا تھا۔ کتاب میں اس نے برملا کہا کہ وہ یہودیت اور اشتراکیت کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر دم لے گا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمن باشندوں کو غیر معمولی معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ نے جرمنی میں بنیادی ڈھانچہ تباہ کر دیا تھا۔ تعلیم اور صحت کا برا حال تھا۔ ہٹلر نے اس رائے کو عام کرنے کی کوشش کی کہ جرمنی میں بگاڑ کا ایک بنیادی سبب پارلیمانی جمہوریت بھی ہے۔ وہ اس بات کو بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتا تھا کہ پارلیمانی جمہوریت کی موجودگی میں قومی ترقی کو شرمندہ تعبیر کرنا ممکن نہیں۔ اس کا سیاسی عقیدہ یہ تھا کہ ملک کی ترقی کے لیے تمام اہم فیصلوں کا اختیار کسی ایک شخصیت کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ خارجہ امور سے متعلق ہٹلر کے نظریات خاصے ٹھوس تھے۔ وہ عجلت سے کام لینے کا قائل نہیں تھا۔ پہلے معاہدہ ورسائی کی زنجیر توڑنی تھی۔ اس کے بعد برطانیہ اور اٹلی سے دوستی اور تعاون کا معاہدہ کرنا تھا۔ اور اس کے بعد ان دونوں کے ساتھ مل کر فرانس پر حملہ کرنا تھا۔ ہٹلر مشرقی یورپ میں فرانس کے اتحادیوں کو بھی معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ خارجہ امور کے حوالے سے تیسرا مرحلہ یہودیوں اور اشتراکیوں کی تیار کی ہوئی جنت (سوویت یونین) کو تباہ کرنا تھا تا کہ جرمنی کو مشرق کی سمت مکمل طور پر پیر پسارنے کا بھرپور موقع ملے۔ ہٹلر کے نزدیک سوویت یونین کا خاتمہ اس لیے ضروری تھا کہ وہاں اشتراکیت نے تیزی سے اپنی جڑیں مستحکم کی تھیں۔ اور دوسری طرف یہودیوں کے لیے بھی سوویت یونین ایک اہم پناہ گاہ تھی۔ ہٹلر یہودیوں کی پناہ گاہ ختم کر کے انھیں مکمل تباہی سے دوچار کرنا چاہتا تھا۔

جرمن مورخ اینڈریز ہل گروبر نے خارجہ امور سے متعلق ہٹلر کے منصوبوں کو ایک مرحلہ وار پروگرام (Slufenplan) قرار دیا تھا۔ ہٹلر کے حوالے سے یہ لفظ استعمال کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ اس کا خالق ہٹلر نہیں تھا۔ لفظ ہل گروبر کا دیا ہوا تھا۔

اپنی کتاب میں ہٹلر نے کئی مقامات پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ ہی فریڈرک نطشے کا یعنی سپر مین Ubermensch ہے۔ نطشے نے

اپنی تصنیف Thus Spoke Zarathustra میں ایک ایسے انسان کا تصور دیا ہے جو انسانوں میں پائی جانے والی صفات سے کہیں بڑھ کر صفات کا مالک ہے۔ نطشے کے مطابق کہ انسانوں کے لیے سپر مین کا وجود تمام مسائل سے چھٹکارا دلانے کی نفسیاتی ہمت فراہم کرتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ہٹلر سپر مین کی لامحدود طاقت کے عفریت سے خائف تھا۔ ہٹلر نے خود کو سپر مین ثابت کرنے کی کوشش اس لیے کی کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمن باشندے شدید مایوسی کی لپیٹ میں تھے اور انھیں کسی نجات دہندہ کی تلاش تھی۔ ہٹلر نے نطشے کے دیے ہوئے سپر مین کا تصور اس لیے بھی اپنایا کہ نطشے کی بہن الزابیتھ فورسٹر سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ الزابیتھ فورسٹر نازی پارٹی کے ابتدائی ارکان میں سے تھی۔ نازی پارٹی کے دیگر ارکان کی طرح الزابیتھ بھی یہودیوں سے شدید نفرت کرتی تھی۔ نطشے کا ذہنی توازن بگڑ جانے پر اس کی تمام تخلیقات کی تدوین اور اشاعت کی ذمے داری الزابیتھ نے سنبھال لی۔ خود نطشے نے کئی بار یہ بات کہی تھی کہ الزابیتھ اس کی تحریروں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ نطشے کو اپنی بہن میں یہودیت مخالف رجحان بھی پسند نہیں تھا۔

ہٹلر کی شخصیت میں نسل پرستی سب سے نمایاں عنصر تھی۔ اس نے اپنی کتاب میں بھی کئی مقامات پر نسل پرستی کو اپنی فکر کا محور بنا کر پیش کیا ہے۔ ہٹلر اس تصور کا حامل تھا کہ آریائی نسل بہترین ہے اس کو دنیا پر حکمرانی کا حق حاصل ہے۔ نسلی سلسلہ مراتب میں اس نے آرین کو سب سے بلند اور یہودیوں اور خانہ بدوشوں کو سب سے کمتر قرار دیا ہے۔ ہٹلر کا ایک تصور یہ بھی تھا کہ تمام غیر آریائی نسلوں کو آریاؤں سے علم اور فنون سیکھ کر بہتر زندگی گزارنی چاہیے۔ ہٹلر نے یہودیوں پر الزام عائد کیا کہ یہودی آرین کے اقتدار کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ ہٹلر کی جانب سے یہودیوں پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ ایک طرف تو وہ آریائی نسل کو آلودہ کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ نسلی مساوات کا درس دے کر نچلی نسلوں کو بلند ہونے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔

ہٹلر کا بنیادی سیاسی نظریہ یہ تھا کہ نسلی، ثقافتی اور سیاسی لڑائی کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ دنیا پر حکمرانی کے لیے آریائی اور غیر آریائی نسلوں کے مابین کشمکش جاری ہے۔ ہٹلر نسلی مساوات کے حق میں کسی بھی سطح پر نہیں تھا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ نسلی برتری کا دعویٰ کرنے کا حق صرف آریائی نسل کو ہے۔ وہ اس معاملے میں اس قدر متشدد تھا کہ اس نے ایک بار جینیٹک انجینئرنگ کے ماہرین کی ایک ٹیم کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ ہر اعتبار سے بے عیب نسل تیار کرنے کے لیے اقدامات تجویز کریں۔ ہٹلر چاہتا تھا کہ جرمن نسل میں کسی بھی نوعیت کے عیب کے حامل بچے پیدا ہی نہ ہوں! اس کی انتہا پسند سوچ نے ایک ایسے پروگرام کو بھی جنم دیا جس کا مقصد جرمن نسل میں پیدا ہونے والے معذور یا جسمانی طور پر کمزور بچوں کو ہلاک کر دینا تھا! ہٹلر ہر صورت میں آریائی نسل کو عالمی اقتدار پر قابض دیکھنا چاہتا تھا۔ 1928 میں ہٹلر نے ایک اور کتاب لکھنا شروع کیا جس میں اس نے یہ تصور پیش کیا کہ 1980 تک دنیا پر قابض ہونے کی جنگ میں امریکا کے مقابل برطانیہ اور جرمنی کی افواج ہوں گی۔

1933 میں ہٹلر کے برسر اقتدار آنے تک ''مائن کیمف'' کی فروخت غیر معمولی نہیں رہی تھی۔ 1933 میں کتاب کی پندرہ لاکھ کاپیاں فروخت ہوئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کتاب جرمن نازی پارٹی کے ہر رکن کے لیے مقدس ترین دستاویز کی حیثیت اختیار کر گئی۔ پھر تو یہ بھی ہونے لگا کہ کہیں کوئی شادی ہوتی تو دولھا اور دلھن دونوں کے ہاتھوں میں ''مائن کیمف'' کی کاپی ہوتی۔ سرکاری اہلکار بھی اس بات کو اہمیت دینے لگے کہ

کتاب زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔ سرکاری کتب خانوں میں یہ کتاب بڑے پیمانے پر رکھی گئی۔ بہت سے لوگ نازی پارٹی میں راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے کتاب خریدتے اور اس بات کا اظہار بھی کرتے تھے کہ ان کے پاس ہٹلر کی کتاب ہے۔ یہ ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ کتاب خریدنے والوں میں سے محض دو چار فیصد نے ہی اسے پڑھا۔ بہت سے لوگ جرمن خفیہ پولیس گسٹاپو کے قہر سے بچنے کے لیے گھر میں ہٹلر کی کتاب کا نسخہ رکھتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک ''مائن کیمف'' کی ایک کروڑ کاپیاں فروخت ہو چکی تھیں!

انگریزی میں ترجمے کی اشاعت کے بعد دنیا کو معلوم ہوا کہ ہٹلر کے عزائم کیا ہیں اور وہ یہودیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا تھا۔ جرمن پبلشر نے کتاب کے پہلے انگریزی ترجمے سے ایسے بہت سے حصے نکال دیے جن میں ہٹلر نے یہودیوں، اشتراکیت اور نسل پرستی کے بارے میں اپنے خیالات کھل کر بیان کیے تھے۔ یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل کے رپورٹر اور بعد میں کیلی فورنیا سے امریکی سینیٹ کے رکن منتخب ہونے والے ریلن کرینسٹن نے جب یہ محسوس کیا کہ انگریزی ترجمہ ناکافی ہے اور اس سے اچھا خاصا اہم مواد حذف کر دیا گیا ہے تو اس نے کتاب کا نئے سرے سے ترجمہ کیا اور کوشش کی کہ کوئی بھی اہم نکتہ رہ نہ جائے۔

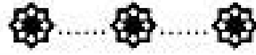
ایلن کرینسٹن کے لیے یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ 1939 میں ہٹلر کے جرمن پبلشر نے ایلن کرینسٹن پر کاپی رائٹ کا مقدمہ دائر کیا۔ امریکی ریاست کنیکٹیکٹ کی ایک عدالت نے ہٹلر کے حق میں فیصلہ سنایا اور کرینسٹن کو کتاب شائع کرنے سے روک دیا گیا تاہم تب تک کتاب کی پانچ لاکھ کاپیاں شائع ہو چکی تھیں! اس ترجمے کی اشاعت نے وہ کام کر دکھایا جو اس کی اشاعت کا مقصد تھا۔ امریکا اور یورپ کے بیشتر باشندوں اور حکومتوں کو اندازہ ہو گیا کہ ہٹلر کیا چاہتا ہے۔

انگریزی اور ولندیزی کے سوا کسی بھی زبان میں ''مائن کیمف'' کے ترجمے کے حقوق جرمن صوبے باویریا کی حکومت کے پاس ہیں۔ یہ کاپی رائٹ 31 دسمبر 2015 تک ہے۔ جرمن مورخ ورنر میزر کے مطابق ہٹلر کے بھتیجے لیو روبل کا بیٹا پیٹر روبل کاپی رائٹ پر اپنے حق میں مقدمہ جیت سکتا ہے۔ ویانا (آسٹریا) میں انجینئر کی حیثیت سے کام کرنے والا پیٹر روبل کاپی رائٹ کے حقوق حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اگر وہ مقدمہ جیت لے تو کئی کروڑ یورو اس کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوں گے!

باویریا نے جرمنی کی مرکزی حکومت سے ایک معاہدہ کر رکھا ہے جس کے تحت ''مائن کیمف'' کو کوئی بھی ادارہ یا شخص شائع نہیں کر سکتا۔ کتب خانوں میں مختصر ایڈیشن رکھنے کی اجازت ہے۔ اس میں تبصروں اور جائزوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ اس نوعیت کے ایڈیشن کی اشاعت کا بنیادی مقصد جرمن حکومت کی جانب سے دنیا کو یہ تاثر دینا ہے کہ وہ ہٹلر کے خیالات سے متفق نہیں۔

ہٹلر کی تصنیف میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جنھیں پڑھ کر اس دور میں عالمی سطح پر پائے جانے والے سیاسی اور معاشی مسائل کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہٹلر پر الزام ہے کہ اس نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اس الزام پر سیر حاصل بحث کتاب کے اگلے صفحات پر موجود ہے۔ ہٹلر نے یورپی معیشت پر یہودیوں کے غلبے سے پیدا ہونے والی جو صورت حال بیان کی تھی اور جن عوامل کی بنیاد پر یہودیوں سے نفرت کو اپنے لیے ایمان کا درجہ دیا تھا وہ عوامل اب بھی موجود ہیں، بلکہ مستحکم تر ہیں۔ اس وقت امریکا اور یورپ کی معیشت پر یہودیوں کا واضح غلبہ ہے۔

ایک بار پھر ان کے خلاف نفرت تیزی سے پنپ رہی ہے۔ ہٹلر بھی ایک فردِ واحد تھا لیکن اس نے بنی نوع انسان کو جنگ میں جھونک دیا۔ انگریزوں کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے دوسری اقوام کے سرکردہ افراد کی ایسی ہی غلطیوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا لیکن جن رہنماؤں نے ایک جامع حکمت عملی اپنائی اور دوررس (Vision) نتائج کو مدنظر رکھا ان کی کشتی منجدھار سے باہر ہی رہی جیسے حیدر علی نے فن حربی کے ساتھ بھرپور سیاسی دماغ کا استعمال کر کے انگریزوں کو محاذِ جنگ اور مذاکرات دونوں میں شکست فاش دی۔ اگر اُس کی زندگی وفا کرتی تو اس نے انگریزوں کو واپس بحر بنگال کی طرف دھکیل دیا ہوتا۔



یورپ میں یہود مخالف جذبات اور جرمن تاریخ

یہودیوں پر 1930 اور 1940 کے درمیان ڈھائے جانے والے نازیوں کے مظالم کا مطالعہ دعوؤں کی اس بنیاد پر نہیں ہوتا کہ یہود مخالف نظریہ جرمن فلسفے یا جرمن کے تیسرے سیاسی دور (1933 تا 1945) کے سرکردہ رہنماؤں کا ایجنڈہ تھا۔ یہود مخالف جذبات میں جرمن لوگ اکیلے قصوروار نہیں، یہ نظریہ یا فلسفہ یورپین تہذیب جتنا قدیم تھا۔

یہودلوگوں کی بدقسمتی کو دو زبردست اور سنگین واقعات سے منسلک کیا جاتا ہے۔ پہلا واقعہ 33 ہجری میں یہودیوں کے ہاتھوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب کیے جانا اور دوسرا واقعہ 69 ہجری تا 70 ہجری کے درمیانی عرصے میں رومی ایمپائر کے خلاف یہودی بغاوت کی ناکامی تھی۔

پہلے واقعے نے یہودیوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا تاریخی وزن لاد دیا جس کے بوجھ تلے دب کر وہ پیغمبر کے قاتل ٹھہرائے گئے، اس مسیحا کے قاتل جسے انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا (یہودی تعلیمات کی روشنی میں مسیحا اس منتخب شدہ، برگزیدہ ہستی کو کہتے ہیں جسے اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے یہودیوں کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا ہو۔)

دوسرے واقعے نے اسرائیل کی بادشاہت کو تباہ برباد کر دیا جب رومیوں نے اپنا سارا غصہ اور انتقام یہودیوں پر اتارا اور انہیں آباد دنیا کے کسی بھی مقام کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ یہودیوں کے اس طرح تتر بتر (Diaspora) ہونے کا مطلب یہ تھا کہ روئے زمین پر وہ ایک منتشر قوم ہیں اور ان کا کوئی وطن نہیں ہے، ان کے پاس زمین کا ایسا کوئی ٹکڑا نہ ہوگا جسے وہ مادر وطن قرار دے سکیں۔ ان کی یہ حالت تب تک برقرار رہی جب 1948ء میں اسرائیل کی جدید ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔

یہودیوں کے یوں بکھر جانے کے بعد یہودیوں کی تاریخ ایک ایسے انتشار اور افراتفری کا نقشہ پیش کرتی نظر آتی ہے جب وہ عیسائیوں کے ہاتھوں یورپ بھر میں ظلم اور ناانصافی کا نشانہ بنے۔ مثال کے طور پر انگلستان میں 1263 اور 1290 میں لندن اور نیویارک میں یہودیوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کیا گیا جبکہ جرمن صلیب برداروں نے اسلامی ترکوں کے خلاف مقدس سرزمین (فلسطین) میں لڑائی کے دوران ملحقہ شہروں میں بسنے والے یہود کا قتل عام کیا۔ فرانس میں 1306ء میں یہود مخالف جذبات یہودیوں کی جائیدادوں کی ضبطی کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ یہودیوں کے قتل عام اور ان کی جائیدادوں کی چوری جیسے واقعات نے ثابت کیا اور ان دعوؤں کو تقویت ملی کہ یہود "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن" تصور کیے جاتے تھے۔

یہودیوں کے خلاف عیسائیوں کی اس نفرت کو مزید ہوا اس وقت ملی جب اس میں مذہبی حلقہ بھی شامل ہو گیا۔ یہود روپیہ پیسہ ادھار پر دیتے تھے اور اس کے بدلے میں منہ مانگا سود وصول کرتے تھے جبکہ کیتھولک چرچ میں سود لینا اور دینا حرام تھا۔ قرون وسطیٰ کے حکمرانوں کو انتظامی اور

فوجی مقاصد کے لیے رقم کی ضرورت رہتی تھی جبکہ اس ضرورت کو فوری پورا کرنے کے لیے جو طبقہ دستیاب تھا وہ یہودی تھا۔ وہ یہ کام ضرورت کے مطابق سرانجام دے سکتے تھے جبکہ عیسائی ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اس بناء پر یہود سے نفرت کی جاتی تھی اور ان سے حقارت سے پیش آیا جاتا تھا۔

حالات یہودیوں کے لیے اس وقت مزید خراب ہوگئے جب سولہویں صدی کے ابتدائی حصے میں معاشی اور سیاسی اصلاح کی تحریک کا عمل (Reformation) شروع ہوا۔ جرمن اصلاح پسند مذہبی مفکر مارٹن لوتھر (1483 تا 1546) اپنے کیریئر کی ابتدا میں یہودیوں کے خلاف شدت پسند جذبات رکھتا تھا، اس کی پیروی میں اس کے پیروکار اس سے دس قدم آگے ہی تھے، پروٹسٹنٹ فرقہ کیتھولک چرچ میں ہونے والی مبینہ خلاف مذہب کاروائیوں پر خفا تھا۔ وہ یہود کے لیے سخت گوشہ رکھتے تھے۔ انگلستان میں تب برداشت (Tolerance) کی ایک ہلکی سی کرن بھی شاید ہی نظر آتی تھی۔ ماحول میں سکوت طاری تھا۔ 1656ء میں کامن ویلتھ کے لارڈ محافظ اولیور کرومویل نے یہودیوں کو ان علاقوں میں دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دیدی جہاں سے وہ تیرویں صدی میں نکالے گئے تھے۔

روشن خیالی

اٹھارویں صدی میں روشن خیالی کے نام پر یورپ کے مختلف حصوں میں مذہبی منافرت اور تنگ نظری کا دورہ تھا۔ سرکردہ یورپین مفکرین جن میں والیٹر (1694 تا 1778) اور جین جیکس روسو (1712 تا 1778) سرگرم عمل تھے۔ وہ عیسائی چرچ کے بہت بڑے نقاد تھے اور شخصی آزادی اور قانون کی نظر میں سب کی برابری کے داعی تھے۔ ان کی اس سوچ میں یہودیوں کے لیے بھی آزادی اور برابری شامل تھی لیکن روشن خیالی نے 1789ء کے انقلاب فرانس کے بعد سپین، جرمنی اور روس میں گھر کر لیا تھا۔ فرانس میں ترقی پسند سوچ غالب تھی لیکن 1792ء سے 1814ء کے درمیان فرانس کی حیثیت یورپ میں برتر رہی۔ بہرحال فرانس کے زیر قبضہ اٹلی اور جرمنی میں یہود پر پابندیوں کا یہود کو فائدہ ہوا۔

یہود کے خلاف نفرت میں ریاست کی پشت پناہی

انیسویں صدی کے اختتام پر روس میں ایک پریشان کن صورت حال نے جنم لیا۔ جب روس کے زار کے اشارے پر یہود پر حملوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ 1880ء اور 1914ء کی پہلی جنگ عظیم چھڑنے کے عرصے میں یہودیوں پر حملوں کے سلسلے میں کافی "پوگرومز" بنائے گئے۔ (یہ لفظ اہلِ یہود کے خلاف نسل کشی کے پروگراموں کے لیے استعمال کیا جاتا رہا۔

ان حملوں کے نتیجے میں یہودیوں کے لیے نارمل زندگی گزارنا تقریباً ناممکن ہوگیا تھا۔ ان مظالم کے نتیجے میں بہت سے نوجوان یہودی جن میں لیون ٹروسکی اور گریگوری زینوف شامل تھے، بولشیوک پارٹی جیسے انقلابی گروپوں میں شامل ہوگئے۔

یہود کے خلاف نفرت کی اس وقت انتہا ہوگئی جب 1903 میں کشنیف (Kishinev) شہر میں مقامی آبادی کو یہودیوں پر حملے کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی۔ اس کے نتیجے میں پچاس لوگ موت کا شکار ہوئے۔ اس قتل عام کو روکنے کے لیے پولیس یا فوج کی طرف سے کوئی مداخلت نہ کی گئی۔ زار نکولس دوئم ایک مشہور زمانہ یہود مخالف تھا اس ضمن میں وہ اپنے باپ الیگزینڈر سوئم کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ دس سال بعد 1913 میں

بدنام زمانہ بیلی کیس وقوع پذیر ہوا۔ اس کیس میں ایک جواں سال یہودی پر ایک بچے کے قتل کا الزام لگایا گیا کہ اس نے یہودیوں کی خفیہ رسومات کے لیے عیسائی خون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب روس میں کچھ خفیہ کاغذات منظر عام پر آئے۔ یہ ایک جعلی دستاویز تھی جس میں دعوی کیا گیا تھا کہ یہودی دنیا بھر پر قبضہ کرنے کی سازش کر رہے تھے۔ روس سے ایک صاف اور واضح پیغام بھیجا گیا جس کی بازگشت بیسویں صدی کے یورپ میں سنائی دی گئی۔

-1 روس میں یہودیوں کو زبردستی شہروں سے نکال کر منتخب علاقوں میں بسنے پر مجبور کیا گیا اور غیر قوم قرار دے دیا گیا۔

-2 یہودیوں کی موجودگی کو نسلی اعتبار سے قوم کے لیے خطرہ قرار دیا گیا۔

ڈریفس کیس

یورپ میں یہودیوں کے خلاف مہم نے 1890 میں فرانس میں منظر عام پر آنے والے بدنام زمانہ ڈریفس کیس میں سر ابھارا۔ مذکورہ کیس کے مطابق ایک یہودی فوجی آفیسر الفریڈ ڈریفس السیشین کے علاقے کا رہائشی تھا۔ السیشے ان دنوں فرانس کا ایک علاقہ تھا جو جرمن حکومت کے ماتحت تھا۔ اس فوجی آفیسر پر الزام تھا کہ وہ جرمن کے لیے جاسوسی کا مرتکب ہوا ہے۔ ڈریفس کو 1894 میں فرانسیسی فوج سے نکال دیا گیا اور فرانسیسی گا ئنا میں شیطانی جزیرے کی ایک کالونی میں بھیج دیا گیا جو ایسے ہی سزا یافتگان کے لیے بنائی گئی تھی۔

بالا آخر تحقیقات کے بعد ڈریفس کو معصوم اور بے گناہ پایا گیا چنانچہ 1906 میں اسے فوج میں اس کے منصب پر بحال کر دیا گیا۔ اس کیس نے قوم کو منقسم کر دیا سیاسی قوتیں، فوج کی اعلیٰ کمان اور کیتھولک چرچ سبھی ڈریفس کے مخالف تھے کیونکہ وہ یہودی تھا اس اعتبار سے اسے سچا فرانسیسی تسلیم کیے جانا محال تھا۔ اس کیس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا اور ثابت ہو گیا کہ یہودی حقیقی جاسوس نہ تھا اس طرح کم از کم ڈریفس نے وہ انصاف حاصل کر لیا جو اس کی نسل کے لوگوں کو بیسویں صدی میں ملنا ناممکن تھا۔

جرمن کی یہودی مخالف پالیسی

یورپ بھر میں پھیلی یہود مخالف مہم کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ایک سوال ابھرتا ہے کہ نازی دور میں جرمن یہود کے معاملے میں اس قدر ظالم اور متشدد کیوں تھے؟ ڈریفس جیسے ایک یہودی پر ناخوشگوار مقدمہ چلائے جانا اور چھ کروڑ یہودیوں پر نازیوں کے موت کے کیمپوں میں طے شدہ بہیمانہ ظلم اور اموات کے درمیان فرق خاصا زیادہ ہے۔

سولہویں صدی میں یورپ میں چلنے والی مذہبی اصلاحی تحریک (Reformation) جس کا مقصد پروٹسٹنٹ گرجا گھروں کا احیاء تھا، کے بعد سے جرمنی میں یہود مخالف جذبات نے عروج پکڑ لیا تھا۔ لوتھر نے جرمنی میں پروٹسٹنٹ چرچ قائم کیا تھا لیکن ایک دوسرے زاویے سے وہ جرمنوں کے یہود مخالف جذبات کا "باپ" کہلایا۔

جرمنی یہود مخالفت میں اس حد تک آگے نکل چکا تھا کہ اس نے فرانسیسی انقلاب کی طرف سے دی گئی آزادیوں کے خلاف ردعمل کا اظہار

کیا۔ یہ آزادیاں یہودیوں کو باقی شہریوں کے مساوی برابری کا مقام تفویض کرتی تھیں۔

جرمنوں کا یہودیوں کے خلاف تعصب اور پرانی سوچ اس وقت مزید کھل کر سامنے آئی جب ایک جرمن فلسفی جوآن گوٹلیب فچے (1762ء تا 1814ء) نے اٹھارویں صدی کے اختتام پر اس بات کی نفی کی کہ یہود برابری کے لائق ہیں۔ اس نے یہودیوں کو ''اجنبی'' اور ''پرائے'' قرار دیا جو جرمن قوم کے اعلیٰ حسب، نسب کو رسوا کریں گے۔ اس کے خیال میں یہودیوں سے نبٹنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ ان تمام کے سر ایک ہی رات میں سر قلم کر دیئے جائیں اور ان کے کندھوں پر نئے سر لگا دیئے جائیں جن کے دماغوں میں یہودی خیالات کا شائبہ تک نہ ہو۔ یہود مخالف بہت سے جرمنوں کی طرح، فچے بھی جرمن کلچر کی برتری کا داعی تھا۔ اس کے خیال میں فرانسیسی انقلاب کے مقبول نعرے آزادی، مساوات اور بھائی چارہ جرمن کلچر اور تصور قومیت کے لیے ایک خطرہ تھے۔ اس نے ان خیالات کو حجم میں روس سے بھی بڑا قرار دیا حالانکہ تب جرمنی بھی بہت سی ریاستوں کا مجموعہ تھا۔ اس دور کے جرمنی کی سیاسی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ اس کی نسلی اور ثقافتی پالیسیوں کی بدولت تھی درحقیقت جرمنی خود کوئی ریاست نہ تھا اسی لیے جرمن خود کو جرمن نسل، زبان اور ثقافت میں تلاش کرتے تھے۔

جرمن اتحاد

جرمنی کو قومی وحدت اس وقت نصیب ہوئی جب 71-1870 کا فرانکو پروشیا معاہدہ پروشین قیادت کے زیر اثر معرض وجود میں آیا۔ ایک قوم جو اس سے قبل مشترک زبان اور ثقافت کے حوالے سے جانی جاتی تھی، اب ایک قومی ریاست کی شکل میں ابھر کر آئی، اس کی قومی حدود واضح ہو چکی تھیں اور وہ یورپین فیملی کا ایک باوقار حصہ تھی۔ اگرچہ جرمن ایمپائر (Reich) یورپ کی ایک زبردست فوجی اور صنعتی قوت تھی، اس کے باوجود ان کے ملک کے متحدہ ہونے پر بھی جرمن خود کو زیادہ غیر محفوظ تصور کرتے تھے۔

جرمن سیاسی سوچ اور یہود مخالفت

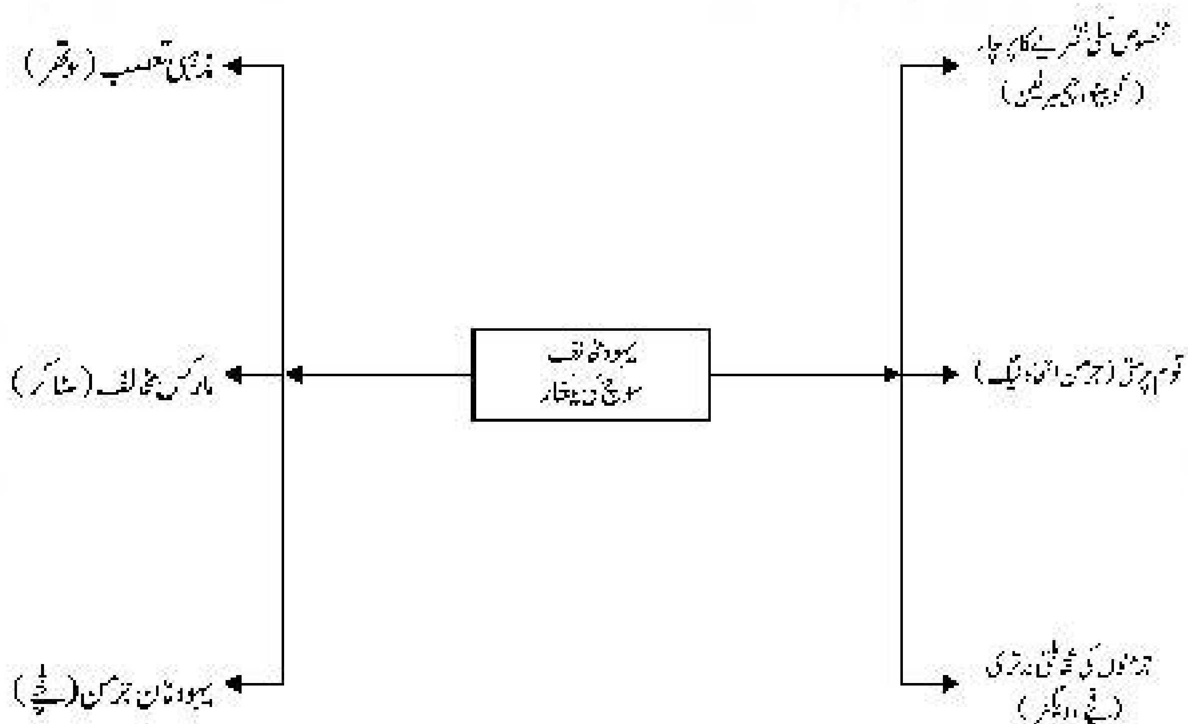
جرمنوں کا خود کو غیر محفوظ تصور کرنا ان کی سیاسی سوچ کا خاصا تھا جس میں یہود سے نفرت بنیادی جزو تھا۔ جرمن سوشل ڈیموکریٹک لیڈر آگست بیبل کا مشہور فقرہ تاریخ کے صفحات کا حصہ ہے جس میں اس نے کہا کہ یہود مخالفت ''بیوقوفوں کا سوشلزم ہے اور سیاست میں اس قدیم تعصب اور نفرت کی کوئی گنجائش نہیں۔'' وہ مارکسزم کا پیروکار تھا۔ مارکسزم ایک ایسا فلسفہ اور سیاسی نظام تھا جسے کارل مارکس (1818 تا 1883) اور فریڈرک انجلز (1820 تا 1895) نے پیش کیا تھا۔ یہود مخالف مارکسزم کی یہ کہہ کر نفی کرتے تھے کہ دنیا میں کیمونزم کا باپ کارل مارکس خود ایک یہودی تھا۔

1890 تک یہود مخالفت نئے جرمنی کی ایک طاقتور قوت بن چکی تھی۔ یہ ایک طرح سے سوشل ڈیموکریسی کے عروج کا ردعمل تھا۔ 1914 تک سوشل ڈیموکریٹک پارٹی (SPD) جرمن پارلیمنٹ (Reichstag) میں سب سے بڑی جماعت تھی۔ جس کا تعلق بلاشبہ یہودیوں کے عقیدے (Judaism) سے تھا۔ جرمنوں کی یہود مخالف سوچ یہودیوں کے خلاف پروٹسٹنٹ کے ایک طویل عرصے کے تعصب کا نتیجہ تھی۔ پروٹسٹنٹ کی زیادہ تعداد کا تعلق درمیانے طبقے (Mittelstand) سے تھا۔ ہٹلر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ درمیانہ طبقہ SPD پارٹی کے ذریعے ابھرنے والی مزدور

طاقت سے خبر دار ہو گیا تھا، اپنی اس بے چینی کے تناظر میں انہوں نے یہودیوں کو قربانی کا بکرا بنا ڈالا۔ 1914 تک نوے یہود مخالف منتخب ہو کر جرمن پارلیمنٹ تک پہنچ چکے تھے۔ ان کی کامیابی سے اس خیال کو تقویت ملی کہ جرمن بینکوں اور مالیاتی اداروں میں یہود برتر پوزیشن کے حامل تھے۔ جس سے چڑ کھا کر جرمن معاشرے میں غم، غصے کی لہر دوڑ گئی تھی۔

انیسویں صدی میں جرمنی میں یہود مخالف لہر میں نسلی عنصر زیادہ اور عیسائی عنصر کم پایا جاتا تھا۔ ایسے افراد میں کارل ڈیورنگ، جرمن ریفارم پارٹی کے رکن، ولیم مار جو عیسائیت کو ضمیر کی بیماری قرار دیتا تھا اور الڈوف سٹاکر جس نے عیسائیوں کی سوشل ورکرز پارٹی کی بنیاد رکھی، شامل تھے۔ یہ تمام افراد آرتھر ڈی گوبینو کی طرف سے لکھے مضمون نسلی عدم مساوات'' سے متاثر تھے۔ مضمون کے مصنف کا خیال تھا کہ قوموں کے عروج، زوال میں نسل کا بڑا دخل ہے۔ گوبیرہ وبگیز اور چیمبرلین سب نے نسلی برتری کے نظریے کو فروغ دیا جو نازی ازم کے نظریے کا لازمی جزو تھا آگے چل کر یہی خیالات سیاسی حقوق اور پہلی جنگ عظیم کے بعد نیشنل سوشلزم میں تبدیل ہو گئے۔ یہود مخالف لابی میں اکثریت شدت پسند اور کٹر قوم پرستوں کی تھی۔ مثال کے طور پر جرمن اتحادی لیگ کا قیام 1893 میں عمل میں لایا گیا جس کا مقصد جرمن ایمپائر اور یورپ بھر میں پھیلے جرمن نسلی گروپوں کے درمیان اتحاد کا قیام تھا۔ یہ اتحاد کلی طور پر یہود مخالف تھا اور یہودیوں کے لیے اس لیگ کی رکنیت ممنوع تھی۔ کلرکوں کی نیشنل جرمن لیگ (1893) اور کسان لیگ کے لیے بھی اس کی رکنیت ممنوع تھی۔ یہ تمام گروپ یہودیوں کے بارے میں یکتا خیالات رکھتے تھے یعنی ''اجنبی اور پرائے''

جرمن یہود مخالف سوچ کی جڑیں کچھ یوں پھیلی ہوئی تھیں۔



پہلی جنگ عظیم کے اثرات

مورخین کے مطابق جرمنی میں پروان چلنے والی فاشزم کی تحریک 1914 تا 1918 کے درمیان لڑی جانے والی جنگ عظیم کا نتیجہ تھی۔ 1914 میں جنگ چھڑنے پر، حب الوطنی کا ایک فیصد المثال جذبہ دیکھنے میں آیا۔ جب تمام جرمن جھنڈے کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ 1914 کے معاہدے کی روح کے تحت دائیں بائیں بازو کے تمام سیاسی گروپ متحد ہو گئے یہودی بھی ان میں شامل تھے۔ جنگ کا نتیجہ لیکن جرمن کے مخالف نکلا، جرمنی جنگ ہارنا شروع ہو گیا اور یہود مخالف تعصب پھر سے زندہ ہو گیا بارہ ہزار جرمن یہودیوں کی مادرِ وطن کے لیے دی گئی قربانی کو فراموش کر دیا گیا۔ روس میں برپا ہونے والے بولشویک انقلاب نے دائیں بازو کے جرمن قوم پرستوں کے ذہنوں میں یہودیوں اور کمیونسٹوں کے درمیان ایک خفیہ تعلق کے متعلق شکوک، شبہات کو جنم دیا یہ ایک تاریخی سچائی تھی کہ ٹروسکی اور زائینوف جیسے مشہور بالشویک رہنما یہودی تھے۔ ایک پُرفریب جھوٹ کہ یہودی جنگ سے ہر صورت میں فائدہ اٹھا رہے ہیں، دائیں بازو کے قوم پرستوں کے لیے کشش کا باعث تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر ایک پروپیگنڈا مہم کے تحت بولے جانے والے سب سے بڑے یہود مخالف جھوٹ نے دائیں بازو کی سیاست میں مضبوط حیثیت اختیار کر لی اس کہانی کا لب لباب یہ تھا کہ یہودیوں نے اس وقت روس میں بولشویک انقلاب برپا کر کے جرمنی کو نقصان پہنچایا تھا جبکہ جرمنی جنگ جیت رہا تھا۔ والٹر ریتھاؤ جیسے یہودیوں کو 1918 کے جرمن انقلاب کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ جبکہ اس انقلاب کے کرتا دھرتا یہودی نہ تھے۔ تاریخی حقائق کے اعتبار سے بھی یہ الزام گھٹیا تھا کیونکہ جرمن فوجی قیادت کے اہم ارکان ایرک لیوڈنڈروف اور پال وان ہنڈنبرگ بخوبی آگاہ تھے کہ جرمن فوج اتحادی طاقتوں کے ہاتھوں پٹ چکی تھی لیکن جرمنی کے جنگی رہنما جو 1916 تک ملک کو کامیابی سے چلا رہے تھے، اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ قصہ مختصر جنگ عظیم کے بعد جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے والی کہانیوں نے یہود مخالفت میں جلتی پر تیل کا کام کیا اور دائیں بازو کی مزید کئی پارٹیاں اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے لیے آن شامل ہوئیں۔ ان میں NSDAP (نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی) پارٹی شامل تھی جس کی قیادت آلڈوف ہٹلر نے کرنی تھی۔

پہلی جنگ عظیم اور یہود مخالف سوچ کے متعلق دوسرا اہم نقطہ یہ تھا کہ جنگ کے بعد سابقہ فوجیوں پر مشتمل ایک ایسی نسل نے جنم لیا جس نے جنگ کے بعد کی جرمن جمہوریت کو بدعنوان کہہ کر مسترد کر دیا۔ یہ نسل دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں میں گھس گئی کیونکہ یہ یہود کو ملکی سیاست میں ''ناسور'' قرار دیتی تھی۔ جب یہودیوں اور انکے کمیونسٹ اتحادیوں کو شکست سے دوچار کر دیا گیا تو ان کا خیال تھا کہ 1918 کی شرمناک شکست کا بدلہ لے لیا گیا تھا۔ ان سابقہ فوجیوں میں سے ایک وہ بھی تھا جو جنگ کے اختتام پر فرانس میں گیس کے ایک حملے کے بعد صحت یاب ہونے کی کوشش کر رہا تھا اس کا نام ایڈولف ہٹلر تھا۔

ہٹلر کا یہود مخالف نظریہ

ہٹلر 1889 میں آسٹریا میں پیدا ہوا۔ یہ نقطہ بذات خود ایک تاریخی اہمیت کا حامل تھا کہ وہ آسٹرو ہنگری ایمپائر کا باشندہ تھا۔ یہ ایک ایسی

ایمپائر تھی جس میں روائیتی بالادستی آسٹریا کے جرمنوں کو حاصل رہی تھی۔ یہ 1867 کے قبل کی صورت حال تھی۔ 1867 میں یہ بالادستی خود ساختہ ''دوہری حکمرانی'' قرار دیدی گئی۔ یہ مختلف نسلوں کا ملا جلا طبقہ تھا جس میں زیادہ تر سلوا کیہ کے باشندے تھے باقی پولش، چیکس، سلوواکس، رتھینز اور کروش لوگ شامل تھے نسل پرست جرمن جن میں ہٹلر کا باپ آلوئیس بھی شامل تھا، سلوا کین کو نسلی طور پر کمتر تصور کرتے تھے۔ برتری کا یہ احساس یہودیوں میں بھی دیکھا گیا اگر چہ ایمپائر کے باثر اور طاقتور خاندان خود یہودی تھے جن میں روتھ چلڈ خاندان شامل تھا۔ یہ خاندان بینکاری کے حوالے سے مشہور تھا۔ یہود مخالف اذہان میں ایک خیال پختہ ہو چکا تھا کہ یہودی کامیابی جرمن ایمپائر کے مالی وسائل پر یہودیوں کے روائیتی کنٹرول کی وجہ سے ممکن ہوئی تھی۔

جوان ہٹلر

جیسا کہ قبل ازیں ذکر آ چکا ہے کہ ہٹلر کے خاندان کا ماضی پیچیدہ تھا۔ اس کے باپ نے تین شادیاں رچائیں۔ یہ بچہ ہٹلر کی تیسری بیوی کلارا کا چوتھا بچہ تھا۔ کلارا آلوئیس سے تیئیس برس چھوٹی تھی۔ آلوئیس کے مسلسل شادیاں رچانے کی وجہ سے ہٹلر کے کئی آدھے بہن اور بھائی تھے۔ ہٹلر کے دادا کے بارے میں ایک پر اسرار بات کسی ٹھوس شہادت یا ثبوت کے بغیر اڑادی گئی تھی کہ ہٹلر کا دادا شاید کبھی یہودی رہا ہو لیکن یہ الزام کسی بنیاد کے بغیر تھا۔ قتل عام سے متعلق مورخین نے نشاندہی کی ہے کہ ہٹلر کے آباء کے بارے میں غیر یقینیت نے ہی اس شخص کے دل میں حسب، نسب کے بارے میں ایک تڑپ پیدا کر دی تھی اور وہ مخصوص جرمن نسل آرین سے تعلق کی بنیاد تلاش کرتا تھا اور اس کے لیے پیمانے ڈھونڈتا تھا۔

جب آلڈوف پانچ برس کا تھا، اس کے خاندان نے آسٹرو جرمن بارڈر پر واقع بارانا ؤ۔ ام نامی سرائے سے اپنا گھر چھوڑا اور لینز (Linz) شہر کے نواح میں لیونڈنگ کی طرف منتقل ہو گیا۔ ہٹلر کو سکول میں کچھ خاص کامیابی نہ ملی۔ اس کے اساتذہ میں سے ایک نے اسے خودسر، غصیلا اور بدمزاج قرار دیا۔ وہ سکینڈری سکول کا ڈپلومہ حاصل نہ کر سکا۔ اس کے اپنے باپ کے ساتھ جس کا انتقال 1903 میں ہوا۔ تعلقات کبھی بھی خوشگوار نہ رہے تھے بلکہ ان کے درمیان تناؤ کی سی کیفیت رہتی تھی۔ جوان آلڈوف ایک مخصوص قسم کا نوعمر باغی تھا۔ وہ فنکار بننا چاہتا تھا جبکہ آلوئیس ہٹلر چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا اس کے کاروبار میں ہاتھ بٹائے اور ایک ہنرمند کا کیریر اختیار کرے۔ ہٹلر کی بدقسمتی تھی کہ یورپ بھر میں مجموعی طور پر اس میں پروفیشنل ارٹسٹ بننے کی اہلیت کا فقدان تھا۔

ہٹلر کے سکول کے دنوں کی اہمیت صرف اس حوالے سے ہے کہ مطلوبہ تعلیمی قابلیت کے فقدان کے باعث اس کی شخصیت میں جس احساس کمتری نے گھر کر لیا تھا۔ تعلیمی معیار پر پورا نہ اُترنے کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے خلاف نفرت بھی اس میں شامل ہوتی گئی تھی۔ صرف ایک استاد جو آلڈوف کو تاریخ پڑھاتا تھا اس کا نام اس نے اپنی سوانح عمری میری جدوجہد (Mein Kempf) میں تعریفی الفاظ کے ساتھ رقم کیا لیکن جیسی اس کی عادت تھی اس نے اس کا نام غلط لکھا! اس کی یہود مخالف سوچ کا اس کی زندگی کے ابتدائی سالوں میں کوئی تذکرہ یا سراغ نہیں ملتا ماسوائے کیمبرے کارنش کی ایک متنازعہ کتاب "The Jew of Linz" میں لکھا گیا کہ ایک یہودی لڑکا جس کا تذکرہ ہٹلر نے اپنی کتاب ''میری

جدوجہد'' میں کیا، لڈوگ وٹجیسٹائن تھا اس نے 1930 کے دوران کیمبرج یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر کے مشہور فلسفی کی حیثیت سے شہرت پائی۔ وہ ایک متمول انسان کا بیٹا تھا اس کے باپ کا شمار آسٹرو ہنگیرین ایمپائر کے عظیم صنعت کاروں میں ہوتا تھا۔ ویٹیا کے یہودی اور ہٹلر اس شخص کی مادی کامیابیوں سے حسد کرتے تھے۔ یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وٹجیسٹائن اور ہٹلر کے سکول کے دن 1904 تا 1905 کے تعلیمی سالوں میں گڈمڈ نظر آتے ہیں۔ ان کے سکول کے زمانے کی لنز کی ایک تصویر میں وٹجیسٹائن ہٹلر کی قطار سے نچلے والی قطار میں کھڑا نظر آتا ہے۔

یہ خیال کہ وٹجیسٹائن کو ناپسند کرنے کی وجہ سے یہود قوم کے خلاف نفرت آمیز جذبات کی تحریک نے جنم لیا۔ ایک دلچسپ بات ہے جو تصدیق یا تردید مانگتی ہے۔ بہت سے مورخین نے ہٹلر کی یہود مخالف پالیسی کو اس کی جوانی کے ابتدائی ایام سے جوڑا ہے لیکن وہ اس سوچ کی تشریح کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے آیان کرشا لکھتا ہے کہ ہٹلر کے بارے میں ہم اندھیرے میں ہیں کہ ہٹلر کیوں یہودیوں کے اس قدر خلاف ہو گیا تھا؟

ہٹلر کے یہود مخالف جذبات کا ارتقاء

کورنش نے ہٹلر اور وٹجیسٹائن کے سکول کے زمانے کی ایک تصویر سے ہٹلر کے یہود مخالف جذبات کی عمارت کھڑی کی تھی لیکن اس کے خیالات کی پشت پر کوئی متاثر کر دینے والی دلیل موجود نہ تھی چنانچہ اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ ہٹلر کے یہود مخالف جذبات کی جڑیں سکول کے زمانے کے بعد سے متعلق ہیں۔ ایک روایتی نظریے کی رو سے ہٹلر کا یہود مخالف بم 1908 کے بعد ویانا میں اس دور میں تیار ہونا شروع ہوا جو عرصہ اس نے وہاں گزارا۔ لیکن اس خیال کو بعد میں چیلنج کر دیا گیا۔ اپنی کتاب ویانا کا ہٹلر (Hitler's Vienna) میں بریگیتی ہیمن اپنا خیال پیش کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہٹلر پہلی جنگ عظیم کے بعد یہودیوں کا جانی دشمن بن گیا۔ اس کا کہنا ہے کہ ہٹلر یہودی پارٹیوں میں جاتا تھا اور اپنے لاج میں ان کے ساتھ گھل مل جاتا تھا۔ 1952 میں ایلن بل آک اپنی خودنوشت Hitler, A study in Tyranny میں آرٹسٹ بننے کے خواہش مند ہٹلر اور یہودی نیومین کے درمیان تعلق کے بارے میں رقم طراز ہے کہ دونوں ڈوس ہاؤس میں اکثر ملتے تھے اور دونوں کے درمیان گاڑھی چھنتی تھی۔

ہٹلر کو ویانا میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ نہ وہ وہاں کسی آرٹ اکیڈمی میں داخل ہو سکا اور نہ ہی کسی ایسی اکیڈمی میں داخلہ لے سکا جو تعمیراتی آرٹ (Architectural) سکھانے کے حوالے سے معروف ہو۔ وہ ایک بے چین آوارہ گرد کی طرح بے مقصد ویانا کی گلیوں میں گھومتا رہتا تھا جس کے ترکے میں ایک چھوٹے سے خاندان کا ورثہ شامل تھا۔ اس کی ایک دانستہ نادانستہ عادت تھی کہ وہ مردوں کے ہاسٹل میں جا کر اپنے دائیں بازو کے خیالات کا پرچار کرتا اور ان پر جو اسے سنتے تھے، اپنے خیالات ٹھونستا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہٹلر کی شکل میں ایک لیڈر جنم لینے کو تھا۔

تاریخ کے اس موڑ پر ویانا میں یہود مخالف جذبات ایک وبا کی طرح پھیل چکے تھے۔ 1913 اور 1918 کے درمیانی عرصے میں ویانا میں رہائش پذیر ہونے کے سبب، ہٹلر کا ان خیالات اور جذبات کی زد میں آنا ایک فطری عمل تھا۔ لیکن جدید نظریہ یہ کہتا ہے کہ اپنی سوانح عمری ''میری جدوجہد'' میں ہٹلر نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ابتدائی حصے سے ہی یہودیوں کے خلاف تعصب سے بھرا ہوا تھا۔

اس نے یہ تعصبات ویانا کی مزدور مڈل کلاس سے لیے تھے جو 1914 سے قبل کی دائیں بازو کی جماعتوں کے سیاسی نظریے کی حامی تھی۔

ویانا آنے سے قبل ہٹلر اپنے ذاتی تعلقات کی بناء پر چند یہودیوں کو جانتا تھا لیکن 1913 میں جب اس نے یہ شہر جرمنی جانے کے لیے چھوڑا تو اس کے دماغ میں یہود مخالف جذبات اور تحریروں کا ایک پر شور شہر بس چکا تھا اگر چہ وہ ذہنی طور پر ان سب باتوں سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔

مورخ اس سوال کے جواب کے لیے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے ہیں کہ ایسے لوگ جنہوں نے ہٹلر کو شخصی طور پر یا اس کے خاندان کو کبھی کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا وہ ان کے اس قدر شدت پسندی کے ساتھ مخالف کیوں ہو گیا تھا۔ ہٹلر کی یہود مخالف شدت پسند فطرت کا اظہار درج ذیل الفاظ سے ہوتا ہے جو ہٹلر کی لاتعداد تحریروں سے اخذ شدہ ہیں۔

''مہذب زندگی میں کوئی ایسا کام، کوئی ایسی سازش نہیں جس میں کم از کم ایک یہودی شریک نہ ہوتا ہو۔ کھلے چاقو کو بڑی احتیاط سے پیپ والے زخم کی طرف بڑھاتے ہیں۔ ٹیبل پر پڑے جسم میں کیڑے کی موجودگی کا فوری علم ہو جاتا ہے۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے تیز اور اچانک روشنی ننھے یہودی کی آنکھوں کو چندیا دیتی ہے۔''

ہٹلر کے نزدیک یہودی تاریکی کی پیداوار تھا جو اس بات کا منتظر رہتا تھا کہ جرمن نسل کو کس طرح پراگندہ کرے۔

کچھ خود ساختہ ماہر نفسیاتی مورخین نے ہٹلر کی یہود کے خلاف نفرت کو اس کے جنسی رجحان اور عادات، اطوار میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہٹلر کی زندگی سے لیے گئے تاریخی حوالوں سے جس میں اس نے یہودیوں کو معصوم جرمن کنواری لڑکیوں کے ساتھ جنسی اختلاط کرنے والا قرار دیا، انہوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ شاید ہٹلر کو اپنی جوانی میں کسی تلخی کا سامان کرنا پڑا ہو یا وہ کسی بدقسمت جنسی واقعے کا شکار رہا ہو۔ ہٹلر کے اپنے باپ کے ساتھ مشکل تعلقات یا اس کے اپنی ماں کلارا کے ساتھ خصوصی تعلقات کو بھی ہٹلر کے مخصوص نسلی نظریات کے تناظر میں دیکھا گیا ہے۔ کلارا کا انتقال 1907 میں ہوا اور خاندانی ڈاکٹر بلوک کا کہنا تھا کہ میرے زندگی بھر کے کیریر میں میں نے کسی شخص کو ماں کی موت کے غم میں اس قدر غمناک نہیں دیکھا جس قدر آلڈوف ہٹلر تھا۔ کچھ کا خیال تھا کہ وہ کسی قسم کے احساس شرمندگی کا شکار تھا۔

وہ زندگی گزارنے کے اپنے بیکار سے ڈھنگ سے جھنجھلایا ہوا تھا، اپنی تعلیمی ناکامی سے پریشان تھا اور دیر سے پہنچنے پر جب اس کی ماں زندگی اور موت کے درمیان آخری سانسیں گن رہی تھی اور وہ ویانا کے اپنی زندگی کے پہلے دورے سے ماں کلارا کی موت سے کچھ دیر پہلے ہی لوٹا تھا۔ اب تک کی گزری زندگی میں کوئی بات بھی امید افزا نہ تھی جس سے اس کی زندگی امید اور کسی جوش و خروش کے بغیر تھی۔ اس بات کی کوئی تسلی بخش تشریح نہیں کر سکے گا کہ ہٹلر کے یہود مخالف جذبات کی بنیاد کیا تھی البتہ اس کے نتائج دور رس تھے۔

ہٹلر ایک سپاہی

1914 میں جب ہٹلر نے جرمن فوج میں شمولیت اختیار کی اس کی شخصیت کے کئی پہلو نکھر کر سامنے آئے اس فیصلے سے قبل اس نے آسٹرو ہنگری فوج میں شمولیت سے اجتناب کیا تھا۔ جنگ نے ہٹلر کو وجہ فراہم کر دی جو وہ ایک عرصے سے تلاش کر رہا تھا۔ وہ ایک بہادر سپاہی کے روپ میں سامنے آیا اور جرمنی کے بہادری کے سب سے بڑا اعزاز آئرن کراس'' فسٹ کلاس (Iron Cross) کا مستحق قرار پایا۔ فوج میں وہ دوستوں کی محفل

میں یہودیوں، سلاویک اور سوشلسٹ مخالف خیالات کا اکثر اظہار کرتا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صرف یہودیوں کے خلاف نہ تھا اور یہود ہی اکیلے اس کی مخالفت کا نشانہ نہ تھے بہرحال فوج کی ملازمت نے ہٹلر کو تحفظ، ہم خیال اور وفادار دوست فراہم کیے جن کی کبھی وہ خواہش کرتا تھا۔

1918ء کے موسم خزاں میں جب جرمن فوج کو شکست ہوئی تو ہٹلر کو سخت صدمہ پہنچا۔ وہ کسی بھی وجہ کے حوالے سے شکست قبول کرنے پر تیار نہ تھا۔ یہودی اس سانحے اور زوال کے ذمہ دار گردانے گئے۔ یہ بات ہٹلر کے ذہن میں نقش ہوگئی۔ آنے والے سالوں میں جب ہٹلر جرمنی میں اقتدار کی مسند پر بیٹھا تو اس کے ذہن میں ایک بات کا جواب واضح تھا کہ جرمنی کو اگر یورپین جنگ میں شکست ہوئی ہے تو یہودیوں کو اس کا حساب دینا پڑے گا۔

شومئی قسمت کہ افواج نے ہی ہٹلر کو سیاست کی پرخار دنیا میں داخل ہونے کا موقع دیا اور پلیٹ فارم مہیا کیا۔ جب اس سے 1919 میں معرض وجود میں آنے والی نئی جرمن ورکرز پارٹی کی سرگرمیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو وہ اس پارٹی سے اس قدر متاثر تو نہ تھا لیکن اس نے اس جماعت میں شمولیت اختیار کر لی اور اس کا نام بدل کر ''نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی'' رکھ دیا۔ اب اس کے پاس اپنے نسلی نظریات اور غیر ملکی لوگوں کے خلاف اعلیٰ اقدام اٹھانے کے لیے ایک پلیٹ فارم موجود تھا۔

"The war against the jews" نامی کتاب میں مورخ ایل ڈیوڈوز (صفحہ 50) پر لکھتا ہے کہ:

1.1 لوتھر کا اثر

عیسائی کو اس طرح جانو جیسے شیطان کے بعد اس کا درجہ ہو اس کا کھلا دشمن، سب سے زہریلا اور شورش پسند ایک یہودی کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

1.2 ڈریفس کیس کے اثرات

ڈریفس ایک یہودی تھا۔ مارسل تھامس لکھتا ہے کہ ڈریفس کیس کے معاملے کے شروع میں اس کا کوئی سرگرم کردار نہ تھا لیکن جیسے ہی اس کا نام اس کیس کے حوالے سے d' Abboville نے لیا، وہ یہودی بن گیا اور یہی اس کیس کا نتیجہ ٹھہرا۔ اُس کا یہودی ہونا ہی اس کے اعتراف جرم کے لیے کافی تھا۔

1.3 اہل ویانا کی یہود مخالفت کی ایک جھلک

کیا آپ بھورے رنگ کے ہیں؟ اس کا مطلب ہے آپ کی ثقافت مخصوص ہوگی اور آپ مخصوص کلچر کو فروغ دیں گے! بھورے پن کی وجہ سے خطرہ آپ کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ یاد رہے کہ یہود بھورے رنگ کے تھے۔

(ماخذ: یہود مخالف رسالہ Ostara ویانا 1900)

1.4 ویانا کے یہودی کے ساتھ ہٹلر کی پہلی ملاقات اس کی اپنی زبانی

ایک روز جب میں اندرون شہر سے گزر رہا تھا۔ میرا سامنا ایک ایسے شخص سے ہوا جو لمبا چوغا نما لباس پہنے تھا۔ اس کے دائیں بائیں سیاہ پٹیاں تھیں۔ میری پہلی سوچ یہ تھی کیا یہ یہودی ہے؟ وہ لنز شہر کا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں نے اس کا بغور جائزہ لیا اور مشاہدے نے میرے ذہن میں ایک دوسرا خیال دوڑایا کہ کیا یہ شخص واقعی جرمن ہے؟ شکوک کا ازالہ کرنے کے لیے میں نے کتابوں سے رجوع کیا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے چند پنس (سکے) کے عوض یہود مخالف پمفلٹ خریدے۔

1.5 جرمنی 1918: شکست کے منفی اثرات اور نتائج

نومبر 1918 تک جرمن فوج کی کیفیت کسی امید پیہم کے بغیر تھی۔ وقت وقت کی بات تھی دنیا کی مضبوط ترین افواج میں سے ایک کو جرمنی میں واپس دھکیل دیا گیا تھا اور تباہ کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ اس لمحے جب جرمن حکومت نے ہتھیار ڈالنے کے معاہدے پر دستخط کیے جرمن فوج اپنی ملکی سرحدوں سے باہر تھی اور مغرب میں ایک مضبوط محاذ پر ڈٹی ہوئی تھی۔ جنگ کے خاتمے کا فیصلہ چونکہ ہائی کمان یعنی خود جنرل لیوڈنڈروف کی طرف سے کیا گیا تھا۔ جرمن فوج کی مضبوطی کو دانستہ طور پر چھپایا گیا۔ ہائی کمان نے سول حکومت کے معاملات میں مداخلت نہ کی۔ جنگ کا اشارہ کرنے والی ہر آواز کی تردید کی گئی۔ اس کے خاتمے کی مکمل ذمہ داری قبول کی گئی لیکن اس فیصلے کے نتائج سے لاتعلقی اختیار کرنے کی کوشش کی گئی۔

(ماخذ: اے بل آک ہٹلر A study in tyranny لندن 1962 صفحہ 57-58)

نازی پارٹی کا خروج

1919ء میں پارٹی میں شمولیت کے بعد جرمن ورکرز پارٹی (DAP) کے معاملات میں آلڈوف ہٹلر کا کردار اور اثر ورسوخ جلد ہی نمایاں ہو گیا۔ ہٹلر نے پارٹی لیڈر اینٹان ڈریکسلر کے ساتھ مل کر فروری 1920 میں جرمن ورکرز پارٹی کا 25 نقاطی پروگرام مرتب کیا۔ اس پروگرام کے مطابق، صرف جرمن قوم کے افراد ہی ریاست کے شہری ہونگے۔ صرف جرمن خون رکھنے والے چاہے ان کا عقیدہ کچھ بھی رہا ہو وہ جرمن قوم کے افراد تصور ہونگے۔ اس کے مطابق کوئی غیر ملکی یا یہودی جرمن قوم کا فرد نہیں بن سکتا تھا چنانچہ روزِ اوّل سے ہی یہودیوں کے خلاف نفرت اور تعصب نازی سوچ کا محور تھا۔ جرمن ورکرز پارٹی (DAP) نے اپریل 1920 میں اپنا نام تبدیل کر کے نیشنل سوشلسٹ ورکرز پارٹی (NSDAP) یا نازی پارٹی رکھ لیا۔ 1921 میں ہٹلر اس پارٹی کا رہنما بن گیا۔

دائیں بازو کا عروج

ابتدا میں نازی پارٹی کا جھکاؤ جرمنی کی دائیں بازو کی شدت پسند جماعتوں کی طرف تھا اور اس کا شمار ان میں سے ایک میں ہوتا تھا۔ ان جماعتوں کی اہم خصوصیات یہود مخالف اور کمیونزم مخالف نظریات تھے۔ دائیں بازو کے یہ قوم پرست 1918 میں قائم ہونے والی وائمر (Weimer) ریپبلک کو معاہدہ ورسیلز (1919) پر دستخط کرنے پر تنقید کا نشانہ بناتے تھے اور اسے جرمن قوم سے روگردانی تصور کرتے تھے۔

جبکہ حقیقت میں وائیمر ریپبلک حکومت کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔انہوں نے اس حکومتی پالیسی پر سخت نکتہ چینی کی جس کے تحت اہم حکومتی عہدے یہودیوں کو دیئے گئے تھے۔

دائیں بازو کے جرمن قوم پرستوں کی سوچ میں مرکزی حیثیت یہود بولشیوک سے منسوب سازش کی ایک داستان تھی۔اس سیاسی ماحول میں یہودی وزیر خارجہ والٹر ریہیناؤ کو 1922 میں دائیں بازو کے ایک پیراملٹری سکواڈ نے قتل کر دیا۔دائیں بازو کی ایک تنظیم FreiKorps (جس کا مطلب مفت لاشیں تھا) جو ایک پیراملٹری طاقت تھی سپارٹیسس کے رہنماؤں یہودی کمیونسٹ روسا لکسمبرگ اور کارل لائیبنچ کو 1919 کی برلن کی ناکام بغاوت کے بعد قتل کر دیا تھا۔یہ صرف دائیں بازو کے شدت پسندوں کی تنظیمی کارروائیاں نہیں تھیں۔ بلکہ ہٹلر اور ڈریکسلر کی طرح وہ بھی یہود مخالف خیالات کی رو میں بہہ گئے تھے۔1920 تک معززاور لبرل سمجھی جانیوالی جرمن نیشنل پیپلز پارٹی بھی یہود مخالف ہو چکی تھی۔غرضیکہ تمام جرمنی میں ہوا یہود مخالف چل رہی تھی۔ 1933 تک اس ہوا تلے سائنس لیکر 400 ایسوسی ایشنز اور 700 رسالے اور جرائد یہود مخالف رنگ میں رنگ چکے تھے۔

حکومتی سطح پر جرمن پارلیمنٹ (Reichstag)، بویریا اور پروشیا جیسی ریاستوں کے قانون ساز اداروں میں ایسے قوانین متعارف کروانے پر زور دیا گیا جو یہود مخالفت پر مبنی تھے۔جرمنی میں جمہوریت اور برداشت کے نظریات کے پیروکاروں کے لیے پریشان کر دینے والی بات یہ تھی کہ یونیورسٹی کے طالب علموں میں بھی یہودیوں کو کچلنے کے بارے میں خیالات جڑ پکڑ رہے تھے۔ 1921 میں برلن میں ہونے والے یونیورسٹی انتخابات میں دو تہائی ووٹ یہود مخالف امیدواروں کو دیئے گئے۔اُسی دور میں دھوکے اور چالبازی پر مبنی بدنام زمانہ یہودی مخالف کتاب "(یہودی) زائیون کے بڑوں کے قوانین" کی جرمنی میں خوب سیل ہوئی۔یہ کتاب یہود مخالف روسی خیالات کی پیداوار تھی۔

1919 تا 1924 جرمن سیاست

جرمنی میں یہود مخالف مہم کے پس منظر میں سیاسی اور معاشی اَبتری اور عدم استحکام کارفرما تھا۔نوزائیدہ وائیمر ریپبلک پر اپنے ابتدائی سالوں میں دائیں اور بائیں بازو کی طرف سے شدید سیاسی دباؤ تھا۔نیز اس سے قبل پہلی جنگ عظیم کے فاتحین کے معاہدہ ورسیلز کی صورت میں مطالبات اور تاوان ادا کرنے کیلئے بل کی ایک کثیر رقم کی ادائیگی کا سامنا تھا۔ 1921 میں اتحادی افواج ایک مخصوص رقم پر متفق ہو گئیں تھیں۔جرمنی کو پہلی جنگ عظیم کے چھیڑنے اور اس کی فوج کے ہاتھوں ہونے والے نقصانات کی پاداش میں 6600 ملین پاؤنڈ جرمانہ ادا کرنا تھا۔جرمنی نے معاہدہ ورسیلز کے آرٹیکل 231 کی شمولیت پر شدید غم، غصے کا اظہار کیا۔اتحادیوں کی طرف سے "جنگ کے ہاتھوں شرمندگی" کی شق کو معاہدے میں شامل کیا گیا جس کے تحت جنگ شروع کرنے کی تمام تر ذمہ داری جرمنی پر ڈالی گئی۔

وائیمر ریپبلک کے لیے سب سے خطرناک دور 1918 اور 1919 کے درمیان کا تھا۔برلن اور بویریا میں دو کمیونسٹ بغاوتیں ہوئیں۔ ان بغاوتوں کا مقصد جرمنی میں روسی طرز پر سوویت ریپبلکس کا قیام تھا۔بویریا کے صدر مقام میونخ میں کمیونسٹ فوجی بغاوت (Putsch) کی کوشش

ایک یہودی کرٹ آئیزنر کی طرف سے کی گئی۔اس بغاوت کا انتقام لینے کے لیے مفت لاشوں کے نام والی تنظیم نے آئیزنر اور اسکے کمیونسٹ حواریوں کا کھل کر قتل عام کیا۔آنے والے سال یعنی 1920 میں برلن میں دائیں بازو کی طرف سے بغاوت (Putsch) کی ایک اور کوشش کی گئی جس کی باگ ڈور وولف گینگ کیپ نامی شخص کے ہاتھوں میں تھی،اس بغاوت کو مزدوروں کی عام ہڑتال اور فوجی افسروں کا کیپ کی مدد سے انکار کرنے کے پس منظر میں کچل دیا گیا۔

1923 کا سال وائیمر حکومت کے لیے ہلا دینے والا تھا۔جنوری میں جب جرمنی نے تاوان کی رقوم کی ادائیگی میں تعامل کیا تو فرانس اور بیلجیئم کے مشترکہ دستوں نے جرمنی کے بڑے صنعتی علاقے روہر (Ruhr) پر قبضہ کرلیا۔اس حملے کے جواب میں جرمنی کا ردعمل پرامن تھا۔اس نے فرانسیسی اقتدار کے خلاف پرامن مزاحمت ترتیب دی جس کے نتیجے میں روہر کی تمام سٹیل ملیں اور کوئلے کی کانوں میں کام بند ہوگیا۔صنعتی طور پر مفلوج ہونے اور تاوان کی رقوم کی ادائیگی کے معاشی دباؤ کے نتیجے میں جرمنی میں افراط زر بڑھ گیا اور جرمن کرنسی ویلیو کے اعتبار سے زمین پر آن پڑی۔لاکھوں کی تعداد میں جرمن کرنسی ''مارک'' صرف ماچس کی ایک ڈبیا خریدنے کی استطاعت رکھتی تھی۔

یہ 8 اور 9 نومبر 1923 کے دنوں میں آلڈوف ہٹلر اور نازی پارٹی کی طرف سے کی گئی بغاوت (Putsch) کی ممکنہ کوشش تھی۔ہٹلر نے بوڑھے جنگی ہیرو لیوڈنڈروف کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا تھا جس نے بوہریا میں اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔اسے امید تھی کہ اسے مقامی فوج اور سیاسی رہنماؤں کی مدد حاصل ہوجائے گی۔مارچ 1923 کے بعد سے ہٹلر بوریا کی فوج کے کمانڈر جنرل اوٹو وان لوسو سے رابطے استوار کرنے کی کوشش کررہا تھا۔اس مقصد کے لیے وہ اپنی تقریروں کا سہارا لیتا تھا جس میں 1933 کے قبل کے عرصے میں یہود مخالف بیانات کی بھرمار ہوتی تھی۔ہٹلر کے مطابق یہودی وائیمر حکومت چلاتے تھے جو ایک بدعنوان حکومت تھی اور جس نے جرمنی کے قومی مفادات کو نقصان پہنچایا تھا۔جن لوگوں نے نومبر 1918 کی جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے تھے انہیں ''نومبر کو مہینے کے مجرم'' گردانا گیا۔یہ الزام سیاسی اعتبار سے صحیح نہ تھا کیونکہ نومبر 1918 کے معاہدے میں جرمن حکومت کی نمائندگی کیتھولک مرکزی پارٹی کے سیاست دان میتھیاز ارزبرگر نے کی تھی۔اس ''جرم'' کی پاداش میں دائیں بازو کے پیراملٹری سکواڈ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

ہٹلر پر چلایا جانے والا مقدمہ

ہٹلر پر چلائے جانے والے مقدمے کو ڈرامہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔اس نے جرمن حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کرکے جرمن ریاست کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کیا تھا لیکن اسے صرف پانچ سال قید کی سزا سنائی گئی۔ان پانچ سالوں میں اس نے لینڈز برگ جیل میں صرف نو ماہ گزارے تھے۔اس مقدمے کی شنوائی کے دوران،ایک رحم دل جج نے اسے اجازت دی کہ وہ عدالت کو اپنے سیاسی نظریات یہود مخالف اور شدت پسندانہ قومی سوچ کے بارے میں بتائے،اس سے مذکورہ خیال کو تقویت ملتی ہے کہ وائیمر عدالتوں میں بیٹھے ججوں کے نظریات دائیں بازو کی طرف مائل تھے۔ہٹلر نے عدالت کو بتایا اور بتاتا ہی چلا گیا کہ جب وہ پہلی مرتبہ رچرڈ ویگنر کی قبر پر گیا تو اس کا دل فخر سے بھرپور تھا۔ہٹلر نے وائیمر کی جمہوریت پر کڑی تنقید کی اور اس کی مخالفت کی۔یاد رہے کہ رچرڈ ویگنر یہود مخالف تھا۔

میری جدوجہد لکھوانا

جیل میں اس کے مختصر قیام کے دوران ہٹلر نے میری جدوجہد (Mein Kampf) تحریر کروائی۔اس کتاب کا اصل موضوع ''جھوٹ، احمقانہ پن اور بزدلی کے خلاف جدوجہد کے ساڑھے چار سال'' تھا جسے پبلشر کے مشورے پر ''میری جدوجہد'' کا نام دیا گیا۔اس کتاب کا متن تاریخی اعتبار سے نازی تحریک اور یہود مخالف جذبات کا خلاصہ قرار پایا۔

الفریڈ روزن برگ اور گوٹ فرائیڈ جیسے معروف نازیوں کی طرح ہٹلر سیاسی کتب لکھ کر اور پمفلٹس کے ذریعے خود کو ایک ''دانشور'' منوانے کے لیے بے چین تھا۔اس نے میری جدوجہد (Mein Kampf) 1924-25 کے اس درمیانی عرصے میں تحریر کروائی جس کے دوران اسے لینڈ برگ جیل سے چھٹکارا ملا تھا اور اس نے نازی پارٹی کی قیادت سنبھالی تھی، اسی عرصے میں اس نے نازی پارٹی کے کئی اندرونی جھگڑوں کو فرد کیا تھا۔

اس کی کتاب ہٹلر کے یہود مخالف نظریات کے پرچار کا ایک مہرہ تھی۔پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر جو وقت اس نے ہسپتال میں گزارا تھا۔ اس کا ذکر کرنے کے بعد، ہٹلر نے یہ کہتے ہوئے رواں سبق کا اختتام کر دیا کہ ''ہم یہودیوں کے ساتھ سودے بازی نہیں کر سکتے صرف ان کا دماغ درست کر سکتے ہیں یا......'' اس کے بعد اس نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ کس طرح اس نے ایک سیاسی رہنما بننے کا فیصلہ کیا، اس کا کہنا تھا کہ یہ اس کے لیے ایک بڑا چیلنج ہوگا کہ یہودیوں کے مسئلے کا حل کس قدر فوری، جارحانہ اور سخت ہوگا۔ہٹلر نے لکھا، میں پوری طرح قائل ہوں کہ یہودیوں کے خلاف لڑتے ہوئے میں کائنات کے خالق کے نمائندے کا کردار ادا کر رہا ہوں یعنی میں خدا کا کردار ادا کر رہا ہوں۔اس خیال کو احمقانہ پن ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ ہٹلر عیسائیت کو عقیدے کے لحاظ سے تسلیم کرنے کو کمزور اور عاجزانہ اقدام قرار دیتا تھا۔اس خیال کے زیر اثر اس نے اپنے لڑکپن میں ہی کیتھولک عقیدے کی پیروی ترک کر دی تھی۔البتہ عیسائی گرجا گھروں میں موجود افراد کو ہٹلر کے یہود مخالف نظریات مذہبی پاگل پن اور بیوقوفی پرمبنی خیالات نے ضرور متاثر کیا تھا۔ان خیالات کا منطقی نتیجہ قوم پرستی کی حمایت اور کمیونزم مخالف شدت پسندانہ جذبات کی شکل میں سامنے آیا۔

معیار کے اعتبار سے ''میری جدوجہد'' کسی لحاظ سے بھی کسی فن پارے کے درجے پر فائز نہ تھی بلکہ ایک خراب تحریر قرار دی گئی تھی۔یہ ایک ایسے انسان کا کام تھا جو ادھورا تعلیم یافتہ تھا اور سیکنڈری سکول کا ڈپلومہ بھی حاصل نہ کر پایا تھا۔یہ کتاب البتہ ہٹلر کی سوچ اور اس کے یہود مخالف جذبات کے پنپنے کے صحیح وقت کے تعین کرنے کا ماخذ ضرورت ثابت ہوئی۔1924 اور 1928 کے درمیانی Lean Years سالوں کے دوران، نازی پارٹی کو انتخابات میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔1928 کے (Reichstag) پارلیمنٹ کے انتخابات میں، اس کی پارٹی پارلیمنٹ کی صرف 12 نشستیں اور جرمنی بھر میں صرف آٹھ لاکھ ووٹ حاصل کر سکی تھی جبکہ ملک میں وائیمر کا متناسب نمائندگی کا نظام رائج تھا جس کا فائدہ NSDAP جیسی جماعتوں نے بھی اٹھایا۔چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ اگرچہ نازیوں نے جرمن انتخابات میں یہود مخالف جذبات کے پہیوں پر اپنی گاڑی دوڑانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی بناء پر وہ کوئی خاطر خواہ ووٹ نہ جیت سکے تھے۔جرمنی کے بہتر معاشی حالات نے سیاسی شدت پسندی کو ووٹروں کی نظر میں زیادہ پرکشش نہ بننے دیا اور نازیوں کا یہود مخالف نعرہ کام نہ کر سکا۔نازیوں کے یہود مخالف نعروں نے حقائق کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش

کیا کہ جرمنی کے دیہی علاقوں میں انہیں کافی کامیابی ملی۔

اس حکمت عملی کے پس پردہ ایک مثال دیتے ہوئے مورخ ڈبلیو ایس ایلین نارتھ ہائیم کے قصبے میں نازیوں کے ایک دعویٰ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ نازیوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ مقامی یہودی جانوروں کو ذبح کرتے وقت ظالمانہ طریقے استعمال کر رہے ہیں۔ اخباری رپورٹروں نے بھی مقامی نازیوں کو مذبح گھروں کے گرد منڈلاتے دیکھا تھا۔ وہ یہودی قصابوں پر آوازیں کس رہے تھے اور ان کے طریقوں پر تنقید کا جواز تلاش کر رہے تھے۔ نازی صحافی بھی ان کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے تا کہ واقعات کو اپنے مخصوص رنگ سے پیش کر سکیں۔ اس ضمن میں سماج جمہوری پارٹی کے ایک رکن کی طرف سے ایک نازی اخبار کے خلاف مقدمہ درج بھی کروایا گیا جس نے اپنے اخبار پر یہ شہ سرخی لگائی تھی ''نارتھ ہائیم کے مذبح خانے میں جانوروں پر سفاکانہ ظلم۔'' ایسے پروپیگنڈے نے یہودیوں کے خلاف ایک پرانی مہم کی یاد تازہ کر دی تھی جس میں یہودیوں پر عیسائیوں کے بچوں کا خون پینے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ ان سنسنی خیز خبروں کی گردش کے باوجود نازی پارٹی عوامی پذیرائی سے محروم رہی اور اسے ووٹر کا اعتماد حاصل نہ ہو سکا۔ ایک پول سروے کے مطابق صرف 13.6 فیصد نے یہود مخالف جذبات کو کوئی بڑا مسئلہ قرار دیا جبکہ دو تہائی نے کمیونزم کو بڑا مسئلہ قرار دیا۔

ہٹلر ایک جوشیلا متعصب شخص تھا لیکن طبعاً وہ نہایت علمی ذہن رکھتا تھا اور دل کی بجائے دماغ سے نتائج اخذ کرتا تھا۔ اس نے یہ جان لیا تھا کہ یہود مخالف سوچ نے جرمن ووٹر کو متاثر نہیں کیا تھا نتیجتاً اس نے اس سوچ کو دبا دیا یا اس کا دھارا اپنے ذاتی انتخابی نتائج کی طرف موڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ نازی پارٹی کا ونگ بڑے کاروباری حضرات اور انکے مالی مفادات کے بارے میں جارح خیالات رکھتا تھا۔ ہٹلر نے در پردہ اس کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ یہودی بینکاروں اور بڑی تجارتی مراکز کے یہودی مالکوں کے بارے میں جارحانہ سوچ اپنائے اور ان کے مالی مفادات کو نشانہ بنائے اس پالیسی کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھا وہ یہ تھا کہ ہٹلر کو بڑے کاروباری اداروں کی مدد اور تعاون کی ضرورت تھی جیسے کروپ (Krupp) خاندان جو یہودی نہ تھا۔

اس سوچ اور ذہن کے تحت اس نے نازی پروپیگنڈا مشینری کا رخ یہودی صنعت کاروں کی طرف موڑ دیا۔ اس حکمت عملی نے کام کر دکھایا اور NSDAP پارٹی کے اندر سرمایہ داروں کے خلاف سوچ رکھنے والے افراد کو خوش کر دیا۔ ایسے افراد کی قیادت گریگور سٹریسر کر رہا تھا۔ ٹھیک اُسی وقت نازی بڑے کاروباریوں کے ساتھ روابط بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس سے ہٹلر کی سیاسی سوچ کا اندازہ ہوتا ہے کہ انتخابی فتح حاصل کرنے کی کوشش میں یہود مخالفت کوئی بنیادی مسئلہ نہ تھا بلکہ نازی پروپیگنڈا تھا۔

نازیوں کا حصول اقتدار

جب 1930 کے پارلیمانی انتخابات کے نتیجے میں نازی پارٹی کی جھولی جرمن ووٹوں سے بھر گئی اور اُس نے 107 سیٹیں حاصل کر لیں تو اس کے منشور اور ترجیحات میں یہود مخالف پروپیگنڈا کم پڑتا گیا۔ مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ نازیوں نے دنیا بھر میں پھیلے اقتصادی مندے سے فائدہ اٹھایا اور اپنی سیاسی حیثیت مستحکم کر لی۔ یہ اقتصادی مندہ امریکہ میں 1929 کے وال سٹریٹ کریش سے شروع ہوا تھا جرمن معیشت امریکی

قرضوں کے باوجود ڈانواں ڈول تھی۔ پہلے ڈیوس پلان اور پھر ینگ پلان کے تحت 1929 سے جو محدود المدت امریکی قرضہ جات جرمنی کو (1924 میں مشکل مالی صورت حال سے باہر نکالنے کے لیے دیے گئے) کچھ نہ کر سکے تھے اور جرمن معیشت مندے کا شکار ہوگئی۔ 1932 تک 6 ملین جرمن بے کار پھر رہے تھے۔

یہی وہ معاشی ابتری تھی جس کا فائدہ ہٹلر اور اس کے پروپیگنڈہ ماہر جوزف گوبلز کو اٹھانا تھا۔ اس سے قبل نازی صنعتی مزدوروں یا کیتھولکس سے کامیابی کے لیے درکار ووٹ حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے لیکن اب ہٹلر کا پیغام کچھ اس طریقے سے ابھارا گیا جو جرمن معاشرے کے بہت سے حصوں کے لیے باعث کشش تھا۔ ہٹلر نے فوجی جرنیلوں سے مزید اسلحہ فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ بینکاروں سے معاشی، استحکام کا وعدہ کیا بے روز گاروں کو روزگار اور جرمن قوم پرستوں سے ورسیلز کے تاریخی معاہدے پر نظر ثانی کا وعدہ کیا۔ چونکہ وہ بہت اچھا مقرر تھا لوگوں کی ایک اکثریت اس کے پیغام کی تاثیر سے متاثر ہوگئی۔ حتیٰ کہ جرمنی میں بسنے والے یہودی بھی اس دام میں آگئے۔ 5,25,000 یہودیوں کا خیال تھا کہ ایک مرتبہ نازی برسر اقتدار آگئے تو وہ یہود مخالف نظریات اور پالیسیوں پر نظر ثانی کریں گے اور بہتر اور معتدل پالیسیاں مرتب کریں گے۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی، اس کا کریڈٹ ہٹلر کی محدود مدت کے لیے پرفریب لفاظی کو جاتا ہے کہ یہود بھی 1929 تا 1933 کے درمیانی عرصے میں ہٹلر کی یہود مخالف سوچ فراموش کر بیٹھے تھے۔

جنوری 1933 میں نازی اقتدار میں آگئے لیکن اس کے لیے انہوں نے پچھلا دروازہ استعمال کیا۔ نومبر 1932 کے پارلیمانی انتخابات میں ان کو ملنے والے ووٹوں کی تعداد کم ہوگئی تھی جولائی میں ملنے والی 230 سیٹوں کے مقابلے میں صرف 196 سیٹیں جیتیں تھیں۔ ہٹلر کی مہنگی انتخابی مہم جس میں اخراجات کے لیے درکار بھاری رقم کے لیے ان کے پاس فنڈز تیزی سے کم ہو رہے تھے۔ 1932 میں میں ہٹلر کو دو صدارتی مہموں کا سامنا تھا۔ یہ مہمیں وہ وان ہنڈر برگ کے ہاتھوں ہار گیا تھا۔ عوام کے ووٹ مانگنے کے لیے ابھی تک ہٹلر نے کئی پینترے بدلے تھے لیکن لوگوں پر مایوسیوں کے بادل چھائے تھے اور وہ ان کی خاطر خواہ توجہ حاصل نہ کر پایا تھا۔ پہلے اس نے یہود مخالفت کا نعرہ لگایا پھر کمیونزم کو جڑ سے اکھاڑنے کی بات کی، پھر فوجی بغاوت کی کوشش کی لیکن بے سود اور اسے جیل کی ہوا کھانا پڑی۔ کئی ایک ناکامیوں کے باوجود ہٹلر اور نازی ایک سیاسی حقیقت بن چکے تھے۔ نازی ایک نظریے کو لیکر ابھرے تھے جس نے فوج کے اندر نوجوان آفیسرز اور عوام کے ایک حلقے کو اپنی طرف متوجہ ضرور کیا تھا۔ ہر سطح پر ہونے والے بحث، مباحثے ہر سیاسی نقطہ ہائے نظر کی نمائندگی کر رہے تھے۔ فوج میں ایک ایسی ہی بحث نے سنگین صورت اختیار کر لی۔ تین نوجوان افسر جو نازی خیالات کے حامی تھے، بحث میں گرما گرمی پر فوجی ڈسپلن کی زد میں آگئے اور گرفتار کر لیے گئے۔ ان پر چلائے جانے والے مقدمے کی کارروائی میں ہٹلر کو بھی دوسرے کئی افراد کے ساتھ بطور گواہ طلب کیا گیا۔ ہٹلر نے اس موقع کو بھی اپنی سیاسی تشہیر اور سیاسی خیالات کی قلابازی کے لیے استعمال کیا۔ اس نے فوج کی تعریف کی اور مستقبل میں اسے ایک زبردست قوت بنانے کا عندیہ دیا۔ اس نے اس خیال کی نفی کی کہ نازی جرمن فوج کی جگہ اپنی پارٹی کی بھوری قمیض پہننے والوں کی تنظیم کو فعال بنا کر لانا چاہتے ہیں۔ اُس نے واشگاف انداز میں کہا کہ وہ صرف آئینی طریقے سے اقتدار چاہتے ہیں (جبکہ یہ اس کے ماضی کے برعکس تھا) ہٹلر نے فوجی بغاوت کی حمایت کی تردید کی حالانکہ اس بیان پر اسے پرجوش طبقے کی حمایت

کھونا بھی پڑسکتی تھی۔ میونخ کی بغاوت کے دوران ہٹلر نے ایک بیان داغا تھا کہ "جب انقلاب آئے گا تو کھوپڑیاں اچھلیں گیں" (اشارہ ایک بڑے قتل عام کی طرف تھا)۔ ہٹلر کے اس بیان کا حوالہ دیکر عدالت نے ہٹلر سے دریافت کیا کہ آیا اس کا وہ بیان غلط تھا یا آج وہ بدل رہا ہے۔ ہٹلر نے اپنے مخصوص انداز میں پلٹ کر جواب دیا کہ "جب ہماری تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوگی تو نومبر 1918 کے ذمہ داروں کو کٹہرے میں لایا جائے گا۔" اس برجستہ تاریخی جواب پر اسکے سیاسی مخالفین نے اسے مداری اور شعبدہ باز قرار دیا۔ عدالت میں ہٹلر نے قتل عام کی بات کو عدالتی قتل کی شکل دیکر اپنے سیاسی نقطہ نظر کا کامیابی سے دفاع کیا۔

الیکشن میں بہتر نتائج اور عدالت میں زوردار بیان نے سنجیدہ رائے عامہ کو ہٹلر اور اس کی پارٹی کے حق میں متاثر کیا۔ اس سے قبل وہ براؤن شرٹ والوں کو نعرے باز اور بدمعاش قرار دیتے تھے۔ اور یہ خیال کچھ اتنا غلط بھی نہ تھا۔ عوامی سطح پر ہٹلر کے قوم پرستی پر مبنی خیالات نے عوام میں جگہ بنائی۔ اب انہیں کمیونزم سوشلزم اور مزدور یونینوں میں چھپا گند دکھائی دینے لگا۔ ہٹلر نے جمہوریت کو انگریز جمہوروں کا سست نظام قرار دیا۔ یہ لہروں کے مخالف سمت میں تیرنے والی بات تھی اور ہٹلر خوب اچھی طرح تیر رہا تھا۔ سیاست کے بدلتے رخ دیکھ کر بڑے صنعتکار نازی پارٹی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی مالی امداد کی۔ ایسے بڑے تاجروں کے نام اس لیے نہیں لکھے جاسکتے کیونکہ ہٹلر نے ان کے ناموں کو عوامی سطح پر افشانہ ہونے دیا تھا۔ اسی اثناء میں سٹریسٹر اور اس کے چند ساتھوں نے جرمن پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کیا کہ بڑے بڑے بینکوں کو قومیا لیا جائے اور شرح سود اگر چار فیصد سے بڑھ جائے تو اسے غیر قانونی قرار دیا جائے۔ ہٹلر اگر اس بل کی حمایت کرتا تو اسے صنعتکاروں کی حمایت کھونا پڑتی چنانچہ ہٹلر کی مداخلت پر نازی پارٹی نے اس بل کی پیروی ترک کردی تو کیمونسٹوں نے اسے من وعن پیش کردیا۔

پہلے اور دوسرے انتخابات میں طوفانی انتخابی مہم چلانے کے باوجود ہٹلر کو 37 فیصد ووٹ ملے جبکہ بوڑھا ہنڈ برگ 53 فیصد ووٹ لیکر کرسی صدارت پر دوبارہ جلوہ افروز ہوگیا۔ ہنڈ برگ نے صدارت دوبارہ سنبھالتے ہی نازی پارٹی پر عرصہ حیات تنگ کردیا۔ نازیوں کی براؤن شرٹ تنظیم کو خلاف قانون قرار دیکر پابندی لگادی گئی۔ اس تنظیم کا کمانڈر روئم اپنے چار لاکھ جانبازوں کے ساتھ برلن میں موجود تھا اور احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن ہٹلر نے اس کو منع کردیا کہ ہم آئینی جدوجہد کے ذریعے اقتدار تک پہنچیں گے۔ ہٹلر کی قائدانہ نظریں کہیں اور ہی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ اقتدار کے لیے اب گھیراؤ جلاؤ کی ضرورت نہیں ہے وہ خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح اُس کی گود میں آن گرے گا۔

ہٹلر کے رضاکاروں کی تنظیم پر پابندی کا کھیل شلیکر کا رچایا ہوا تھا۔ ہٹلر کے جوابی ردعمل اور آنے والے سیاسی حالات کے پیش منظر میں، اس بل کے خلاف بل پیش کردیا۔ اس بل نے ایوان میں ہلچل مچادی، نازی ارکان نے وہ دھاچوکڑی مچائی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ حکومتی ارکان نے سنبھالنے کی لاکھ کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ یہ سیاسی انارکی شلیکر کی پھیلائی ہوئی تھی۔ وہ چانسلر کے منصب کے پیچھے تھا لیکن اس کو شاید اندازہ بعد میں ہوا کہ ایک عقاب دور بیٹھا چانسلری شکار پر نظریں گاڑے تھا۔ شلیکر کی پھیلائی افراتفری نے ہٹلر کو اقتدار کے مزید نزدیک کردیا تھا۔ 85 سالہ ہنڈ برگ نے چانسلر براؤننگ سے استعفیٰ طلب کرلیا۔ کچھ روز بعد اس نے پارلیمنٹ توڑ کر نئے چانسلر کا تقرر کیا اور فریز وان وان پاپن کو نیا چانسلر بنایا۔ وان پاپن نے آتے ہی سیاسی ڈیڈ لاک توڑنے کے لیے براؤن شرٹ تنظیم کو بحال کردیا۔ یہ فیصلہ حکومت کے گلے کا پھندا بن گیا، ہٹلر

کے رضا کاروں نے ریلیاں نکالنی شروع کر دیں جن کا اختتام کمیونسٹوں سے لڑائی جھگڑے پر ہوتا، دنگے فساد پھیلنے پر کافی جانی، مالی نقصان ہوا۔ وان پاپن کے پاس مضبوط سیاسی اور عوامی حمایت نہ ہونے کی وجہ سے وان پاپن حکومت ناکام ہوگئی تھی اس نے عام انتخابات کا اعلان کر دیا اور انتخابات سے دو ماہ قبل ہر قسم کی ریلیوں پر پابندی لگادی۔ انتخابی مہم کے زور، شور نے ہی آنے والے حالات کا عندیہ دیدیا۔ برلن میں ہٹلر نے ڈھائی لاکھ کے اجتماع سے خطاب کر کے انتخابی مہم اور انتخابات اپنی جانب موڑ دیئے۔ نتائج کچھ یوں تھے۔ پارلیمنٹ کی 608 نشستوں میں سے 230 نشستوں پر نازی پارٹی نے اپنے ارکان بٹھا دیے۔ اب وہ پارلیمنٹ کی سب سے بڑی پارٹی تھی لیکن چانسلری کا منصب حاصل کرنے کے لیے جتنی اکثریت درکار تھی وہ نہ تھی۔ حکومتی حلقے اس کے لیے وائس چانسلری کا اشارہ دے رہے تھے۔ لیکن ہٹلر اپنے لیے چانسلر کے عہدے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ جرمنی کی ڈوبتی ناؤ کو سنبھال سکتا ہے بشرطیکہ اسے چانسلر بنایا جائے وہ بھی خصوصی اختیارات کے ساتھ۔

اسی شور شراب میں ہٹلر فیلڈ مارشل ہنڈ برگ سے ملاقات کے لیے گیا۔ بوڑھے فیلڈ مارشل نے اسے بیٹھنے کے لیے کرسی تک پیش نہ کی اور خود بھی کھڑا رہا۔ ہٹلر نے اپنا مافی الضمیر کھل کر بیان کیا جسے ہنڈ برگ نے بغور سنا۔ آخر میں ہٹلر نے مطالبہ کیا کہ اسے مکمل با اختیار بنا کر چانسلر بنایا جائے تا کہ وہ قوم کی خدمت کر سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہنڈ برگ کیوں ہٹلر کو اقتدار سونپنے سے خائف تھا؟ ہنڈ برگ ایک قدامت پسند تھا وہ نازی پارٹی کو فسادی پارٹی کہتا تھا۔ خود جرمن عوام کی اکثریت ہٹلر اور اس کی پارٹی سے خوف کھاتے تھے، انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ یہ لوگ اگر اقتدار میں آ گئے تو ظالم اور جابر ثابت ہونگے اور کسی مخالف کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہنڈ برگ نے چنانچہ اسے کلی طور پر اقتدار سونپنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ پے پن کی چانسلری میں کوئی وزارت لیکر قوم کی خدمت کر سکتا ہے، اس کی کارکردگی عوام میں اس کا اور اس کی پارٹی کے تشخص کو نمایاں کر دیگی۔ ہٹلر نے اس تجویز کو ناقابل قبول قرار دیا۔ ایوان صدر سے جاری ہونے والے سرکاری بیان میں کہا گیا کہ ہٹلر نے قومی مخلوط حکومت میں شامل ہونے کی پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے۔

دوسری طرف ہٹلر نے اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے کے لیے سیدھا راستہ بند ہونے پر چور دروازہ کھولنے کی تدبیریں اور حربے اختیار کرنے شروع کر دیے تھے۔ اُس کا شاطر دماغ تیزی سے منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ ہٹلر نے کیتھولک پارٹی سے رابطہ قائم کیا۔ اس اثناء میں پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوا۔ پہلے اجلاس میں اسمبلی کو سپیکر کا انتخاب کرنا تھا۔ کیتھولکس کے تعاون سے جرمن رائخ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک نازی جنرل گورنگ کو پارلیمنٹ کا سپیکر چنا گیا۔ گورنگ کا سپیکر بننا ہٹلر کا اقتدار تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کے ملنے کی طرح تھا۔ پے پن اور صدر ہنڈ برگ نازیوں اور کیتھولک کے درمیان بڑھتے تعلقات دیکھ رہے تھے، سپیکر کے انتخابات نے ان کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔ انہیں نئی پارلیمنٹ سے کچھ خاص امیدیں وابستہ نہ رہی تھیں چنانچہ انہوں نے اس سے جان چھڑانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پارلیمنٹ کے پہلے دن کی کارروائی بھی قابل ذکر ہے۔ پے پن کا خیال تھا کہ پہلے دن کی کارروائی زیادہ دیر نہیں چلے گی چنانچہ اس نے پارلیمنٹ کو توڑنے کا حکم نامہ ساتھ لیجانا مناسب نہ سمجھا۔ اسے امید تھی کہ پہلے دن کوئی کمیونسٹ اُٹھ کر تحریک پیش کرے گا اور ہاؤس میں سے اس کی مخالفت کی جائے گی۔ تحریک ملتوی ہونے پر اجلاس بھی ملتوی کر دیا جائے گا۔ دلچسپ بات یہ رہی کہ تحریک تو پیش کی گئی لیکن اتنے بڑے ہاؤس کے 600 ارکان میں سے کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ اس طرح

پارلیمنٹ کا اجلاس جاری رہا۔ پاپن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے چانسلر کے دفتر میں رکھے حکم نامے کو منگوانے کے لیے پیغامبر بھیجا۔ ایک ممبر کی درخواست پر گورنگ نے اجلاس آدھے گھنٹے کے لیے ملتوی کر دیا۔ وقفے کے بعد جب اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو ممبران نے بھانپ لیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ پاپن نے کھڑے ہو کر تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ سپیکر نے اپنا چہرہ دوسری طرف رکھا۔ پاپن نے جھنجھلا کر کاغذ سپیکر کے سامنے پٹخ دیا اور خود اپنے ارکان کے ساتھ باہر نکل گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں رائے شماری کروائی گئی جس میں تحریک کی حمایت میں 20 ووٹ اور مخالفت میں 513 ووٹ ملے۔ حکومت کو شکست ہوئی۔ سپیکر نے چانسلر کا حکم پڑھ کر سنایا جس میں پارلیمنٹ کی منسوخی کا حکم تھا جسے تسلیم کر لیا گیا گو چانسلر بے وقعت تھا۔ ان حالات میں ملک میں سخت سیاسی بحران تھا۔ اس بحران کا حل سیاسی جماعتوں کے درمیان مفاہمت میں پوشیدہ تھا۔ صدر ہینڈ برگ جانتا تھا کہ اس بحران پر قابو پانا پاپن کے بس کی بات نہ تھی۔ شلیکر کے مشورے پر صدر نے چانسلر پاپن سے استعفیٰ طلب کر لیا تا کہ قومی رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کر کے ایک مضبوط اور نمائندہ حکومت کی راہ ہموار کی جا سکے۔ پاپن اور اس کی کابینہ نے استعفیٰ دیدیا۔

بدلتے حالات میں صدر کے پاس ہٹلر کو نظر انداز کرنے کا مزید جواز نہ تھا۔ چند ماہ قبل جب وہ ہٹلر سے ملا تھا تو وہ اسے فوج کے ایک نائیک سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا لیکن اب وہ خود ہٹلر سے ملنے کا خواہاں تھا۔ سابقہ ملاقات کے برعکس ہٹلر کی پروٹوکول کے مطابق تعظیم کی گئی۔ اب ہٹلر کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ پارلیمنٹ میں کسی بھی پارٹی سے اشتراک کر کے اپنی اکثریت ثابت کرے اور طاقتور اور بااختیار چانسلر بن کر جوڑ توڑ اور سیاسی افراتفری کا خاتمہ کرے۔ دوسری صورت میں صدر ہنڈ برگ پاپن کو ہی حکومت بنانے کا ایک موقع اور دے تا کہ وہ آرڈیننسوں کے ذریعے حکومت چلا سکے۔ ہٹلر کی سیاسی پوزیشن یہ تھی کہ کیتھولک پارٹی کے ساتھ ہٹلر کی سیاسی ہم آہنگی تھی لیکن یہ پارٹی اندرون خانہ اقتدار ہٹلر کو کلی طور پر سونپے جانے سے خوف زدہ تھی۔ انہیں شک تھا کہ ہٹلر اقتدار ملنے پر دوست دشمن بھول کر نازی ڈکٹیٹر شپ قائم کر دے گا۔ یہ شکوک شبہات کچھ غلط بھی نہ تھے۔ بوڑھے صدر ہنڈ برگ کا استدلال تھا کہ وہ آخرت میں کیا منہ دکھائے گا اگر وہ اس ملک کے عوام کو ایک ڈکٹیٹر کے حوالے کر جائے۔ شلیکر نے سیاسی جوڑ توڑ کر کے ہنڈ برگ سے چانسلری تو لے لی لیکن 57 دن ہی اس منصب کا پہرہ دے سکا۔

ان ایام میں نازی پارٹی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ پارٹی میں سٹر لیسر ہٹلر کے بعد نمبر 2 تھا۔ وہ ایک قابل اور معاملہ فہم شخص تھا لیکن اس میں لومڑی جیسی مکاری، مداری جیسی کرتب سازی اور مقناطیسی شخصیت کی وہ جادوئیت نہ تھی جو ہٹلر کے پاس تھی۔ ہٹلر نے سٹر لیسر پر شلیکر سے سازباز کا الزام لگا کر براؤن شرٹ تنظیم کی سربراہی سے علیحدہ کر دیا۔ سٹر لیسر کی برطرفی نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ قریب تھا کہ یہ طوفان اپنے ساتھ ہٹلر کو بہا کر لے جاتا۔ افسردگی اور انتشار کے اس ماحول میں خطرہ یہ بھی تھا کہ نازی پارٹی کہیں خزاں کے پتوں کی طرح بکھر نہ جائے۔ ایک موقع پر ہٹلر نے دھمکی دی کہ اگر ''نازی پارٹی کو کچھ خطرہ ہوا تو وہ خودکشی کر لے گا۔'' اس کی دھمکی اس کے لیے عظیم motivational force کا کام کرتی تھی۔ زندگی میں جب بھی اس نے خود کے لیے موت کی دھمکی کے الفاظ استعمال کیے وہ مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔ اور حالات کو شکست دیکر فاتح کی حیثیت سے ابھرا۔ ایسی ہی ایک دھمکی شراب والے ہال کی بغاوت کی کوشش کے دوران اس نے دی تھی۔ اگر حقیقتاً وہ خودکشی کر گزرتا تو تاریخ میں اس کا تذکرہ عام سیاسی رہنماؤں کی سطح سے زیادہ نہ ہوتا اور سکندر، چنگیز اور موسولینی کے ساتھ ہرگز نہ ہوتا۔ سٹر لیسر اگر تناؤ کی کیفیت پر قابو پا کر

ہٹلر کے الزامات کا جواب دیتا تو سٹریٹ پاور اس کے ہاتھ میں ہونے کے سبب وہ ہٹلر سے بہتر شرائط پر ڈیل کر سکتا تھا۔ بہر کیف سٹریسر سے چھٹکارا پانے کے بعد باقی قیادت سے ہٹلر نے وفاداری کا حلف لیا۔ سیاست میں کوئی بات حتمی نہیں ہوتی۔ پاپن شلیکر کے ہاتھوں ڈسنے کے بعد اپنے زخم چاٹ رہا تھا۔ وہ ہٹلر سے ملنے آیا تو جیسے اقتدار چل کر ہٹلر کے دروازے پر آ گیا۔ پاپن صدر ہنڈ برگ کی آنکھوں کا تارا تھا، کیتھولک پارٹی کی سیاسی حمایت پہلے ہی ہٹلر کی پشت پر تھی۔ ہٹلر کو معلوم تھا شلیکر پارلیمنٹ کو معطل نہیں کر سکتا تھا، اب وہ اس پوزیشن میں تھا کہ کسی بھی سیاسی پارٹی کے ساتھ اشتراک عمل کر کے شطرنج کی بساط کو پلٹ سکتا تھا۔ اسی اثناء میں ہٹلر نے ہنڈ برگ کے بیٹے آسکر کو شیشے میں اُتار لیا تھا۔

جنوری 1933 میں شلیکر نے ہنڈ برگ سے مزید اختیارات اور آرڈیننسوں کے ذریعے ملکی معاملات کو گرفت میں کرنے کی اجازت طلب کی۔ اس نے سیاسی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ وہ پارلیمنٹ میں مزید سیاسی حمایت حاصل کرنے میں ناکام ہو گیا تھا۔ صدر ہنڈ برگ نے یہ سنا تو جواب دیا کہ اگر یہی کام کروانا تھا تو پاپن کو کیوں ہٹایا گیا تھا۔ اس جواب نے شلیکر کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے اقتدار کی بساط ہی الٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے فوج کے کمانڈر انچیف کو دگرگوں سیاسی حالات کی تصویر دکھا کر اکسانے کی مذموم کوشش کی۔ یہ جان کر ہٹلر اور پاپن نے اپنی کوشش تیز تر کر دیں۔ اگر ملک میں فوجی راج کی راہ ہموار ہو جاتی تو آج جرمنی بھی پاکستان کی طرح مسائلستان ہوتا۔ ممکنہ مارشل لاء کو روکنے کے لیے ہٹلر نے ایک طرف براؤن شرٹ تنظیم کے افراد کو متحرک کر دیا دوسری طرف سرکاری پولیس کے سربراہ کو ذاتی حیثیت میں ایوان صدر کو بچانے کا اشارہ دیا۔ پاپن نے صدر سے مل کر حالات کی سنگینی پر تبادلہ خیال کیا۔ صدر نے فیصلہ کیا کہ ایک مضبوط وزیر دفاع اس خطرے کے آگے بند باندھ سکتا ہے۔ چنانچہ بلومبرگ کا تقرر کیا گیا۔ ان حالات میں ضرورت ایک ایسی شخصیت کی تھی جو ملک کو درپیش خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کر سکے۔ صدر ہنڈ برگ کی نگاہیں ہٹلر پر تھیں۔ اس کی طبیعت کی درشتگی اور نہ بکنے والا اور نہ جھکنے والا دیکھ کر اس نے پاپن کو ہٹلر کے ساتھ چپکانے کا سوچ لیا۔ ہٹلر کو خصوصی اختیارات نہ دیے گئے۔ پاپن کو وائس چانسلر بنا دیا گیا اور اس کے ساتھیوں کو اہم وزارتیں دیدی گئیں۔ ہٹلر کو چانسلر بنانے کا حتمی فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ بوڑھا ہنڈ برگ اپنی طرف سے ہٹلر کے ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھانے کی پلیٹ رکھ رہا تھا لیکن اس کے تجربے نے اسے دھوکہ دیا۔ ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، ہٹلر کو آنا تھا اور وہ اقتدار میں آ چکا تھا۔ تاریخی اعتبار سے ایک کریڈٹ ہٹلر کو جاتا ہے کہ اس نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے آئینی راستہ اختیار کیا اور خون خرابے سے اجتناب کیا وگرنہ اس کے پاس اتنی سٹریٹ پاور تھی کہ وہ خانہ جنگی کروا سکتا تھا۔

ہٹلر کے لیے اقتدار کانٹوں سے مزین ایک ایسی سٹیج تھی جس پر چل کر اسے جرمنی کی از سر نو تعمیر کرنی تھی۔ اسے ایک مضبوط حکومت فراہم کرنی تھی۔ ایک نظام حکومت کی تلاش کرنا تھی جس میں جمہوریت اور ٹریڈ یونین ازم جیسی بلیک میلنگ نہ ہو۔ یہ وہ بنیادی مقاصد تھے جو ہٹلر کو لانے والوں نے اس سے وابستہ کر رکھے تھے۔ لیکن ہٹلر کو معلوم تھا کہ اسے اقتدار ہاتھ پاؤں باندھ کر دیا گیا ہے اور پھر کہا جا رہا ہے کہ اچھی طرح تیرو۔ بندھے ہاتھ پاؤں کھلوانے اور مزید اختیارات حاصل کرنے کے لیے ہٹلر کو کسی بڑے واقعے کے وقوع پذیر ہونے کی ضرورت تھی اور خفیہ ہاتھوں نے اسے یہ موقع فراہم کر دیا۔ اس سے پیشتر جرمنی کے ہر بڑے اور چھوٹے شہر میں ہٹلر کے چانسلر بننے پر خوشی کا اظہار کیا گیا اور رات کے وقت ایک عظیم الشان مشعل بردار جلوس نکالا گیا۔ عوام کا جوش، خروش دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار نہ تھا کہ جرمنی کی حالت صرف غیر معمولی اصلاحات (Reforms)

سے ہی بدلی جا سکتی ہے۔ یوں لگ رہا تھا کہ ایک نیا دور جنم لے رہا ہے۔

تاریخ کے اس موڑ تک پہنچتے پہنچتے جرمن عوام جس ایک علامت کو اپنا وہ رفیق گردانتے تھے جس نے ان کو ماضی کی صورت حال سے نکالنے میں ان کا بھر پور ساتھ دیا تھا وہ نازی پارٹی کا وہ نشان تھا جسے عرفِ عام میں ''سواست'' کا نشان کہا گیا تھا۔ سواست کی علامت کی عوامی پذیرائی دیکھتے ہوئے صدر ہنڈ برگ نے اسے قومی اتحاد کی طرف ایک نیا قدم قرار دیا اور اسی علامت کو جرمنی کا ''قومی نشان'' قرار دیا۔ بوڑھے فیلڈ مارشل کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس جھنڈے کو لہرانے والوں نے ماضی میں کیا کام کیے ہونگے جس کے ثمرات آج سب کے سامنے ہیں۔ اس نے ہٹلر اور اس کی پاپن کابینہ کو ''گڈ لک'' کہا۔ ہٹلر کی دور بینی پر مبنی قائدانہ صلاحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے 5 مارچ 1934 میں نئے الیکشن کروانے پر اصرار کیا تھا۔ اس کے ذہن میں حکومت چلانے کا جو نقشہ تھا۔ اس کے مطابق اس نے جرمن عوام کے دل جیتنے تھے تا کہ وہ جرمنی کو ایک شاندار قیادت فراہم کرے۔ معاشرے کی عمومی صورتِ حال یوں تھی:

1- بیروزگاروں کا اژدہام تھا۔ قریباً 70 لاکھ آدمی بیکار پھر رہے تھے جو معاشرے میں شور شرابے کا باعث بن رہے تھے۔

2- زندگی کے ہر شعبے پر سود خور چھائے ہوئے تھے۔

3- جرمن کسان بے زمین تھا۔

4- جرمن ذرائع رسل، رسائل کی حالت مخدوش اور قطعی طور پر متاثر کن نہ تھی۔

5- جرمن معیشت معاہدہ ورسیلز کے بوجھ تلے دبی کراہ رہی تھی۔

ہٹلر نے بر سر اقتدار آتے ہی جنرل گورنگ کی براؤن شرٹ تنظیم کو ازسرِ نو منظم کرنے کا حکم دیا۔ خفیہ پولیس میں اہل افراد کو شامل کر کے ورک فورس کو نئی گائیڈ لائن دی گئی۔ کسانوں کو ان کی اراضی واپس دلوائی گئی۔ انہیں سود خوروں اور مڈل مین سے نجات دلائی گئی۔ ہر طرف تعمیر، ترقی کا عمل شروع ہو گیا۔ ہزاروں بے روزگاروں کو ان کاموں میں کھپا دیا گیا۔ نئی نہریں، سڑکیں اور موٹر ویز کی تعمیر کے منصوبوں پر کام شروع کر دیا گیا۔ ہر سو تبدیلی نظر آنا شروع ہو گئی۔ سیاسی اعتبار سے کیمونسٹوں اور یہودیوں کو نازیوں کا کھلا دشمن قرار دے کر ان کے خلاف جارحانہ اقدامات کا تانا بانا جانے لگا۔

22 جنوری 1933 کی ایک شب وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعے نے ایسی تبدیلی کی داغ بیل ڈال دی جس کے آثار کچھ اچھے نہ تھے۔ اس رات جرمن پارلیمنٹ میں لگنے والی ہولناک آگ نے نہ صرف اس پر شکوہ گنبد والی عمارت کو جلا کر خاکستر کر دیا بلکہ اس کے ساتھ ہی جرمنی سے جمہوریت کا بھی جنازہ نکال دیا۔ اس آتشزدگی کا سبب کیا تھا، کون لوگ تھے جو اس کے ذمہ دار تھے، یہ بات سر بستہ راز ہی رہ گئی۔ سینہ گزٹ کے مطابق یہ اپنوں کی ہی کارروائی تھی کیونکہ اس واقعے کے چند روز بعد کچھ براؤن شرٹ لوگوں کی لاشیں پائی گئیں تھیں جن کے سینوں اور زبانوں کو اس راز کی حفاظت کے لیے محفوظ نہ سمجھا گیا تھا۔ یہ صرف ایک عمارت کی تباہی نہ تھی بلکہ ایک دور کا خاتمہ تھا۔ صدر ہنڈ برگ یہ تماشا اپنے صدارتی محل کی کھڑکی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے کانوں نے جنرل گورنگ کے یہ الفاظ سنے ''او خدایا کیمونسٹوں نے یہ کیا کر دیا یہ ہماری قومی سالمیت پر ضرب کاری

ہے۔ بخدا ہم اس کا جواب دیں گے، ہم انہیں چن چن کر ختم کر دیں گے۔" کمیونسٹوں کا کہنا تھا کہ یہ آگ خود نازیوں نے لگائی ہے۔ اقتدار میں آنے کے بعد وہ کمیونسٹوں کو کچلنے کے لیے کسی بہانے کی تلاش میں تھے۔

بہر کیف اس واقعے کا بہانہ بنا کر اور ملکی سالمیت کو خطرے میں قرار دیکر ہٹلر نے صدر ہنڈ برگ سے مزید اختیارات کا مطالبہ کر دیا تا کہ وہ حکومت کو اپنے ڈھنگ سے چلا سکے۔ اختیارات ملنے پر اس نے آزادی اظہار رائے پر پابندی لگا دی، خلاف ورزی کرنے والے پر مقدمہ چلایا جا سکتا تھا جس کی سزا جائیداد کی ضبطی تھی۔ مرکزی حکومت کو مزید طاقتور بنا دیا گیا۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی گئیں۔ خاص، عام کسی کا لحاظ نہ رکھا گیا۔ ہر طرف سواستیکا کا نشان نظر آتا تھا۔ عوام میں شدید خوف ہراس پایا جاتا تھا۔ وہ خود کو پنجرے میں بند قیدی کی طرح تصور کرتے تھے لیکن اب تاریخ نے یہ طے کرنا تھا کہ پنجرہ کب کھلتا ہے۔

سب سے پہلے جرمنی

یہ اس دور کی بات ہے جب جرمنی تن تنہا اتحادی طاقتوں کے پنجہ استبداد میں جکڑا آندھی کے پتے کی طرح ڈانواں ڈول تھا۔ سیاست کے بھنور میں پھنسے جرمنی کو ایک ایسے ملاح کی تلاش تھی جو اس کے سفینے کو بحر بیکراں سے باہر نکال دے۔ عالمی سیاست کے تناظر میں جرمن سیاسی شطرنج کی بساط پر کوئی ایک بھی مہرہ اس قدر مضبوط اور بے لوث نہ تھا جو حالات کی عنان سنبھال کر جرمنی کی کھوئی عظمت کی بحالی کا اہتمام کر سکتا۔

سیاسی منظر نامے پر موجود پارٹیوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی کوئی واضح قائدانہ نصب العین نہ تھا البتہ نوجوان نسل کی تسلی، تشفی کے لیے بلند بانگ دعوے ضرور کیے گئے تھے تا کہ مقابلے بازی کی فضا برقرار رہے۔ سوشل ڈیموکریٹ پارٹی اپنے ظاہری پروگرام کے سبب متوسط طبقے کی پارٹی تصور کی جاتی تھی، سنٹرل پارٹی کا پروگرام کیتھولک چرچ کی ترجمانی کرتا تھا اگرچہ مذکورہ دونوں پارٹیاں متوسط طبقہ جن میں عام دکاندار، کسان اور تاجر شامل تھے اور مذہبی رہبروں کی حمایت رکھتی تھیں لیکن ان کے پروگرام اور منشور کسی بڑے نصب العین، مشن اور دوررس مقاصد (Strategic objectives) کے حصول پر مرکوز نہ تھے۔ ان کے علاوہ چھوٹی بڑی کئی پارٹیاں سیاسی افق (Political Horizon) پر موجود تھیں جو ڈرائنگ روم سیاست کا عملی نمونہ کہی جا سکتی ہیں۔ واضح طور پر عوام کے دو طبقے دو بڑی پارٹیوں کی طرف مائل دکھائی دیتے تھے لیکن عملی طور پر کوئی ایک شخصیت یا پارٹی اس قابل نہ تھی کہ واضح اکثریت کا دعویٰ کر سکے۔ ہر انتخاب کے موقع پر پارٹی پچھلے پروگرام کو نیا میک اپ کر کے لے آتی، مقصد صرف حصول اقتدار تھا۔ ہر نئے پروگرام اور منشور کے ساتھ ہی پچھلے منشور کو دفن کر دیا جاتا۔ جس پروگرام کی اس سے قبل تعریفوں سے اخباروں کے صفحے سیاہ ہوتے تھے، آج کوئی ان کا ذکر بھی کرتا نظر نہ آتا تھا۔ یہ صورت حال ہمارے ملک پاکستان کی آج 2007ء کی سیاسی صورت سے کافی حد تک مماثلت رکھتی ہے۔

جب ہٹلر اس سیاسی منظر نامے پر ابھرا تو اس نے محسوس کیا کہ جرمنی کو خالی خولی نعروں اور کھوکھلے پروگراموں کی بجائے ایک مربوط حکمت عملی اور سوچ کی ضرورت ہے جو جرمن عوام کو اتحاد، یگانگت کی ایسی لڑی میں پرو دے جس کی طاقت کے سامنے انتشار اور بدنظمی دم توڑ دے۔ ہٹلر نے ملک بھر کا طوفانی دورہ کیا۔ جرمنی کو درپیش مسائل کو اجاگر کیا اور جنگی شکست کو جرمنی کی بے عزتی قرار دیکر قوم کو ذلت کے اس حصے سے باہر نکلنے کی

تحریک پیدا کی۔ اس کے پرجوش اور ترقی پسند خیالات نے ہلچل مچادی۔

ہٹلر نے نیشنل سوشلزم کے انقلابی اصول پیش کیے جن کا لب لباب جرمنی کی کھوئی ہوئی عظمت کی بحالی تھا۔ اس سے جب بھی اس کی پارٹی کے منشور اور پروگرام کے بارے میں پوچھا جاتا تو اس کا جواب جرمنی ہوتا تھا یعنی "سب سے پہلے جرمنی"۔ آج بھی اس سے ملتے جلتے سیاسی فلسفے کی بازگشت وطن عزیز کی فضاؤں میں گونج رہی ہے لیکن سمت کا تعین ہنوز باقی ہے۔

ہٹلر نے 1919 میں جرمن مزدور پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ اس وقت اس سیاسی جماعت کی حالت ایک جاں بلب مریض کی سی تھی جس کے پاس کوئی واضح پروگرام نہ تھا۔ ہٹلر نے پارٹی میں تازہ خون کی ضرورت پر زور دیا تاکہ پارٹی کو ملک بھر میں پروان چڑھایا جا سکے۔ ابتدائی ماہ، سال بے سروسامانی کے تھے لیکن ہٹلر کے آہنی عزم نے پارٹی کو طاقت بخشی۔ پارٹی کے پلیٹ فارم پر ارکان کی تعداد اور مالی امداد میں اضافہ ہوا۔ ہٹلر نے میونخ کو سیاسی سرگرمیوں کا مرکز قرار دینے کی تجویز دی جسے سراہا گیا۔ ہٹلر کی ابتدائی تقریروں اور شعلہ بیانی نے پارٹی کو اور پھر جرمن قوم کو رہنما اصول فراہم کیے جو فروری 1920 میں جرمن مزدور پارٹی کے پروگرام کی شکل میں دنیا کے سامنے آئے۔

اس پروگرام کے اہم نقاط درج ذیل ہیں:

1- ورسیلز اور دوسرے ذلت آمیز معاہدوں سے نجات حاصل کر کے جرمن اداروں کو مضبوط بنانا اور ایک وسیع تر جرمنی کی تعمیر کرنا یعنی ایک متحدہ جرمنی۔
2- قوموں کی برادری میں جرمنی کو اس کی برتر حیثیت دلانا۔
3- جرمنی کو اپنی کھوئی ہوئی نوآبادیوں کو واپس حاصل کر کے آبادی کے بڑھتے مسائل پر قابو پانا۔
4- صرف جرمن نسل کے لوگوں کو جرمنی پر حکومت کرنے کا حق ہے۔ کسی غیر ملکی یا غیر نسل (Alien) کے لیے اقتدار کے دروازے بند ہوں گے۔
5- غیر ملکی صرف اور صرف جرمنی اور اہل جرمنی کے مہمان اور مقامی قانون کے ماتحت ہونگے۔
6- اس اصول کے تحت پارلیمنٹ میں مقامی پارٹیوں کی اہلیت اور کردار کی بنیاد پر نمائندگی اور حق رائے دہی دیا جائے گا۔
7- جرمن حکومت پر لازم ہوگا کہ وہ جرمن شہریوں کی خوب اچھی طرح دیکھ بھال کرے۔ غیر ملکیوں کے لیے جرمن وسائل پر قابض ہونے اور رائج میں رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔
8- اس اصول کی روشنی میں 1914 کے بعد جرمنی میں رہائش اختیار کرنے والے غیر آریائی نسل لوگوں کے لیے رائج میں کوئی جگہ نہیں۔
9- جرمنی میں تمام جرمن النسل شہری یکساں حقوق، فرائض کے حامل ہونگے۔
10- ہر جرمن شہری پر لازم ہوگا کہ وہ دل، جان سے قانون کی پاسداری کرے اور اپنے تن من دھن سے ملک کی سربلندی کے لیے کام کرے۔
11- کام کے بغیر کسی آمدنی کا کوئی تصور نہ ہوگا۔
12- جنگ کے دنوں میں کمائی آمدنی ناجائز تصور ہوگی اور قابل ضبطی ہوگی۔
13- جو کاروبار زمانہ امن اور جنگ سے گزر کر مکمل اور بڑی کمپنیوں کی شکل اختیار کر گئے ہیں وہ قومی ملکیت تصور کیے جائیں گے۔ انہیں

قومیانے سے ملکی معیشت پر مثبت اثرات پڑیں گے۔

-14 جرمن معاشرے کے کمزور طبقوں کی مالی اعانت کے نظام کو وسعت دی جائے گی۔

-15 سود خور یہودیوں، منافع خوروں اور غداروں کو پھانسی پر لٹکا دینا چاہیے۔ متوسط طبقے کی تعلیم، تربیت کی جائے گی اس پالیسی کا مقصد معاشرے کے متوسط طبقے کو طاقت کا وہ ٹیکہ لگانا ہے تا کہ وہ اپنے کام کو بھرپور دلجمعی اور ذوق وشوق سے سرانجام دیکر ملکی ترقی (GDP) میں اپنا بھرپور حصہ ڈالیں۔

-16 قومی ضروریات کے لیے درکار زمین کو کسی ہرجانے یا سود کے بغیر حاصل کرنے کا طریقہ اپنایا جائے۔

-17 قومی مفاد کے خلاف سوچ اور کام قابل تعزیز جرم تصور ہوگا۔

-18 جرمنی کو رومن ایمپائر کے زمانے کے قوانین کو ترک کر کے اپنی زمینی ضروریات اور حقائق کے مطابق جرمن قوانین رائج کرنا ہونگے۔

-19 اس حکمت عملی کے تحت نظام تعلیم کے قومی ترتیب کے عمل کا آغاز کیا جائے تا کہ لائق، اعلیٰ تعلیم یافتہ، باشعور اور محنتی باشندے تیار کیے جا سکیں۔ اگر ہم ایک سنجیدہ نسل تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے تو خوشحالی اور ترقی کے ایک نئے دور کی بنیاد پڑ جائے گی۔

-20 انسان کی پہلی درس گاہ اس کی ماں ہے جس کی دیکھ بھال سے بچے کی دیکھ بھال ہوگی۔ جرمنی کی سرزمین پر چائلڈ لیبر نہیں ہوگی بلکہ صحت مندر جحانات کو پروان چڑھانے کے لیے ورزشی کلبوں اور جسمانی ورزشوں پر توجہ دی جائے گی۔

-21 ہٹلر نے چرچ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے حدود، قیود کے اندر رہ کر مذہبی آزادی دینے کی بات کی۔

سیاست کے پرخار راستے پر قدم رکھتے ہی ہٹلر کو اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ سیاست کے میدان میں موجود ڈیموکریٹک، جرمن، پیپلز پارٹی اور بویرین پیپلز پارٹی کے روپے کیسے تھے ان کے جلسوں میں شریک ہو کر اسے ہوا کا رخ معلوم ہوگیا تھا۔ سرخ جھنڈا بردار کیمونسٹ شورش پسند تھے ان کا مقصد ہر جلسے میں شریک ہو کر اسے درہم برہم کرنا ہوتا تھا۔ مزید براں کسی مقرر میں وہ دم خم نہ تھا جو ان حالات میں جرمنی کے عوام کی توجہ حاصل کر سکتا اور اُن کی اُمنگوں کو سنبھال کر منزل تک پہنچا سکتا۔ اس وقت تک ہٹلر کے جلسے کسی پارٹی نشان کے بغیر ہوتے تھے۔ ہٹلر نے فوری حکمت عملی کے تحت اپنے جلسوں کے اشتہارات سرخ رنگ کے کاغذوں پر نکالے کیونکہ سرخ رنگ مقبول عوامی رنگ تھا۔ اس سیاسی چال (Tactic) کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ حاضرین کی تعداد بڑھ گئی۔ ان میں اکثریت کرائے کے مزدوروں کی تھی جو کیمونسٹوں کی طرف سے بلوہ کرنے کے لیے لائے جاتے تھے۔ یہ مزدور جس نیت سے بھی آتے ہٹلر کے پیروکار انہیں اس طرح قابو کر کے رکھتے کہ ان کی ایک نہ چلتی لیکن سیاست کے پُر اشتعال (Violent) رنگ ڈھنگ دیکھ کر ہٹلر کی پارٹی نیشنل سوشلسٹ نے اپنے جلسوں کی ذاتی سیکورٹی کا سوچا اور جوانوں کی ٹولیوں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ اس سے قبل بھی یہ لوگ اپنی سیکورٹی کے لیے مقامی پولیس کی مدد نہیں لیتے تھے۔ ذاتی سیکورٹی کی بدولت ہٹلر کے جلسوں میں کافی حد تک سکون ہوگیا تھا صرف ایک دو مرتبہ دس پندرہ افراد کی ٹھکائی کرنا پڑتی تھی۔ ہٹلر کے ان رضا کاروں کو بگل دیئے گئے تھے جو خطرے کی صورت میں بگل بجا کر اکٹھے ہو کر خطرے کا مقابلہ کرتے تھے۔ ان رضا کاروں کے درمیان ہم آہنگی اور نظم وضبط نے بڑھتے بڑھتے ایک جماعت کی شکل اختیار کر لی جس کا نام پاسبان فورس رکھا گیا۔ 1921ء تک اس جماعت کے ارکان کی تعداد خاصی بڑھ گئی تھی۔

اب ہٹلر کے سامنے پارٹی کے علامتی نشان کا سوال تھا۔ پارٹی کا اپنا مخصوص پارٹی نشان ہونا وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔ اسی نشان نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پارٹی کو متعارف کروانا اور بام عروج پر پہنچانا تھا۔ ابھی تک بڑے سے بڑے اجتماعات میں سرخ رنگ ہی جھنڈیوں اور کپڑوں پر نمایاں نظر آیا تھا۔ ہٹلر نے بہت سی علامتوں کا بطور پارٹی نشان جائزہ لیا لیکن وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا سمندر موجزن تھا۔ اسی موج میں اس نے کپڑے پر عیسائیت کی علامت صلیب بنائی اور اس کے کناروں کو ٹیڑھا کر دیا۔ اس کے بعد غور، غوض کے نتیجے میں صلیب کی موٹائی طے کی گئی اور جھنڈے پر سفید جگہ اور صلیب کے لیے جگہ مخصوص کی گئی۔ اس طرح ہٹلر پارٹی کا یہ نشان 1920 میں وجود میں آیا جو بعد میں نازیوں کی پہچان بن گیا۔

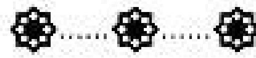
تاریخی اعتبار سے ہٹلر کے اس پارٹی نشان کو سواستک کہا جاتا ہے۔ سواستیکا کے اس نشان نے ملک کے طول، عرض میں ایک ایسے مقناطیس کا کام کیا جو اسے دیکھتا اس کے پیچھے چل پڑتا یا اس سے دہشت زدہ ہو جاتا۔ یہ آج بھی جرمن کا قومی نشان ہے۔ ہٹلر نے حکم دیا کہ آئندہ پاسبان فورس کے تمام اراکین بازوؤں پر اس نشان والی پٹی باندھا کریں گے۔ اپنے جلسوں کی حفاظت کے لیے ایک طرف تو ہٹلر نے پاسبان فورس تیار کر ڈالی تھی اور دوسری طرف اس میں جذبے کی روح پھونکنے کے لیے اپنی شعلہ بیانی کو کام میں لایا تھا۔ اس کی ولولہ انگیز تقریر اس کے پیروکاروں میں بجلی کی وہ لہر دوڑا دیتی تھی جس کی بدولت وہ مرنے مارنے پر تل جاتے تھے۔ ایسے ہی ایک جلسے میں اس نے اپنی پاسبان فورس کے کام کا امتحان لیا جب 4 نومبر 1921 کو جلسہ گاہ میں جلسہ سننے والے کم اور دنگا کرنے والے کثیر تعداد میں تھے۔ ہال کی سیکورٹی کے لیے صرف 46 پاسبان دستیاب تھے۔ مخالفین مکمل تیار تھے کہ آج سوشلسٹ پارٹی کے جلسے کی دھجیاں بکھیرنی ہیں اور سٹیج پر بیٹھے معزز افراد کے سر پھاڑنے ہیں تاکہ آئندہ یہ پارٹی کیمونسٹوں کے سامنے آنے کی جرات نہ کر سکے۔ ہٹلر کے حامی ان حالات میں سراسیمہ تھے، ہٹلر نے ہال میں قدم رکھتے ہی بھانپ لیا کہ آج تخت یا تختہ والی صورت حال ہے۔ اس نے ہال کے دروازے بند کروا کر اپنے پاسبانوں سے مخاطب ہو کر گرج دار آواز میں انہیں تنبیہہ کی کہ آج ان کا امتحان ہے۔ جو گڑبڑ کرے بچ کر نہ جائے ورنہ ہماری لاشیں ہی باہر جائیں گی۔ مخالفین پر اس کا رعب تو پڑ گیا تھا لیکن عددی برتری کے سبب انہیں میدان مارنے کا یقین تھا۔ جب جلسہ نقطہ عروج پر تھا، مخالفین کھڑے ہو گئے اور آزادی آزادی کے نعروں نے جلسے کی کارروائی روک دی۔ روکے جانے پر گالی گلوچ ہوئی اور کرسیاں چل گئیں۔ ہٹلر اپنی جگہ پر چٹان کی طرح جما اپنے پاسبانوں کی کارکردگی دیکھ رہا تھا۔ جلد ہی پاسبان فورس کے جوان بلوائیوں پر لپکے اور انہیں خاک، خون میں لوٹا دیا۔ ایک ایک جوان نے اپنی بساط سے بڑھ کر مقابلہ کیا اور میدان مار لیا۔ آدھے گھنٹے بعد ہٹلر نے جلسے کی کارروائی دوبارہ شروع کی اور پاسبان فورس کو ''طوفانی فوج'' کا اعزازی نام دیا۔

طوفانی فوج نے بارہا مواقعوں پر ہٹلر کے ہاتھ مضبوط کیے اور لیڈر پرستی کا حق ادا کر دیا۔ اسی جلسے میں ہٹلر نے اپنے 25 نقاط پیش کیے جو بعد میں اس کی پارٹی کا منشور بن گئے۔ اس طوفانی فوج کی وردی سلیٹی یا خاکی رنگ کی تھی۔

تاریخ کے اس موڑ پر اب ہٹلر کے سامنے بویریا میں اپنی پارٹی کا رسمی اعلان کرنا باقی تھا اس کی خواہش تھی کہ یہ اعلان حکومت بویریا کی طرف سے ہو لیکن حکومتی عہدوں پر قابض کیمونسٹوں اور سرمایہ داروں سے یہ توقع نہ تھی۔ کچھ کر گزرنے کا وہ لمحہ جو ہٹلر کو دوسروں سے ممتاز بناتا تھا پھر آ

گیا اس نے یہ کام بزور طاقت کرنے کا ارادہ کرلیا۔

جرمن معاشرہ متوسط اور غریب دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا جو ایک دوسرے کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے ان کے درمیان بڑھتی خلیج نے معاشرے میں انارکی اور بے چینی کا ماحول پیدا کرر کھا تھا۔ جس سے قومی اتحاد پارہ پارہ ہو رہا تھا۔ متوسط طبقہ جو اقتدار میں شریک تھا، غریب طبقے سے نفرت کرتا تھا جبکہ غریب طبقہ جس کی اکثریت مزدوروں پر مشتمل تھی، متوسط طبقے کو ظالم قرار دیتا تھا۔ ہٹلر نے ان طبقوں کے درمیان خوش کن اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ماحول پیدا کرنے کے لیے لائحہ عمل تیار کیا۔ اس نے دونوں طبقوں کی نظریاتی اساس (Ideological Base) سے مشترکہ نقاط لیکر ایسے اصول وضع کیے جو تمام طبقوں کے لیے قابل قبول تھے۔ ان اصولوں کے ذریعے اس نے منتشر جرمن قوم کو بلند نصب العین دیئے۔ یہ اصول اور نظریات ''نیشنل سوشلزم'' کہلائے۔



طاقت میں آنے کے بعد

طاقت میں آنے کے بعد، ہٹلر اپنے شدت پسند یہود مخالف جذبات کا کھلم کھلا اظہار کرنے کی پوزیشن میں آ گیا تھا۔ جرمنی کی یہودی کیمونٹی پر کاری ضرب اس وقت لگی جب قانون سازی کی ایک مہم ان کے خلاف شروع کی گئی جس کے تحت یہودیوں کو آہستہ آہستہ ان کے معاشرتی حقوق سے محروم کرنا تھا یہ مہم اس قانون کا منہ چڑاتی تھی جس کے تحت یہود کو جرمنی چھوڑنے پر آمادہ کرنا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب نازیوں کی تعصب اور نسل پرستی پر مبنی نفرت انگیز پالیسی یورپین اور جرمن یہودیوں کے وسیع پیمانے پر قتل عام کی بناء پر بے عملی کا شکار ہوتی نظر آئی کیونکہ یہود کے لیے ہجرت کا نقطہ عملی طور پر ناکام ثابت ہوا تھا۔

یہودیوں کا ردعمل تا حال پرسکون تھا، انہوں نے ہٹلر کے برسر اقتدار آنے پر کسی خاص بے چینی یا افراتفری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ 30 جنوری 1933 کو ایک یہودی اخبار میں چھپنے والے ایڈیٹوریل نے لکھا کہ ''جرمن یہود اپنا سکون اور امن، چین بالکل نہیں کھوئیں گے۔ وہ اپنے کالر کی نکٹائی سے لے کر سارے کے سارے سچے جرمن ہیں۔'' امید ظاہر کی گئی کہ نازیوں کی پالیسی ان کی دائیں بازو کی قومیت پر مبنی مخصوص سوچ تھی اور یہودیوں کے خلاف نفرت کا ایک مستقل رویہ نہ تھا۔ یہودیوں کے خیال میں طاقت میں آنے کے بعد نازی شدت پسند سوچ میں کمی آ جائے گی کیونکہ حکومتی ذمہ داریاں ان کی سوچ پر اثر انداز ہونگی۔ یہودی رہنماؤں کو یہ جان کر اطمینان تھا کہ حکومت میں صرف تین نازی ہٹلر، ہرمن گورنگ اور ولیم فلک شامل تھے۔ پچھلی جنگوں میں حصہ لینے والے یہودی فوجی بھی 4 اپریل کو ہٹلر کی رائخ چانسلری کے سربراہ ہینز لیمرز کو ملنے گئے اور اسے ایک یادگاری کتاب کی ایک جلد پیش کی جس میں ان بارہ ہزار یہودی فوجیوں کے نام تھے جنہوں نے پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کے لیے جانیں قربان کیں تھیں۔ ہٹلر نے ان فوجیوں سے ملنے سے انکار کر دیا۔ یہ دراصل تیسرے رائخ کی حکومت اور سینئر یہودیوں کی انجمنوں کے درمیان آخری سرکاری سطح کا رابطہ تھا۔ یہودیوں کے متعلق نازیوں کے ارادوں پر مبنی خطرناک شواہد سامنے آنے کے باوجود تاریخ کے ایک یہودی پروفیسر نے کہا کہ اس نے 1933 کے موسم گرما میں 1927 کے بعد نازیوں کو ووٹ دیا تھا، حالات بدحالی کی انتہا کو چھو رہے تھے لیکن بوڑھے وان ہنڈ برگ کے صدر کے دفتر میں موجود رہنے کی وجہ سے یہودیوں کو اصلاح احوال کا کچھ یقین تھا۔ کچھ کو امید تھی کہ نومبر 1932 سے نازیوں کو ملنے والے ووٹوں کی تعداد میں نمایاں کمی کا رجحان جاری رہے گا اور اقتدار میں نازیوں کا دورانیہ محدود ہی رہے گا۔ یہود خاندان جو صدیوں سے جرمنی میں مقیم تھے، انہوں نے غیر یہود اور نازیوں کے مخالف جرمنوں کی طرح خود کو سیکورٹی کے جھوٹے سچے نظریات کا قیدی بنا لیا تھا۔ انہی احساسات کے زیر اثر وہ خود کو جرمنی میں محفوظ تصور کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب ہٹلر جرمن چانسلر کی حیثیت سے مسند اقتدار پر بیٹھا تو یہودیوں کی توجہ یہودیوں کو درپیش ممکنہ خطرے کی بجائے کیمونسٹوں کی شورش کی طرف تھی۔

یہودیوں کی دکانوں کا بائیکاٹ

انہی دنوں نازی تحریک کا ایک حصہ (SA) Sturmabteilung کے متشدد ارکان پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ براؤن شرٹ پہنتے تھے اور مسلح ہونے کے سبب نازیوں کا پیرا ملٹری ونگ قرار دیے جاتے تھے۔ دشمن انہیں طنزاً ''براؤن کوڑادان'' کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ برلن کی گلیوں میں ہمیشہ یہودیوں اور کیمیونسٹوں کو زک پہنچانے کی تاک میں رہتے تھے جو ان کے ہتھے چڑھ جاتا اسے مارتے اور ذلیل کرنا ان کا شیوہ تھا۔ یکم اپریل 1933 کو نازی شہہ پر SA کے کارکنوں نے جرمنی بھر میں یہودیوں کی دکانوں کے بائیکاٹ کی مہم شروع کی۔ لیکن نازیوں کی رائے میں اس مہم کے نتائج مایوس کن تھے۔ عام جرمن یہودیوں کے دگرگوں معاشی حالات کے سبب ان کے ساتھ ہمدردی کے جذبات رکھتے تھے چنانچہ بہت سے جرمن بدستور یہودیوں کی دکانوں سے خریداری کرتے نظر آئے اور یہودیوں کی دکانوں پر پہلے کی طرح چہل پہل نے SA کے منفی ہتھکنڈوں کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔

تاریخ کے مطابق ہٹلر کا دکانوں کے مذکورہ بائیکاٹ میں براہ راست ہاتھ تھا۔ 29 مارچ کو ہٹلر نے کابینہ کے اجلاس میں ارکان کو یہ بات بتائی۔ بقول اس کے یہ فیصلہ نازیوں کے حامیوں کی طرف سے یہود کے خلاف جذبات کے اظہار کا ایک صحت مند طریقہ تھا۔ جب بین الاقوامی طور پر اس بائیکاٹ کے خلاف ردعمل سامنے آیا، جرمنی میں بسنے والے غیر ملکیوں نے شکایات کا اظہار کیا اور بین الاقوامی پریس نے اس پر تنقید کی خصوصاً امریکہ میں اس پر خوب لے دے ہوئی، تو نازیوں نے یہ کہہ کر اس واقعے پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی کہ یہ یہود مخالف جذبات کا ایک ''بے ساختہ ردعمل'' تھا۔ بہرکیف یہ ''بے ساختہ اظہار'' ناکام ہو چکا تھا۔ نازی اخبار نیشنل آبزور Volkischer Beobachter نے 3 اپریل 1933 کو لکھا کہ ہمبرگ شہر میں، یہودیوں اور کیمیونسٹوں کے ایک مشہور تجارتی مرکز میں، کچھ خریداروں نے ایک یہودی کی دکان میں خریداری کی کے لیے زبردستی گھسنے کی کوشش کی۔ ایسا لگتا ہے کہ جرمن شہریوں کے ذہنوں کو یہود مخالفت کے لیے مکمل طور پر واش نہیں کیا جا سکا تھا۔

دوسری طرف زیر زمین سارے جرمنی میں یہود پر ظلم، جبر کے لیے ماحول سازگار کیا جا رہا تھا، یہ بھی سچ تھا کہ 1933 میں ڈکاؤ (Dachau) میں پہلا نظر بندی کیمپ تعمیر کیا گیا جس میں کیمیونسٹوں اور سوشل ڈیموکریٹس کو قید کیا جاتا تھا۔ مشرقی یورپ کے یہودی وہ پہلے انسان تھے جنہیں ان نظر بندی کیمپوں میں بھیجا گیا۔ مورخ فرائیڈ لینڈر نے رقم کیا ہے کہ ہیسے (Hesse) کی ریاست میں SA کے کارکنوں نے مقامی جرمن باشندوں کی رضامندی سے یہودیوں کے گھر توڑے اور ان کے گھروں میں داخل ہوئے۔ عام یہودیوں کو قتل کیا گیا جبکہ پولیس نے کچھ نہ کیا۔ قانون کی حکمرانی درحقیقت 30 جنوری 1933 سے غیر موثر ہو گئی تھی اور یہودیوں کے لیے قانونی تحفظ نام کی کوئی چھتری موجود نہ تھی۔

قانونی حملہ

تاریخ کے مطابق اگر جرمنوں کی اکثریت نے یہود مخالف ''نقاط'' کو سمجھنے میں کچھ وقت لیا تو نازیوں نے قانون کو استعمال کرنے میں کچھ کسر اٹھا نہ رکھی تاکہ یہودیوں کو عام جرمن زندگی کے دائرے سے باہر رکھا جا سکے۔ بلاشبہ بدنیتی کے اس عمل کا آغاز اس وقت ہی ہو گیا تھا جب

یہودیوں کو قانون کے پیشے کی رکنیت لینے سے روکا گیا۔ مارچ 1933 میں یہودی ججوں کو ملازمت سے ریٹائر کر دیا گیا اور یہودیوں کو جیوریوں میں بیٹھنے سے روک دیا گیا۔ یہودی سابقہ فوجیوں کے ساتھ برتے جانے والے امتیازی سلوک نے صدر وان ہنڈبرگ کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجادی تھی اگرچہ یہود کے لیے ان کی پریشانی اور سوچ وہیں ختم ہوگئی تین روز بعد وان ہنڈبرگ نے ہٹلر کو نازیوں کے لائے اس قانون کی بابت لکھا جو اپریل 1933 کی سول سروس کے پروفیشنل سٹینڈرڈ کی بحالی کے متعلق تھا، اس قانون میں ایک شق تھی جس کے تحت یہودی سابقہ فوجیوں کے لیے سول سروس کے دروازے بند کردئے گئے تھے بلکہ دوسرے تمام یہود بھی جرمن سول سروس سے نکال دیے گئے تھے۔ ایسا قانون میں اس عبارت کو شامل کیے جانے پر ہوا جسے ''آرین پیراگراف'' کہہ کر پکارا گیا۔ اس پیراگراف کے تحت جرمن شہریوں کی ایک مخصوص تشریح کی گئی اور یہودیوں کو ''غیر آرین'' قرار دیکر نا قابل قبول قرار دے دیا گیا۔ اس قانون کے تحت یہودیوں پر جرمن ریاست میں ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

1920 کے NSDAP پروگرام کا چوتھا نقطہ جرمن بیوروکریسی کی مدد سے قانون میں شامل کیا گیا، جو نازیوں کے ساتھ تعاون کر کے خوشی محسوس کر رہی تھی۔ یہودیوں پر نازیوں کے قانونی حملوں کی رفتار اب بڑھ چکی تھی اور اس چڑھتے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے کوئی سیاسی اپوزیشن نہ تھی کیونکہ 1933 کے موسم گرما تک کمیونسٹ پارٹی پر مکمل پابندی عائد کی جا چکی تھی اور سوشل ڈیموکریٹک پارٹی تحلیل ہو چکی تھی جبکہ کیتھولک مرکزی پارٹی نے خود کو انتشار کے حوالے کر دیا تھا۔ ہٹلر نے 2 مئی 1933 کو آزاد مزدور یونینوں پر بھی پابند عائد کر دی تھی۔ اس کے بعد اس کا حکم آیا تھا کہ یوم مئی کو عام تعطیل ہوگی اور اس دن کو مزدوروں کے دن کی حیثیت حاصل ہوگی۔

اپریل 1933 میں یہودی بچوں پر ایک کوٹہ نافذ کیا گیا جس کے تحت سکولوں کی پانچ فیصد نشستیں ان کے لیے مخصوص کی گئیں۔ یہودی اساتذہ کو یونیورسٹی میں ان کی نشستوں سے برطرف کر دیا گیا اور یہودی وکلا کو پریکٹیس کرنے سے روک دیا گیا ہٹلر کے پروپیگنڈا منسٹر جوزف گوئبلز ثقافت کے نام پر ایک رائخ چیمبر کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ستمبر 1933 میں یہودیوں کو تھیٹر موسیقی کے شعبے اور فلم انڈسٹری کی ملازمت سے نکال دیا گیا۔

نیشنل پریس لاء میں ''آرین پیراگراف'' کے ذریعے یہودیوں کو بطور صحافی کام کرنے سے روک دیا گیا اور پھر یہ سلسلہ چلتا چلا گیا۔

نازی اس عمل کو آزادنہ اظہار رائے اور جمہوریت کو تباہ کرنے کا عمل (Gleichschalting) قرار دیتے تھے جبکہ جرمنوں کی زندگی کے ہر سیکٹر کو نازی بنایا جاتا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے، یہودیوں کی مخالفت کے خلاف شکایات کو زبان پر لانا ایک مجرمانہ فعل قرار دیا گیا، اس طرح یہودیوں کو مکمل طور پر ریاستی مشینری کے رحم، کرم پر چھوڑ دیا گیا جس کی باگ ڈور تعصب اور نسل پرست ہاتھوں میں تھی۔

ہجرت اور نقل مکانی کا آپشن

یہودیوں کو زندگی کے ہر شعبے سے نکالنے کے بعد نازیوں کا ارادہ یہودیوں کو جرمنی سے کلی طور پر نکال باہر کرنا تھا۔ اس سوچ کے تحت نازی یہودیوں کے لیے متبادل علاقوں کی تلاش کرنا شروع ہو گئے تھے جہاں یہود رہ سکیں۔ ایک ممکنہ جگہ فلسطین تھی جہاں 1917 کے بیلفور ڈیکلریشن کے

نتیجے میں یہودیوں کی آبادکاری کے لیے سرزمین کا انتخاب کیا گیا تھا۔ برطانوی سیکرٹری خارجہ آرتھر بیلفور نے اعلان کیا تھا کہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت ہوگی، اُس وقت تک ایک علیحدہ یہودی ریاست کے قیام کا کوئی حوالہ نہ تھا۔ البتہ صیہونی تحریک کی ایک سرکردہ شخصیت جیم وائیزمین (1814-1952) کے خیالات کے مطابق ایک یہودی ریاست یہودیوں کا آخری مقصد تھا، وہ یہودیوں کے تاریخی گھر میں ایک ریاست قائم کرنے کا خواہاں تھا۔

1917 میں فلسطین سلطنت (ترکی) خلافت عثمانیہ کا حصہ رہ چکا تھا اور پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر شکست خوردہ ترکی مشرق وسطیٰ میں اپنے تمام علاقے گنوا چکا تھا۔ برطانیہ نے 1920 میں لیگ آف نیشنز کے تحت فلسطین کا علاقہ حاصل کر لیا جس سے تمام علاقے پر عملاً برطانوی کنٹرول تھا، ایسا تب تک تھا جب تک فلسطینی اپنی خودمختار حکومت قائم کرنے کے قابل نہ ہو جاتے۔ لیکن یہ مسئلہ اس قدر سیدھا سادہ نہ تھا، برطانیہ نے یہودیوں سے ان کے علیحدہ وطن کے لیے وعدہ کر کے مقامی عرب آبادی سے دشمنی مول لے لی تھی اور علاقے میں تناؤ کی کیفیت جنم لے چکی تھی۔ اس دوران پہلی جنگ عظیم کے بعد آنے والوں سالوں میں ہزاروں یہودی نقل مکانی کر کے فلسطین یا اسرائیل (جیسا یہودا سے پکارتے تھے) کی طرف ہجرت کر چکے تھے یا کر رہے تھے۔

نازیوں کے لیے یہ صورت حال ان کی من پسند تھی وہ جرمنی چھوڑنے کے بدلے فلسطین کے لیے یہودی ایجنسی کے ساتھ معاملات طے کرنے کے لیے تیار تھے، جس کے نتیجے میں یہودیوں نے فلسطین میں آباد ہونا تھا۔

ہوارا کے معاہدے

اگست 1933 میں فلسطین کے لیے بنائی گئی یہودی ایجنسی جس نے اس علاقے میں یہودی آبادکاری کو ممکن بنایا تھا، نے جرمنی کی معاشی امور کی وزارت کے ساتھ کچھ معاہدے فائنل کیے۔ ان معاہدہ جات کی رو سے جنہیں "ہوارا معاہدے" کہا گیا، اگر جرمن یہودی فلسطین کے لیے نکلتے ہیں تو وہ ایک مخصوص رقم یہودی ٹرسٹ کمپنی میں ادا کریں گے۔ فلسطین پہنچنے پر آدھی رقم انہیں فلسطینی پاؤنڈز میں واپس لوٹا دی جائے گی اور باقی کی آدھی رقم یہودی ایجنسی جرمن اشیاء کی خریداری کے لیے استعمال کرے گی جس سے جرمن معیشت کو فائدہ پہنچے گا۔ عموماً جن یہودیوں نے نازی جرمنی سے نقل مکانی کی، وہ اپنے ساتھ اپنی جمع پونجی نہ لے جا سکے تھے لیکن مالی مفاد کے حصول اور جرمن یہودیوں سے چھٹکارا پانے کے لیے، نازی قوانین میں لچک کے لیے بھی تیار تھے۔

اس عمل کے ذریعے ہٹلر نے ثابت کیا کہ وہ جرمنی کے معاشی مفاد کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا، اس نے بڑے فخر سے دعویٰ کیا کہ کالونی طاقت برطانیہ یہودیوں کو فلسطین سے باہر رکھنا چاہتا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہودی قابو سے باہر ہو جائیں جبکہ ہٹلر نے یہودیوں کو وہاں جانے میں مدد کی۔ وہ یہودی جنہوں نے 1930 کے دوران جرمنی سے فلسطین کی طرف ہجرت کی، خوش قسمت ٹھہرے۔

مڈگاسکر منصوبہ

جرمن یہودیوں کے مسئلے کے حل کی ایک دوسری نازی سکیم مڈگاسکر منصوبہ تھا۔ اس منصوبے کی بازگشت 1938 اور 1940 کے درمیانی عرصے میں نازی قیادت کے ایوانوں میں سنائی دی گئی۔ منصوبے کے مطابق افریقہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ واقع مڈگاسکر جو فرانسیسی نوآبادیاتی جزیرہ تھا، میں یہودیوں کے لیے ایک ''جگہ'' تیار کرنا تھا۔ نازی پولیس چیف ہائیزک ہملر اس خیال سے متفق نظر آتا تھا، مئی 1940 میں اس نے ایک خط کے ذریعے ہٹلر کو اس سکیم کے فوائد کے متعلق لکھا اور امید ظاہر کی کہ بڑے پیمانے پر افریقہ یا کسی اور کالونی کی طرف یہودیوں کی نقل مکانی سے جرمن سرزمین سے ان کا نام نشان مٹ جائے گا۔

مڈگاسکر آپشن میں ایک مسئلہ جزیرے کی جغرافیائی لوکیشن کا تھا جنگ کے موقع پر، سمندروں پر برطانوی تسلط اس منصوبے کی افادیت کو مشکوک بنا دیتا تھا۔

ہٹلر اور ہملر کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ جرمنی 1940 کی فوجی مہم میں فرانس کو شکست دے سکے گا اور مڈگاسکر تو تھا ہی فرانسیسی کالونی کیا ایسی سکیم کے لیے فرانس کا تعاون حاصل ہو سکے گا؟ ہملر اور اس کے ساتھی ایسے مسائل میں دلچسپی لیتے نظر نہیں آتے تھے۔ بہرحال یہودیوں کو جرمنی سے نکالنے کے ہر منصوبے کو رائخ کے اندر ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

نیورمبرگ قوانین

یہود پر قانونی حملہ اس وقت نقطہ انتہا پر پہنچ گیا جب نیور بمرگ میں نازی پارٹی 1935 کے اجتماع کے موقع پر نیور بمرگ قوانین منظور کیے گیے۔ یہ قوانین اس وقت منظور کیے گئے جب فضا میں یہودیوں کے خلاف اٹھائے اقدامات کے خلاف آوازیں اٹھ رہی تھیں اور یہ آوازیں حکومتی حلقوں میں سے آ رہی تھیں مثال کے طور پر اگست 1935 میں وزیر خزانہ ہیلمر ساشے نے یہود کے خلاف غیر ذمہ دارانہ رویے پر شکایت کی، وزیر داخلہ ولیم فرک نے ریاستی حکومت کو خط لکھا کہ یہود کے خلاف کسی بھی غیر قانونی اقدام کے خلاف پولیس کو مداخلت کرنے کا حکم دیں۔ ایسا کوئی حکم نامہ جاری نہ کیا گیا کیونکہ نازیوں کو خوف تھا کہ کوئی ایسا حکم دینے سے یہودیوں کے خلاف نفرت کی لہر میں کمی آئے گی۔ البتہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہیلمر ساشے نے ایسا بیان دیا اور اس پر اس کا مواخذہ بھی نہیں کیا گیا۔ نازیوں کا جرمنی سے یہودیوں کو نکالنے کا منصوبہ البتہ بغیر کسی روک ٹوک کے چلتا رہا۔

لوسی ڈیوڈوز لکھتا ہے کہ نیور بمرگ قوانین نے جرمنی کے یہودیوں کی قسمت پر مہر ثبت کر دی۔ ان قوانین کے نتیجے میں ''نسلی صفائی'' کو قانونی طور پر ہر جرمن کے لیے لازمی قرار دے دیا گیا اور آرین اور نان آرین کے درمیان شادیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ یہود کو جرمن انتخابات میں ووٹ کا حق استعمال کرنے سے روک دیا گیا اور Reich Citizenship Law کے تحت انہیں جرمن شہریت سے محروم کر دیا گیا۔ اَب وہ صرف تیسرے رائخ کی رعایا تھے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں جرمن یہودی جن کے خاندان صدیوں سے جرمنی میں آباد تھے، حقیقتاً اپنے ملک میں ہی بغیر ریاست کے لوگ بن گئے۔

ہٹلر کے نسلی اور جنسی اقدامات نے نیورمبرگ قوانین پر واضح اثر ڈالا۔ یہودیوں کو "غیر" اور اجنبی قرار دیکر جرمن جھنڈا استعمال کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اسی طرح "نسلی طور پر واضح" کو ہی جرمن شہری قرار دیا جاتا، صرف جرمن خون کو جرمن شہریت کا سرٹیفکیٹ دیا جاتا چنانچہ یہودی اب سے جرمن شہری نہ رہے تھے۔ ہٹلر کے خیال میں یہود جرمن نسل کا پراپیگنڈہ کرنے کا باعث تھے۔ آرین اور غیر آرین کے درمیان شادی کے علاوہ تعلقات رکھنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ کوئی یہودی 45 سال سے کم عمر جرمن خاتون کو ملازم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس حکم کا مقصد اس خطرے کی روک تھام تھی جس کے تحت یہودی مرد کسی جواں سال جرمن دوشیزہ کو جنسی طور پر بہلا پھسلا کر اپنے بچے کی ماں نہ بنا سکے۔

نیوربرگ قوانین میں بہت سی ایسی پیچیدہ شقیں شامل کی گئیں تھیں جو اس بات کی تحقیق کرتی تھیں کہ کون یہودی تھا اور کون نہیں تھا۔ قانون کے تحت تین درجے بنائے گئے تھے۔

(1) یہودی (2) پہلے درجے کا آدھا یہودی (3) دوسرے درجے کا یہودی

یہودی کی تعریف کچھ یوں کی گئی: ایک ایسا شخص جس کے تین یہودی پردادا یا پردادی ہوں، وہ بھی جن کے دو یہودی پردادی پردادا ہوں۔ اس کا تعلق یہودی مذہبی کمیونٹی سے ہو یا بعد میں شامل ہوا ہو یا جس نے کسی یہودی سے شادی کی ہو۔ پہلے یا بعد میں۔ ہر وہ جو صرف 1/8 یا 1/16 یہودی ہو، اس کا مطلب ہے اس کا پردادا اور پردادی اور لکڑ دادا اور لکڑ دادی اگر یہودی ہوں تو قانونی لحاظ سے جرمن تصور ہوگا۔ نازیوں نے نسلی درجے بندی کا پروگرام مزید جاری رکھا۔ یہودیوں میں بھی ایسے یہودی تھے جو مکمل یہودی نہ تھے یعنی آدھے یہودی (Mischling) جن کے دو پردادا اور پردادی تھے، جن کی شادی کسی یہودی سے نہیں ہوئی تھی یا وہ مقامی گروہ کا رکن نہ تھا، ایسے درجے والے یہودی کو پہلے درجے کا یہودی قرار دیا گیا۔ جس یہودی کا تعلق ایک نسل کے پردادا اور پردادی سے تھا اسے دوسرے درجے کا یہودی قرار دیا گیا۔ ایک شخص کے درجوں میں فرق کا مطلب زندگی اور موت کا فرق تھا۔

نیورمبرگ قوانین کے ذریعے یہودیوں کو جرمن معاشرے کی عام رکنیت سے محروم کر دیا گیا تھا۔

ایک سرکاری حکم نامے کے ذریعے یہ عمل دسمبر 1935 کے آخر تک مکمل ہو گیا، یہودی پروفیسر اساتذہ اور طبیب جو ابھی تک سرکاری ملازمت میں تھے کیونکہ انہوں نے ابتدائی قوانین سے استثنیٰ حاصل کر رکھا تھا، انہیں بھی برطرف کر دیا گیا۔

نیوربرگ قوانین کے اثرات

سال 1935 کے نازی اعداد و شمار کے مطابق، کم و بیش 75000 جرمنوں کو پہلے اور دوسرے درجے کے "آدھے یہود" کے درجے میں شمار کیا گیا۔ 4,75,000 کو مکمل یہودی قرار دیا گیا جو اپنے دین پر مکمل عمل پیرا تھے اور جو مذہبی عبادت میں باقاعدگی سے حاضری دیتے تھے۔ 300,000 لاکھ مکمل یہود کہے گئے جو ایسا نہیں کرتے تھے۔ اس طرح 1/2 ,1 ملین (15 لاکھ) کی ایک مجموعی تعداد ابھر کر سامنے آئی جن کی رگوں میں کسی نہ کسی درجے کا یہودی خون دوڑ رہا تھا۔ یہ تعداد 1935 میں کل جرمن آبادی کا 2.3 فیصد تھی۔

دوسری اقلیتیں

جرمن خون اور غیرت کے تحفظ کے قانون کی زد میں عوام کے اقلیتی گروپ بھی آئے اور امتیازیت کا نشانہ بنے، یہ سب کچھ نیور برگ قوانین کا ایک حصہ تھا۔ 15 ستمبر 1935 کو یہ اعلان کیا گیا کہ کوئی جرمن کسی "غیر" خون کے ساتھ شادی یا جنسی تعلقات استوار نہیں کر سکے گا۔ کچھ دنوں بعد، وزارت داخلہ نے ایسے لوگوں کو خانہ بدوش، کالے حبشی اور ان کے حرامی (ناجائز) بچے قرار دیا۔

نیورمبرگ قوانین سے استثنیٰ

جہاں جرمنوں کو موزوں لگتا تھا وہاں نازی اپنی پالیسیوں کو شعوری درجے پر لے آتے تھے اور کئی کو نیور برگ کالے قوانین سے مستثنیٰ قرار دے دیتے تھے۔ ایسا ایک کیس ساوٴل فرائیڈ لینڈر کی طرف سے سامنے آنے پر ہوا جب ہوائی فوج کے ایک سرکردہ آفیسر جنرل آرہرڈ ملچ کو ادارے کا آئی جی بنایا گیا۔ وہ دوسرے درجے کا Mischling یہودی تھا، اسے آرین میں دوبارہ شامل کیا گیا زیادہ امکان ہے کہ ہٹلر نے بذات خود یہ فیصلہ کیا۔ ہملر کے نائب رائین ہارڈ ہیڈرچ کے یہودی النسل ہونے کی افوائیں پھیلیں لیکن اس کے معاملے میں تمام متعلقہ کاغذات پراسرار طور پر غائب ہو گئے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ نہ ہی ہٹلر اور نہ اس کے سرکردہ نازی "اصل اور سچے جرمن" تھے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی جرمنی میں پروان نہیں چڑھے تھے۔ ہٹلر آسٹرین باشندہ تھا۔ ہٹلر کا نائب روڈولف ہیس 1941 تک مصر میں پروان چڑھا نازیوں کا پروپیگنڈا ماہر الفریڈ روزنبرگ ایسٹونیا سے آیا، والٹر ڈیرے وزیر خوراک وزراعت کی تعلیم انگلستان میں ہوئی جبکہ ہٹلر کا نوجوانوں کے امور کا رہنما بالدروان شیراک امریکی شہریت حاصل کرنے کا اہل تھا کیونکہ اس کی ماں امریکن تھی۔ ان افراد نے نازی جرمنی میں نسل پرستی کے اثرات کو بڑے منظم انداز میں پروان چڑھایا۔

آسٹرین ماڈل

ایک طرف جہاں جرمنی میں تیسرے رائیچ کے دورِ اقتدار میں نازی یہودیوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کرنے بلکہ تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے دوسری جانب وہ یہودیوں کو جرمنی سے مکمل طور پر نکال باہر کرنے پر مصر نظر آتے تھے۔ مارچ 1938 میں جرمنی نے آسٹریا پر قبضہ جما لیا۔ یہ ہٹلر کا ایک پرانا خواب تھا کہ اس کا وطن (آسٹریا) اور جرمنی ایک (Union Anschluss) ہو جائیں۔ آسٹریا پر جرمن قبضے سے ہٹلر کی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی۔ آسٹریا میں اچھی خاصی یہودی آبادی تھی اور اس آبادی نے جرمن یہودیوں کے لیے ایک ماڈل کا کام کرنا تھا کہ وہ بھی جرمنی چھوڑ دیں۔

آسٹریا اور جرمن یونین کا پہلا اور فوری نتیجہ یہودیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی ایک نئی تحریک کی شکل میں سامنے آیا۔ اس تحریک کا مرکز آسٹریا کا دارالخلافہ ویانا تھا۔ اس شہر میں یہودیوں کی ایک بڑی آبادی مقیم تھی۔ SA نامی تنظیم کے ارکان بوڑھے یہودیوں سے شہر کی نالیاں صاف کرواتے تھے، اس کے لیے انہوں نے یہودیوں میں چھوٹے سائز کے برش تقسیم کیے ہوتے تھے، وہ صفائی کرتے تھے اور ویانا کے لوگ انہیں دیکھ کر ہنستے اور آوازیں کستے تھے۔



1938ء میں مذاق اُڑاتے ہجوم کے سامنے ویانا کی گلیاں صاف کرتے یہودی

دوسرے یہودیوں کو مارا پیٹا جاتا اور ان کے گھر آسٹرین نازی ٹھگ لوٹ لیتے تھے، یہودیوں کے کاروبار تباہ و برباد کر دیے گئے۔ نازیوں کی طرف سے جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی کہ وہ 1,90,000 آسٹرین یہودیوں کو ہراساں کریں اور ان کا جینا دوبھر کر دیں۔ حالات اس قدر قابو سے باہر ہو گئے کہ 17 مارچ کو ہیڈرچ کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ ان نیشنل سوشلسٹوں کو گرفتار کرنے کی دھمکی دے جنھوں نے یہودیوں کے خلاف پچھلے چند روز میں بڑے پیمانے پر اور انتہائی غیر منظم حملے کیے، اس وارننگ کے بعد یہودیوں کے خلاف جاری دنگا فساد کم پڑ گیا۔ آسٹریا میں ہونے والے یہ واقعات اس بات کا پیش خیمہ تھے کہ جو 1938 میں بعد میں جرمنی میں ہو سکتا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد آسٹرین عوام نے خود کو تیسری رائخ کا شکار بننے پر ترجیح دی۔ یہ بات جزوی طور پر درست تھی، مکمل طور پر نہیں۔ ہٹلر خود آسٹرین تھا۔ S S کے کئی سرکردہ ارکان جیسے شنڈ شافل اور ایڈولف آئیکمین جیسے بدنام زمانہ قاتل خود آسٹرین تھے۔ 1938 میں آسٹریا میں یہود مخالف واقعات کی سنگینی کے پس منظر میں وہ پروپیگنڈا کارفرما تھا جو کارل لیوگر اور گسٹ وان شونیر کی طرف سے پہلی جنگ عظیم سے قبل کیا گیا تھا۔ اس پروپیگنڈے نے یہودیوں کے خلاف نفرت اور غصے کو ہوا دی تھی۔ اگرچہ آسٹرین سوشل ڈیموکریٹس نے جمہوریت کے لیے آواز بلند کی تھی جبکہ آسٹرین جنگ میں دائیں بازو کی سیاسی قوتیں غیر جمہوری، نسل پرست اور فاشسٹ تھیں، دائیں بازو کی فتح کے بعد، 1938 کے یہود مخالف واقعات کی پیش گوئی کی جا رہی تھی۔ ایک مورخ کے خیال میں، مارچ 1938 میں یہود مخالف لہر جرمنی کی طرف سے آسٹریا کو ضم کرنے کے اعلان کے ساتھ ہی یکدم اٹھی۔ جب ہٹلر فتح کے بعد ویانا پہنچا تو اس کا تاریخی استقبال کرنے والوں نے یہ ظاہر کیا کہ آسٹریا میں یہودیوں کی مخالفت کو ایک اچھی پالیسی کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ اس طرح ایک ناکام آرٹسٹ جو 1913 میں ویانا چھوڑ گیا تھا، کی طرف سے یہود مخالف کٹر خیالات کو اس کے وطن میں مکمل پذیرائی مل رہی تھی۔

ایک یہودی کا تجربہ

کوئی قلم بھی اس دور کے حالات وواقعات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے جب نازیوں نے یہود مخالفت پر کمر باندھ رکھی تھی اور یہود کو ہر طرح کے سماجی، سیاسی، معاشی، انسانی مسائل سے دوچار کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ پہلے انہیں اپاہج بنایا گیا پھر ٹھوکریں ماری گئیں لیکن اگر اس دور کی یادوں پر مبنی لوگوں کی یادداشتیں مل جائیں تو وہ اس بات کا پتہ دیں گی کہ نازیوں کے مظالم نے عام یہودیوں اور ان کے خاندانوں کو کس طرح متاثر کیا تھا۔

ایسا ہی ایک تجربہ وکٹر کلیمپیر نامی شخص کی تحریر کردہ ڈائری سے حاصل ہوا ہے۔ کلیمپیر ایک جرمن یہودی تھا جس نے عیسائیت اختیار کر لی تھی لیکن عیسائی مذہب اختیار کرنے کے باوجود اسے کوئی تحفظ حاصل نہ ہو سکا جو ایک مرتبہ یہودی کا لیبل لگنے پر وہ کھو چکا تھا۔ شعبے کے اعتبار سے مذکورہ شخص ڈریسڈن میں پروفیسر تھا۔ دوسروں کی طرح اس کو بھی امید تھی کہ ابتدائی زیادتیوں کے بعد نازی مظالم کا دور ماضی کا حصہ بن کر دھندلا ہو جائے گا۔ کلیمپیر بھی دوسرے جرمن یہودیوں کی طرح جرمنی کو اپنا ملک اور وطن تصور کرتا تھا اور ہمیشہ وہیں رہنے کو ترجیح دیتا تھا اگرچہ اسے کئی مرتبہ ملک چھوڑنے کے مواقع میسر آئے۔ اپنی ڈائریوں میں وہ نازیوں کے نسلی تعصب کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ نازیوں نے یہودی کی زندگی کے ہر پہلو پر اپنا منفی تاثر چھوڑا۔ حتیٰ کہ ٹوتھ پیسٹ کی ایک ٹیوب جو مقامی کیمسٹ کی دکان سے دستیاب تھی، اُس پر بھی سواستیکا کا نشان تھا جو جبر اور نسل پرستی کی علامت تھا۔ یہودیوں کو ہیبر و زبان لکھنے پر مجبور کیا گیا جبکہ وہ صرف جرمن زبان جانتے تھے۔ بنیاد پرست یہودیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ گوشت کے لیے سپلائی ڈنمارک سے لیں، اس سے بھی خراب صورت حال یہودیوں کا سماجی بائیکاٹ کرنے کی نازی پالیسی تھی۔

کلیمپیر ز کو اس کے ساتھیوں اور سابقہ دوستوں کی طرف سے نظر انداز کیا گیا۔ وہ آخر کار ڈائری میں لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ جو نازی ازم کا ازلی دشمن نہیں ہے وہ میرا دوست نہیں ہے، جب تک اس نے مذکورہ الفاظ رقم کیے، فرار ہونے کے لیے شاید کافی دیر ہو چکی تھی۔ کلیمپیر دوسرے جرمن یہودیوں کے ساتھ نازیوں کے ہتھے چڑھ کر ظلم کا شکار ہو گیا۔

جو یہودی جرمنی میں رہ گئے تھے۔ وہ اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ 20 ویں صدی کے یورپ جیسے مہذب معاشرے میں کوئی ایسا نسلی تعصب پر مبنی نظام بھی آ سکتا ہے۔ وہ بھول گئے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ مزید بدقسمتی یہ تھی کہ 1933 سے قبل جرمن یہودی جرمن معاشرے کے صف اول کے شہریوں میں سے تھے گو کہ انہیں دائیں بازو کے سیاسی ونگ کی طرف سے تعصب اور نفرت کا سامنا تھا، لیکن برطانیہ اور فرانس میں بسنے والے یہودیوں کی نسبت ان کے حالات بہتر تھے وہ نہ جانتے تھے کہ دنیا کی اس سٹیج پر ان کا شمار مظلوموں میں ہونے والا ہے۔

آئندہ اسباق میں ہم مرحلہ وار اس بات کا جائزہ لیں گے کہ:

1- کیا خونیں قتل عام (Holocaust) ایک لمبی اور باقاعدہ منصوبہ بندی کا شاخسانہ تھا یا ہٹلر کی یہودیوں کو ختم کرنے کی ایک سوچ تھی۔ اگر یہ سوچ تھی تو کب سے ہٹلر کے دماغ میں پنپ رہی تھی۔ بہت سے مورخین نے اس سوچ کی جنم بھومی تلاش کرنے کے لیے 1920 کے سال میں لکھی جانے والی ہٹلر کی خودنوشت Mein Kampf اور 1933 میں اقتدار میں آنے کے بعد اس کی تقریروں سے یہود مخالف

سوچ کا بیج تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ایسے مورخین تاریخ میں Internationalists کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

-2 کیا قتل عام جنگی حالات میں مختصر دورانیے کے لیے لگائی گئی ایمرجنسی تھی جس نے اس سانحے کو جنم دیا؟ 1942 تک یورپین یہودیوں کی ایک کثیر تعداد نازیوں کے قبضے میں آ گئی تھی۔ بہت سے مورخین بلکہ نازیوں کا بھی خیال تھا کہ یہ اسی صورت حال کا ردعمل تھا۔ نازی اس قتل عام کے لیے ''آخری حل'' (Final Solution) کے الفاظ ادا کرتے تھے۔

-3 اس آخری حل پر عمل درآمد کے فیصلے کا نقطہ آغاز کیا تھا؟ کیا اس فیصلے کا ہٹلر کے جون 1941 میں سوویت یونین پر حملے کے ساتھ تعلق تھا؟

کرسٹل نائٹ (Kristallnacht)

پچھلے صفات میں 1933 میں ہٹلر کے اقتدار میں آنے کے بعد، یہودیوں پر نازیوں کے ان مظالم کا تذکرہ تھا جو قانون کی آڑ لے کر کیے گئے۔ البتہ 1938 سے قبل، یہودیوں کے خلاف پرتشدد واقعات نسبتاً چھوٹے پیمانے پر تھے اور یہ SA کے بھوری قمیضوں والوں کی طرف سے ایک مخصوص طریقے سے کیے گئے تھے۔ نازیوں کے نقاد ایسے activists کو ''براؤن کوڑا دان'' کہتے تھے۔

9 نومبر 1938 کی رات کو سب تبدیل ہو گیا۔ اس رات کو کرسٹل نائٹ کا نام دیا گیا کیونکہ اس رات یہودیوں کی جائیدادوں کی کھڑکیوں کے شیشے سلامت نہ بچے تھے، ان کی کرچیاں آنے والے حالات و واقعات کا عندیہ دے رہی تھیں۔ یہ سلسلہ ایک یہودی کی طرف سے ذاتی انتقام کے ایک عمل سے شروع ہوا اور اس کا اختتام ریاست کی پشت پناہی سے یہود مخالف دنگا فساد پر ہوا۔ سارے جرمنی میں یہودیوں کی ملکیتوں کو نشانہ بنایا گیا۔ ذاتی بدلے اور انتقام کا واقعہ 7 نومبر 1938 کو پیرس فرانس میں پیش آیا جب ہرشل گرینز پین نامی ایک سترہ سالہ یہودی نے ایک جرمن سفارت کار پر گولی چلا دی۔ اس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی ہو گیا۔ اس سفارت کار کا نام ووم ریت تھا اور وہ ایک عرصے سے گسٹاپو نازی خفیہ پولیس کی زیر نگرانی تھا، اس وقت تک اس پر شبہ تھا کہ وہ ہٹلر مخالف مزاحمتی تحریک کا رکن تھا۔ گرینز پین کا یہ اقدام جرمن حکومت کی اس پالیسی کا ردعمل تھا جس کے تحت سترہ ہزار یہودیوں کو جرمن پولینڈ سرحد پر نہایت ابتر حالات میں رکھا گیا تھا۔ ایسا اس لیے کیا گیا تھا تاکہ پولینڈ حکومت کو یہودیوں کے جرمن سے پولینڈ میں دوبارہ داخلے پر پابندی سے روکا جا سکے۔ ان یہودیوں میں سے دو گرینز پین کے والدین تھے۔

ووم ریت زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے 9 نومبر کو جان کی بازی ہار گیا۔ اس خبر کے سنتے ہی SA اور NSDAP کے اراکین نے جرمنی بھر میں یہودی املاک پر کھلم کھلا حملے شروع کر دیے۔ ان کی جائیدادیں تباہ کر دیں گئیں اور گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ یہودی مرد، عورتوں اور بچوں پر حملے کیے گئے۔ صرف برلن شہر میں 36 یہودی مار دیے گئے اور ان کی 191 عبادت گاہوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ جرمنی بھر میں ہلاک ہونے والے یہودیوں کی تعداد 91 اور تباہ شدہ کاروبار 7,500 تھے۔ اس سے بھی زیادہ تباہ حال اور پریشان وہ نفوس تھے جن کی تعداد تاریخ 30,000 یہودی بتاتی ہے۔ وہ Buchenwald، Dachau اور Sachsenhausen کے نظر بندی کیمپوں میں مقید تھے۔ یہودیوں کے بارے میں نازی پالیسی میں تبدیلی کا وقت شاید آن پہنچا تھا۔

کرسٹل نائٹ واقعے کی ذمہ داری

میں اپنا لہو کس کے دامن پر تلاش کروں۔ نازی انتظامیہ نے کرسٹل واقعے کو ایک عوامی ردعمل قرار دیا جو دوم ریت کی موت کی خبر پر آناً فاناً برپا ہوا۔ ہٹلر نے البتہ ان دونوں المناک واقعات پر عوامی اجتماعات میں لب کشائی بالکل نہ کی۔ S.S چیف ہائیزک ہملر کے مطابق دراصل امن (Peace) کو بکھیڑ کر (Piece) ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے عمل کی پشت پناہی وزیر پروپیگنڈا جوزف گوئبلز کے سر نظر آتی ہے۔ ہملر کو گوئبلز کا سیاسی حریف قرار دیا جاتا تھا۔ اس بات پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ گوئبلز کی میونخ میں 9 نومبر کی تقریر نے جرمنی کے طول، عرض میں آگ لگا دی اور یہودیوں کی جان، مال محفوظ نہ رہی۔ اس انقلابی تقریر کے پیچھے ہٹلر کی خفیہ تھپکی (Approval) ضرور موجود رہی ہوگی۔ بہرکیف ہٹلر کی ٹیم کے تین یہود مخالف عناصر گوئبلز، ہملر اور ہملر کے ڈپٹی چیف رائین ہارڈ ہیڈرچ کے درمیان مخالفت کی خلیج وسیع ہو رہی تھی۔ وہ تینوں ہٹلر کی نظر میں یہود کے مسئلے پر روشن خیال اور انقلابی تھے۔ کرسٹل نائٹ کے اس واقعے نے مزکورہ تینوں افراد کو کسی نہ کسی شکل میں فائدہ پہنچایا۔ اس واقعے کے نتیجے میں اتنا شیشہ ٹوٹ کر بکھر گیا جتنا شیشہ بلجیم میں سالانہ تیار کیا جاتا تھا۔ بلجیم ہی وہ ملک تھا جہاں سے جرمنی اپنی ضرورت کا شیشہ درآمد کرتا تھا۔ اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے ہٹلر کے معاشی منصوبہ بندی کے روح رواں ہرمن گورنگ کا کہنا تھا کہ کرسٹل نائٹ کی تباہی یہود کی تباہی نہیں بلکہ میری تباہی ہے۔ یاد رہے کہ ہرمن گورنگ ہٹلر کے چار سالہ معاشی منصوبے کا خالق تھا جس کا مقصد جرمن معیشت کو "خود کفیل" بنانا تھا۔ یہ منصوبہ 1936 میں شروع کیا گیا تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ گورنگ کی معاشی منصوبہ بندی میں یہودیوں کا صفایا شامل تھا، اس کے معاشی منصوبوں میں یہودیوں کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس واقعے کے بعد اس نے اپنے منصوبے پر عمل درآمد کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔

کرسٹل نائٹ کے بعد

12 نومبر 1938 کا دن تھا جب گورنگ نے نازی رہنماؤں کے ایک عام اجلاس میں اپنے معاشی پلان سے پردہ اٹھایا۔ اصولی طور پر جرمن انشورنس کمپنیوں کو تباہ شدہ یہودی املاک کا ہرجانہ ادا کرنا تھا۔ اجلاس میں یہ طے کیا گیا کہ اگر جرمن کمپنیوں نے اپنی ساکھ برقرار رکھنی ہے تو انہیں نقصانات کی تلافی کرنا پڑے گی۔ گورنگ نے اس اصولی معاہدے کا مذاق اڑاتے ہوئے ایک متبادل تجویز پیش کی کہ جرمن حکومت ادائیگیوں کے کرنے کا حکم دے اور جب یہودی یہ رقم وصول کر لیں تو وہ رقم ضبط کر لی جائے کیونکہ تباہ شدہ عمارتوں کے نقصان کو پورا کرنے اور دوبارہ تعمیر کے لیے یہ رقم ان پر واجب الادا بنتی تھی۔ اس تجویز سے گورنگ کی یہود دشمن کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسی روز 12 نومبر 1938 کو گورنگ نے ایک سرکاری فرمان جاری کیا جس کے تحت جرمنی کی یہودی رعایا کو ان کے جارحانہ رویے کی پاداش میں ایک بلین مارکس (جرمن سکہ) بطور جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی روز ایک اور سرکاری حکم نامہ جاری کیا گیا جس میں یہودیوں کو جرمنی کی معاشی زندگی سے باہر نکال دیا گیا۔ انہیں روزمرہ تجارت، جرمنی کمپنیوں کے انتظام و انصرام، اشیاء اور خدمات کی لین دین اور ہنرمند کی حیثیت سے ملازمت کرنے سے روک دیا گیا۔ المختصر جرمنی کی معاشی زندگی میں ہر قسم کی عملداری اور حصہ لینے سے منع کر دیا گیا۔

نومبر 1938 کے مہینے میں بہت سے مزید اقدامات اٹھائے گئے۔ان اقدامات کا تانا بانا بننے کے پیچھے گوئبلز اور ہیڈرچ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ یہودی بچوں کے ریاستی سکولوں میں داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی اور مقامی حکومتی مشینری کو یہودیوں پر کرفیو کا حکم صادر کرنے کی اجازت دیدی گئی۔آنے والے مہینے میں، 12 نومبر کے اجلاس میں گوئبلز کی یہ درخواست ہٹلر نے قبول کر لی کہ یہودیوں کا عوامی مقامات جیسے سینما ہال، تھیٹر اور ساحلِ سمندر میں داخلے پر پابندی لگا دی جائے۔کرسٹل نائٹ کے واقعے کے بعد پیش آنے والے حالات، واقعات میں یہود مخالف تحریک نے مزید زور پکڑ لیا اور ماحول میں اشتعال انگیزی کے عنصر میں خاصا اضافہ ہو گیا۔نازیوں کی یہود مخالف پالیسی میں کرسٹل نائٹ کے واقعے کو ایک اہم موڑ قرار دیا جاتا ہے۔

تاریخی بحث

لوسی ڈیوڈوز جیسی مورخ 1920 کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے ''آخری حل'' کے پس منظر میں بلیو پرنٹ کا نظریہ پیش کرتی ہے۔اپنی بات کے حق میں دلیل دیتے ہوئے وہ اس پروگرام کو جسے عرف عام میں یہود مخالف انتقام کہا گیا، کا شاخسانہ 1920 سے جا ملاتی ہے۔بقول مورخ، اس پروگرام نے نیشنل سوشلسٹ گورنمنٹ کو یہ بہترین موقع فراہم کیا کہ وہ یہودیوں کے خلاف اپنا کھیل کھل کر کھیل سکے۔اس پروگرام کی آڑ لیکر یہودیوں کی مکمل بے دخلی اور ان کی آزادی کے مکمل خاتمے جیسے اقدامات اٹھائے گئے۔اس کے برعکس مارٹن برونیٹ اور ہانز موسن جیسے Structuralist مورخین اس بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں کہ 1941 سے قبل یہود مخالف پالیسی کے ضمن میں نازیوں کا کوئی باقاعدہ منصوبہ موجود تھا۔موسن ہٹلر کو ''کمزور ڈکٹیٹر'' قرار دیتا تھا۔جو گوئبلز، ہملر اور گورنگ جیسے طاقتور نازیوں کے درمیان گھرا ہوا تھا اور وہ اپنی طاقت اور اثر رسوخ بڑھانا چاہتے تھے۔موسن کے اس بیان نے جرمنی بھر میں خاصی شہرت ملی۔اگر زیادہ افراد کی اقتدار تک رسائی کے ماڈل کو مان بھی لیا جائے یعنی ایک ایسا سسٹم جس میں اقتدار طاقت کے حریف مراکز میں منقسم ہو، تو کرسٹل نائٹ کا واقعہ تیسرے رائخ میں طاقت کے حصول کی پس پردہ جدوجہد کا کھلا اظہار تھا جس میں ہٹلر کی شخصیت نہایت کمزور نظر آتی ہے۔مورخین کی یہ جماعت اس بات کو تسلیم کرنے کو قطعی تیار نہیں ہے کہ ہٹلر اتنی طاقت اور بالغ نظری کا حامل تھا کہ وہ یہودیوں کی تباہی کے لیے لمبی منصوبہ بندی کر سکتا۔یہ بات اہم ہے کہ ہم عصر مورخین اتنے کھلے بندوں حکومتی اقدامات کی طرف انگلی نہیں اٹھاتے تھے جیسے ڈیوڈ ووز، موسن اور بروزیٹ نے 1970 کے دوران کیا۔البتہ آیان کرشا جیسے مورخین کی ایک جماعت بھی تھی جو ہٹلر کی حکمت عملی کی مرکزی اہمیت کو تسلیم کرتی تھی بلکہ جنگی ماحول کی تلخیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہالوکاسٹ کے ارتقاء کو اسی کا ردعمل قرار دیتی تھی۔اس طرح یہ مورخین دونوں نقطہ ہائے نظر کی پیروی کرتے تھے۔اس پیچیدہ بحث میں، واقعاتی شہادت اکثر مبہم نظر آتی ہے۔جیسا کہ اولین سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ کرسٹل نائٹ کے واقعے پر ہٹلر نے اپنا منہ بند رکھا اور عوامی سطح پر ایک لفظ بھی نہ کہا اور نہ کوئی بیان جاری کیا البتہ پروپیگنڈا کی وزارت کے ایک افسر نے بتایا کہ جب گوئبلز نے اپنے منصوبوں پر مبنی پروگرام کے بارے میں ہٹلر کو بتایا تو Fuhrer نے مسرت سے کندھے اچکائے اور جوش میں اس کی کمر تھپتھپائی۔رویہ اس بات کا کھلا اظہار تھا کہ مذکورہ پروگرام کے لیے اسے ہٹلر کی مکمل حمایت حاصل تھی۔کیا یہ فرض کیا جا

سکتا ہے جیسا Structuralists مورخین کرتے ہیں کہ ہٹلر کی باقاعدہ اجازت کے بغیر اتنے بڑے واقعے کا وقوع پذیر ہونے کا مطلب تھا کہ فیصلہ سازی میں ہٹلر مکمل طور پر شریک نہ تھا۔ آخری تجزیے میں گورنگ کا کہنا تھا کہ فیوہرر Fuhrer کو ہی فیصلہ سازی کا اختیار تھا۔ چنانچہ دہشت اور نسل کشی پر مبنی یہود مخالف نازی پالیسیوں کا منبع ہٹلر کی ذات اور اس کا کردار تھا۔ اس پر مزید بحث اگلی سطور میں جاری رہے گی۔ اسی اثناء میں رونما ہونے والے حالات کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں۔



1938ء میں ایڈولف ہٹلر ہائنرچ ہملر کے ساتھ۔ ہملر SS تنظیم کا سربراہ تھا
اور یورپ میں یہودیوں کے خاتمے کی پالیسی پر عملدرآمد کا ذمہ تھا

ہجرت یا بیدخلی کا آپشن

1938 کے اختتام تک، نازی یہودیوں کو جرمنی کی روزمرہ زندگی کی گہما گہمی سے نکالنے میں موثر حد تک کامیاب ہو چکے تھے۔ اس کا مطلب سماجی اعتبار سے یہودیوں کو مفلوج کر دینا تھا۔ 12 نومبر 1938 کے اعلیٰ سطح اجلاس میں بھی جیسا RSHA (Reich سیکورٹی ہیڈ آفس) کے سربراہ ہیڈرک نے نوٹس لیے کہ یہودیوں کو جرمنی سے نکال دیا جائے۔ اجلاس میں تجویز پیش کی گئی کہ وہ ریت کے قتل پر عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اور یہودیوں کو جرمنی سے رضا کارانہ طور پر ہجرت کا آپشن دیا جائے بصورت دیگر ان کیلئے جرمنی کی زمین تنگ کر دی جائے اور جینا دوبھر کر دیا جائے۔ 1933 سے یہی پالیسی نازی حکومت کا محور تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہجرت کم اور بیدخلی زیادہ تھی۔

ہیڈرک نے آسٹریا میں حکام کو ہونے والے تجربے کی طرف اشارہ کیا جس کے نتیجے میں خوش کن اور اطمینان بخش نتائج حاصل ہوئے تھے۔ مارچ 1938 کے حکم نامے (Anchluss) کے ذریعے آسٹریا کو بزور طاقت جرمن رائخ میں شامل کر لیا گیا تھا۔ ان خیالات کے تناظر میں ہیڈرک کو نازی دور میں یہود مخالف پالیسی کے حامیوں میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا تھا۔ Anchluss کے بعد کے دور میں S S رہنما ایڈولف آئیکمین بھی یہود مخالف دہشت ناک پالیسی کے اجرا میں اُبھر کر سامنے آیا تھا اور نتائج بھی توقع کے مطابق تھے۔ 1938 کے مارچ اور ستمبر کے مہینوں کے درمیان، 45,000 آسٹرین یہودیوں کی ایک کثیر تعداد کو اپنے مادر وطن کو چھوڑنے پر ''آمادہ'' کر لیا گیا اور ایک لاکھ کے بارے میں خیال تھا کہ وہ ستمبر 1939 کی دوسری جنگ عظیم کے چھڑنے سے قبل ایسا ہی کریں گے۔ آسٹرین یہودیوں کی یہ ہجرت سنگین مجرمانہ اور ظلم وستم کے نتیجے میں ممکن ہوئی تھی۔ جنگ سے قبل نازی سوچ ویانا کی نسبت انتہائی سخت تھی۔ ہیڈرک نے بیوروکریسی کے ان ہتھکنڈوں کی بھی تعریف کی جو آئیکمین نے یہودیوں کے ساتھ روا رکھے تھے۔ آئیکمین نے سب سے پہلے ایک مرکزی دفتر قائم کیا جس کا کام یہودی انخلا کی نگرانی کرنا تھا۔ اس کے بعد اس نے یہودی مذہبی کمیونٹی کی قدیم جماعت کو دوبارہ قائم کیا، اس مقصد کے لیے اس نے کیمپوں یا جیلوں میں سے یہودی رہنماؤں کو آزاد کیا تھا اور ان کے ساتھ مشاورت کی تھی۔ ان یہودی رہنماؤں نے ظلم وستم کے اس ماحول میں نازیوں کا ساتھ دینا کیونکر منظور کر لیا، تاریخی اعتبار سے یہ نقطہ متنازعہ رہا ہے۔ کچھ مورخین اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہودیوں کی چونکہ مشکیں کسی ہوئی تھیں اور وہ ایک ناممکن صورت حال سے دوچار تھے۔ اس لیے ان کے سامنے نازیوں کے ساتھ تعاون کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ اپنی سطح پر آئیکمین نے اپنے ساتھی یہودیوں کو آسٹریا چھوڑنے پر آمادہ کرنے کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا۔ اس بات پر شک وشبے کی گنجائش کم ہی ہے کہ یہ یہودی رہنما تعاون کے لیے مجبور، بے بس تھے اور انہیں دہشت زدہ کر دیا گیا تھا۔

آسٹریا میں آئیکمین کے تجربے نے تیسرے رائخ کے لیے ایک ماڈل کا کام کیا۔ جنوری 1939 میں ہیڈرک نے ''گورنگ کی جانب سے اتھارٹی موصول کی جس کے تحت ہیڈرک کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ یہودی انخلاء کے لیے تیار رہیں۔ ہیڈرک کے لیے یہ سوال حل طلب تھا کہ نقل مکانی کرنیوالے یہودی جائیں تو جائیں کہاں؟ مغربی جمہورتیں یہودیوں کے اس جم غفیر کو لینے اور آباد کرنے میں اتنی دلچسپی اور جوش وخروش نہیں دکھا

رہی تھیں۔ جبکہ یہودیوں کو جو صدیوں سے جرمنی میں مقیم تھے، انہیں دیس نکالا دیا جا رہا تھا۔ ہیڈرک کے مسئلے پر نازیوں کو متفرق جوابات کا سامنا تھا۔ ان کے سامنے دنیا کے تین مقامات تھے۔

1- فلسطین 2- مڈگاسکر 3- پولینڈ

1- فلسطین

1933 میں نازیوں نے فلسطین میں قائم یہودی ایجنسی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا اس معاہدہ کو تاریخ میں اسے ''ہوارا معاہدہ'' کہا جاتا ہے۔ برطانیہ نے لیگ آف نیشنز میں ایک تحریک پیش کی تھی جس کے تحت جرمن یہودکو فلسطین میں آباد کرنے کی اجازت بین الاقوامی برادری کے سامنے رکھی تھی لیکن آسٹریا اور 1938 میں چیک سرزمین کے جرمنی کے ساتھ الحاق کے بعد اب غیر جرمن یہود بھی جرمن اتھارٹی کے ماتحت چلے آئے تھے۔

2- مڈگاسکر

نومبر 1938 میں ہٹلر نے گورنگ سے جرمنی سے یہود کو نکال کر مڈگاسکر کے جزیرے پر بھیجنے کی بات کی تھی۔ مڈگاسکر افریقہ کے مشرق ساحلی علاقوں کی طرف واقع تھا۔ اس تجویز کو کوئی باقاعدہ تجویز کا درجہ حاصل نہیں تھا کیونکہ مڈگاسکر تب فرانسیسی کالونی تھا اور فرانس کے ماتحت تھا۔ تاریخ کے ریکارڈ پر ایک بات اور موجود ہے کہ امریکی صدر ایف ڈی روز ویلٹ نے یہودیوں کو پرتگالی انگولا بھیجنے کے خیال کی حمایت کی تھی اور حالات اسی نہج پر چل رہے تھے۔ ہٹلر نے جنوبی افریقہ کے وزیر دفاع سے بات چیت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''کسی روز'' یہودی یورپ سے غائب ہو جائیں گے۔ المختصر مڈگاسکر منصوبہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ 1940 کے موسم گرما میں جرمنی نے فرانس کو میدان جنگ میں شکست دی۔ اب جرمنی کے سامنے دو نظریات تھے جن پر چل کر وہ موجودہ صورت حال سے باہر آ سکتا تھا۔ اول تاج برطانیہ کے ساتھ میل جول اور دوطرفہ دوستانہ تعلقات اور دوم دونوں ملکوں میں 1940 میں تجویز کردہ امن معاہدہ کی بحالی جو کبھی کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ ہالوکاسٹ کے مورخین کا کہنا ہے کہ مڈگاسکر میں نازیوں کی دلچسپی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہٹلر نے دوسرے نازی رہنماؤں جیسے ہملر کے ساتھ خود بھی مڈگاسکر منصوبے کو 1938 اور 1940 کے درمیانی عرصے میں سنجیدگی سے لیا۔ اس ثبوت سے اس بات کی کھوج ملتی ہے کہ ہٹلر کی خواہش تھی وہ ''یہودی مسئلے میں'' دوسرے ممالک کو بھی شریک کر کے اس مسئلے کا پائیدار حل تلاش کر سکے۔

3- پولینڈ

ابتدائی سطور میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ پولش یہود کو 1938 میں جرمن پولش سرحد پر ''نو مین لینڈ'' کی طرف دھکیل دیا گیا تھا۔ ایسا کرسٹل نائٹ کے واقعے سے قبل ہوا تھا۔ نازیوں کی دلچسپی پولینڈ میں یوں تھی کہ انہیں اندازہ تھا کہ یہود آبادکاری کے لیے پولینڈ بھی ایک ممکنہ جگہ ہو سکتی تھی۔ اکتوبر 1939 میں آئیکمین کو احکام موصول ہوئے کہ نازی کی طفیلی ریاست بوہیمیا، موریویا (سابقہ چیکوسلوا کیہ کا علاقہ جس پر مارچ 1939

میں جرمنی نے بزورقوت قبضہ کرلیا تھا) اوراپر سیلیسیا (سابقہ پولش علاقہ جسے ستمبر 1939 میں پولینڈ پر فتح کے بعد جرمنی نے ہتھیا لیا تھا) میں بسنے والے یہودیوں کوملک بدر کردیا جائے یہود آبادکاری کے لیے پولش شہرلبلن کے نزدیک دریائے سین پرنسکو کے قریب جگہ تلاش کرلی گئی ہے۔ابھی اس آپریشن نے شروع کیا ہی جانا تھا کہ سابقہ احکامات کی منسوخی کا پروانہ پہنچ گیا۔ برلن سے حکم دیا گیا کہ یہودیوں نے کہاں جانا ہے اس کا فیصلہ وہ حسب سابق خود کریں گے۔ پالیسی میں اچانک تبدیلی کی وجہ اگست 1939 کا نازی سوویت معاہدہ تھا جس کے ساتھ پولینڈ کی تقسیم کی گئی اور سوویت قبضے والے علاقے سے جرمنوں کی ایک کثیر تعداد جرمن قبضے والے علاقے کی طرف آگئی۔ نازیوں کے لیے نسل پرست جرمن زیادہ عزیز تھے چنانچہ یہود پالیسی پس پشت ڈال کر جرمنوں کو فوقیت دی گئی۔

نازیوں کے سامنے سب سے بڑا سوال اب یہ تھا کہ ''ناپسندیدہ'' یہودیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ یہ مسئلہ 1939 اور 1941 کے درمیان پولینڈ اور روس میں جرمن فوجی فتوحات کے بعد سب سے بڑا سر درد تھا۔ گورنگ کی طرف سے تجویز آئی کہ امیر ترین امریکی اور کینیڈین یہودیوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ یہودی کی دوبارہ آبادکاری کے لیے شمالی امریکہ میں زمین خرید کردیں۔ لیکن عملی طور پر یہ تجویز شاید قابل عمل ثابت نہ ہوئی۔ نومبر 1938 اور 1941 کے آخری موسم گرما کے درمیان یہودیوں کی ہجرت بلکہ بید خلی ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کی ترجیحات میں اولین ترجیح نظر آتی ہے۔

30 جنوری 1939 کی ہٹلر کی تقریر

1939 کے اوائل میں جب ہٹلر کے نزدیکی ساتھی یہودیوں کے ساتھ روا سلوک کو ایک حتمی شکل دینے کے طریقوں پر غور کر رہے تھے۔ ہٹلر نے Reichstag میں ایک دھواں دار تقریر کی جس کی اہمیت کے اعتبار سے ہر مورخ نے اس کا باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔

چند روز قبل ہٹلر نے چیک وزیر خارجہ کو بتایا تھا کہ ہم یہودیوں کو تباہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے جو کام 9 نومبر 1918 کو کیا وہ اس کا بدلہ دیے بغیر ایسے ہی نہیں جا سکتے۔ ان الفاظ نے ہٹلر کی ذات کے اندر چھپے یہود مخالف جذبات کا راز فاش کر دیا۔ بہت سے جرمنوں کی طرح ہٹلر کو یقین تھا کہ یہودیوں اور بولشیوک نے 1918 میں مادر وطن کے ساتھ دھوکہ کیا تھا جس کی بدولت جرمنی جنگ عظیم اول ہار گیا تھا۔ وہ تہیہ کیے ہوئے تھا کہ وہ ایسا دوبارہ نہ ہونے دے گا۔

انہی خیالات کی بنیاد پر ہٹلر نے 30 جنوری 1939 کی اپنی تقریر میں خبردار کیا کہ یورپ اور غیر ممالک میں مقیم یہودیوں کے بین الاقوامی فنانس کنسورشیم (Jewry) نے اگر پھر دنیا کو ایک جنگ عظیم کی طرف دھکیلا تو اس کا نزلہ یورپ میں بسنے والے یہود پر گرے گا اور ان کی نسل کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ قطع نظر اس کے کہ جرمنی جنگ عظیم میں فتح مند ہوتا ہے یا نہیں، ہٹلر نے اس سیاسی فلسفے کا تذکرہ کیا یا نہیں، یہودیوں کی قسمت کا فیصلہ بہر کیف ہو چکا تھا، موت ان کا مقدر ٹھہر چکی تھی۔ بقول مورخ مائیکل ماروس، ہٹلر نے بظاہر نہ تبدیل ہونے والے فیصلے پہلے بھی کیے تھے لیکن بعد میں ان کو تبدیل کر لیا تھا۔ اس کے ذہن میں چلنے والی ارتعاش نگری میں ہونیوالی تبدیلیوں کی مشہور مثالیں میونخ کانفرنس سے قبل 1938 میں رونما ہوئیں جب ہٹلر نے بیان داغا کہ وہ چیکوسلواکیا کو بزور قوت تباہ کر دے گا لیکن دو ماہ بعد ہی ہٹلر نے ایک غیر حتمی حل قبول کر لیا، اس فیصلے نے جس کے تحت جرمن زبان بولنے والوں کی اکثریت کے علاقہ سوڈیٹن لینڈ کو چیک ریاست سے الگ کر دیا گیا، چیکوسلواکیہ کو کمزور ضرور کیا لیکن تباہ نہ کیا۔ ماروس اس فرق پر روشنی ڈالتا ہے کہ جو ہٹلر نے کہا اور جو اس نے کیا۔ لیکن ہٹلر کی دھمکی کو قبول کرنے کی ایک اور وجہ یہ بنتی ہے کہ "اگر ہٹلر کے جرمنی کو جنگ عظیم میں شکست بھی ہو گئی تو وہ یہودیوں کو اپنے ساتھ تباہی کے گڑھے میں لیجائے گا۔" یہ الفاظ جو اس نے ادا کیے پورا کر کے بھی دکھائے۔ Structuralists سوچ کے حامل مورخین اس بات پر زور دیتے نظر آئے ہیں کہ جرمن فتح کی صورت میں یہودی مسئلے کو ایک بڑا آسان حل مل جاتا جس میں یہودیوں کی وسیع پیمانے پر بیدخلی (یا ہجرت) شامل تھی۔ ہولوکاسٹ پر تحقیقی کھوج کے اس عمل میں سب سے بڑی مشکل کا اندازہ قول فعل کے اس تضاد کے پس منظر میں ہوتا ہے کہ ہم ہٹلر کی تقریروں کو کس قدر سنجیدگی سے لے سکتے ہیں جبکہ "میری جدوجہد" اس کے بعد لکھی گئی۔

نسل کشی کا فیصلہ

1940 کے موسم گرما تک تاج برطانیہ کے ساتھ معاملات کے طے ہونے میں ناکامی نے مڈگاسکر پلان پر ناکامی کی مہر ثبت کر دی تھی۔ اس ناکامی کی وجہ مقامی نازی رہنما گیٹو (Ghetto) حل کو ناپسند کرتے تھے۔ جس کی رو سے یہودیوں کو وارسا اور لوز جیسے پولش شہروں میں پابند کرنا تھا۔ اس تناظر میں نازی اس دیرینہ مسئلے کے کسی اور ہی حل پر غور و فکر کر رہے تھے۔ نازی رہنماؤں کو کیمپوں میں یہودیوں کی ابتر حالت اور سیکورٹی سے غرض و واسطہ نہ تھا۔ وہ بس اس مسئلے کا حل چاہتے تھے جس کے لیے وہ یہودیوں کے پولینڈ کے دو شہروں کی طرف انخلا کی بجائے دوسرے ممکنہ

آپشنز کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ مقبوضہ پولینڈ کے مقامی نازی رہنماؤں(Gauliter) نے ان ممنوعہ علاقوں میں یہودیوں کی ایک کثیر تعداد کو زبر دستی دھکیلے جانے کے بارے میں شدت سے شکایت کی۔ سال 1941 کے کسی موڑ پر یہودیوں کے وسیع پیمانے پر قتل عام کے پروگرام نے نازیوں کے ذہن میں جنم لیا اور اس منصوبے نے یورپ سے یہودیوں کے انخلا کے نظریے پر سبقت لے لی۔ ہملر SS تنظیم کا کرتا دھرتا بخوبی آگاہ تھا کہ بڑے پیمانے پر گیس مارنے کی ٹیکنالوجی دستیاب تھی، خودساختہ ''آپریشن یوتھینیسیا'' میں اسے آزمایا بھی جا چکا تھا۔ اس بدنام زمانہ آپریشن میں ستر ہزار بیمار اور معذور افراد جو ہسپتالوں میں موت سے جنگ لڑ رہے تھے، ایک جھٹکے میں قتل کر دیے گئے۔ اس آپریشن پر عمل درآمد 1941 کے اوائل میں ہوا لیکن ابھی تک گیس کا قاتلانہ استعمال نہ کیا گیا تھا ایسا سال کے اختتام پر کیا گیا۔

سوال یہ ابھرتا ہے کہ کس مخصوص موقع پر یورپین یہودیوں کے منظم قتل عام کا فیصلہ کیا گیا۔ مورخین نے اس موضوع پر یوں اظہار خیال کیا ہے۔ ڈیوڈوز مثال کے طور پر دلیل پیش کرتا ہے کہ ایسا اہم ترین فیصلہ دسمبر 1940 اور مارچ 1941 کے درمیانی عرصے میں کیا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ باربروسہ آپریشن اور جنگ کے دوران ہونے والی بدنظمی نے ہٹلر کو فراہم کر دیا کہ وہ یہود کے قتل کے ارتکاب پر پردہ ڈال سکے۔ بقول مورخ جنگ اور یہود کا صفایا ایک دوسرے پر منحصر تھے۔ یاد رہے کہ باربروسہ (Barbarosa) آپریشن جون 1941 میں روس پر جرمن حملے کا کوڈ نام تھا۔

ڈیوڈوز کی دلیل میں دو نقص پائے گئے ہیں۔ یہود کا منظم قتل عام یا تو اس کی تیاریاں 1941 کے موسم خزاں تک شروع نہیں ہوئیں تھیں اس کے 3 ماہ بعد آپریشن باربروسہ شروع کیا گیا جب ڈیوڈوز یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جنگ کا مقصد ہولوکاسٹ پر پردہ ڈالنا تھا۔ ماروس نے دریافت کیا ہے کہ کیا نازی اجتماعی پیمانے پر قتل عام کے لیے اتنا لمبا عرصہ انتظار کریں گے؟ روس میں جنگ کے ابتدائی دنوں میں نازیوں نے اجتماعی شوٹ ڈاؤن کے طریقے کو پسند کیا تھا۔ اس اجتماعیت میں صرف یہودی ہی شامل نہ تھے بلکہ روسی خانہ بدوش (جنہیں نازی کمتر قرار دیتے تھے) اور پولینڈ کے باشندے بھی شامل تھے۔

یہ کام ان ٹاسک فورسز (Einsatzgrupper) کو سونپا گیا۔ یہ سپیشل قاتل گروہ اپنے کام میں بھرپور مہارت رکھتے تھے، ان کا کام مشرقی یورپ میں پیش قدمی کرتی جرمن فوج کے عقب میں کارروائیاں کرنا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ یورپین یہودیوں کی قسمت کے متعلق دو فیصلے کیے گئے ایک فیصلہ مارچ 1941 کے اوائل میں کیا گیا جس کے تحت روسی یہود کو ختم کرنا تھا اور دوسرا فیصلہ شاید ستمبر 1941 میں کیا گیا جس میں تمام یورپین یہود مار دیے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔

انتقام کی لہر

ڈیوڈوز کے مطابق یہود مسئلے پر فیصلہ سازی میں تقسیم اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے کیونکہ اس کے خیال میں جنگ نے ہٹلر کو موقع فراہم کیا کہ وہ یہود کو ختم کرنے کی خواہش کو عملی جامہ پہنا سکے۔ ایک دوسرے Internation مورخ اندریس ہل گروبر ڈیوڈوز کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتا ہے کہ روس پر ہٹلر کی چڑھائی کے پیچھے یہود کے قتل کی پرانی خواہش کا بھی تعلق ہے۔ جبکہ بروزیٹ اور موسمن جیسے Structuralist مورخین فیصلہ سازی میں امتیازیت کو اہم ترین قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں جنگ کے دباؤ تلے اور مشرقی محاذ پر جرمن فوجوں کو پہنچنے والے نقصانات کے ردعمل کے

طور پر یہودیوں کے خلاف نازی مہم زور پکڑتی گئی۔اس کے علاوہ علاقائی نازی رہنماؤں کی طرف سے پے در پے شکایات موصول ہو رہی تھیں کہ ان کے ماتحت یہودیوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔اس رستے زخم کا ''حتمی حل'' انتقام کی شکل میں ابھر کر سامنے آ گیا،اس کا تعلق مشرقی محاذ پر بولشویک کے نظریے کے خلاف ہٹلر کی نظریاتی جنگ سے بھی وابستہ نظر آتا ہے۔ہٹلر کی کمیونزم پر لعن طعن جسے وہ اکثر صیہونیت کا ساتھی قرار دیتا تھا، کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔

Structuralist تھیوری کے مطابق نازیوں نے یہود مسئلے کے حتمی حل کی تاریخی غلطی کی طرف پیش قدمی کی۔ایک خامی کی ممتاز جرمن مورخ کارل ڈائیٹرچ بریکر نے یوں نشاندہی کی ہے کہ تاریخی فیصلہ سازی میں ذمہ داری کے فقدان نے نیشنل سوشلزم کو گھٹیا اور ہلکے پن کے خطرے سے دوچار کر دیا۔یہ نقطہ نظر ہمیں ہولوکاسٹ کے متعلق ہٹلر کی ذمہ داری کے اہم نقطے کی طرف واپس لیجاتا ہے۔ایک شدت پسند نقطہ نظر جو دائیں بازو کے برطانوی مورخ ڈیوڈ ارونگ نے 1970 کی دہائی میں پیش کیا کہ چونکہ ایسی کوئی دستاویز موجود نہیں ہے جس پر Fuhrer کے دستخط ہوں اور جو ثابت کرے کہ اس کے ذریعے یہودی مسئلے کے ''حتمی حل'' کا حکم دیا گیا چنانچہ اس کا مطلب ہے کہ ہٹلر ایسے کسی حکم کے بارے میں لاعلم تھا۔یہ نقطہ نظر بذات خود بحث طلب ہے کہ ہٹلر نے بعض احکام زبانی دیئے۔یہ ایک ایسی ٹیکنیک تھی جو اس زمانے میں اس کے ماتحتوں کو معلوم تھی کہ یہ Fuhrer کی ''خواہش'' ہے۔ایک دوسرا نقطہ نظر میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ حتمی حل کے حکم سے قبل اگر ہٹلر 1941 کے موسم گرما میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا تو کیا صورت حال ہوتی۔اس سوال پر فلپ برن کی حال ہی میں کی گئی تحقیق کے مطابق،حالات کو ہولوکاسٹ کے قالب میں ڈھلنے کے لیے ہٹلر جیسے لیڈر کی ضرورت تھی۔

موت کے کیمپوں کی راہ گزر

یہودیوں کے سلگتے مسئلے کے حتمی حل کی بحث ایک لمبا اور پیچیدہ موضوع ہے لیکن اس بحث سے ایک کھوج لگانے کی کوشش کی جا سکتی ہے کہ دراصل کیا ایسا ہوا کہ تاریخ میں ہولوکاسٹ کے نام سے ایک نیا باب کھل گیا اور اگر ہوا بھی تو کیوں ہوا۔جب مورخین اس نقطے کو آگے بڑھاتے ہیں تو سڑکوں کے کنارے آویزاں بڑے بڑے اشتہار ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے جن کو پڑھ یا دیکھ کر یہودیوں کی نسل کشی کی ترغیب دی جاتی تھی۔یہ اشتہارات بلواسطہ یا بلا واسطہ طور پر جرمن فوج اور خفیہ ایجنسی S S کی جانب سے لگوائے گئے تھے۔ان ہورڈنگز میں ایک حکم جرمن فوج کے لیے تھا جس میں روس میں یہودیوں اور جرمن مخالف مزاحمت کاروں کے خلاف سخت اور پرزور اقدامات اٹھانے کا حکم دیا گیا تھا اس کے بعد جرمن حملہ شروع ہو گیا جس میں خاص طور پر سوویت کمیونسٹ پارٹی کے سیاسی امور کے متعلقہ افسروں کے خلاف بھی ایکشن شامل تھا۔یہ حکم نامہ 6 جون 1941 کو جرمن ہائی کمانڈ کی طرف سے جاری کیا گیا اس کے بعد گورنگ کی طرف سے ہیڈرک کیلئے ایک بدنام زمانہ حکم آیا جس میں ہیڈرک سے یہودی مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل کرنے کا کہا گیا تھا۔

جرمن صفوں کے عقب میں ٹاسک فورسز یہودیوں کو اجتماعی طور پر گولی سے اڑا دینے کے طریقے کو غیر تسلی بخش قرار دے رہی تھیں۔ہملر کو یہ سوچ لاحق تھی کہ اس کے لوگ اس مسئلے پر خاصے حساس تھے۔بہر حال 1941 کے موسم خزاں کے آنے تک نازیوں کے پاس اجتماعی ہلاکتوں کے کئی

طریقے دستیاب تھے۔ بہر کیف یہ بات یاد رکھنا اہم ہوگا کہ مشرقی یورپ میں لاکھوں یہودا جتماعی طور پر گولی سے اڑا دیے گئے تھے اس طرح موت کے کیمپوں میں ''ساکن اموات'' کا منصوبہ شروع کیا گیا۔

ستمبر 1941ء کی بات ہے جب ٹاسک فورس C کے زیر استعمال ایک ٹرک تھا جس میں شکاروں کو مارنے کے لیے اعصاب شل کر دینے والی گیسوں کے سلنڈر لائے جاتے تھے۔ آئیکمین کی سوچ یہ تھی کہ کاربن مونو آکسائیڈ گیس کا استعمال کیا جائے اور اس وقت کیا جائے جب شکار شاور کے نیچے کھڑے نہا رہے ہوں۔ اجتماعی گیسوں سے دوچار کرنے کے لیے اور تباہی کے کیمپوں (Vernichtungslager) کی تعمیر کی جگہ کے تعین اور استعمال ہونے والے طریقے (ٹیکنالوجی) کا انتخاب ہونا باقی تھا۔

موت کا پہلا کیمپ پولینڈ میں چیلمینو کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ یہود کو گیس مار کر ہلاک کرنے کا عمل 8 دسمبر 1941 کو شروع ہوا۔ اس مقصد کے لیے اعصاب کو تھکا دینے والی گیس ویگنوں سے استعمال کی گئی۔ اسی دوران سربیا میں سملن کے مقام پر یہودیوں کو ہلاک کرنے کے لیے گیس ٹرک استعمال کیے گیے۔ یاد رہے کہ مارچ 1941 میں جرمن یوگوسلاویہ پر فوجی حملہ کر چکا تھا اور سربیا کا علاقہ اس کے زیر تسلط تھا۔ بقول مورخ ڈیوڈ وز جرمن فوج یہودیوں کا قلم قلع کرنے کے معاملے میں بدنامی کی حد تک مستعد تھی۔



جرمنی فوجی 1941 میں ایک جنگل میں انسانوں کا شکار کھیلتے ہوئے

موت کا اس سے اگلا کیمپ بلذک کے مقام پر فروری 1942 میں قائم کیا گیا۔ یہ جگہ بھی پولینڈ میں واقع تھی اس سال جس انداز سے یہودیوں کا اجتماعی قتل عام کیا گیا وہ پولینڈ بھر میں سوبی بار، مدانک اور ٹربلنکا جیسی جگہوں پر مزید کیمپ کھولنے کا سبب بنا۔

وان سی کانفرنس

20 جنوری 1942 کو ہیڈرک نے برلن شہر کے نواح میں وان سی کے مقام پر ایک کانفرنس کا انعقاد کیا۔ RSHA کے مرکزی دفتر وان سی

کے مقام پر تھے۔ کانفرنس میں وزارت داخلہ، انصاف اور وزارت خاجہ نے اپنے نمائندے شرکت کے لیے بھجوائے تھے جبکہ نازیوں کی اعلیٰ ترین قیادت میں سے صرف ہیڈرک بنفس نفیس موجود تھا۔ ان کے علاوہ مشرق سے مقبوضہ علاقوں کے کل 13 افراد کانفرنس میں موجود تھے۔

مورخین وان سی کانفرنس کو" آخری حل" کے پروگرام پر عمل درآمد کے ضمن میں فیصلہ سازی میں اہم قرار دیتے ہیں ایک بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہود کو گیس سے ہلاک کرنے کا عمل کانفرنس سے قبل شروع ہو چکا تھا۔ کانفرنس میں زیادہ وقت مخلوط شادیوں کے معاملے میں یہودی پارٹنرز کی حیثیت کے موضوع پر بحث کی گئی کانفرنس کا درپردہ مقصد نازی حکومت کے مختلف شعبوں کے درمیان یہودیوں کے حساس مسئلے پر تعاون کو بڑھانا تھا کیونکہ ان کا فوکس ایک ہی تھا یعنی یورپین یہودیوں کا اجتماعی قتل۔

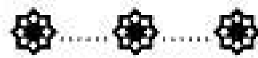
مندرجہ بالا پس منظر کے باوجود بیورن اپنا خیال پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وان سی کانفرنس میں اس آخری حل کی بازگشت سنائی دے رہی تھی جس پر ہٹلر اور اس کے ساتھی 1941 کے وسط اکتوبر تک پہنچ چکے تھے اور یقیناً وان سی اجتماع کے منعقد ہونے تک آخری حل اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ معروف مورخ آیان کرشا کا نقطہ نظر ہے کہ وان سی کانفرنس اجتماعی قتال کے پروگرام کو آگے بڑھانے کا منظم عمل تھا۔ وان سی کانفرنس کا روح رواں رائین ہارڈ ہیڈرک ہٹلر کا ماتحت تھا اور اس نے وان سی کانفرنس کی صدارت کی تھی۔ ہیڈرک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا نازی تھا جس نے یہودیوں کے سلگتے مسئلے کے آخری حل کا پروگرام ڈیزائن کیا اور اس پر عمل درآمد کی راہ ہموار کی۔ ہیڈرک مئی 1942 میں چیکو سلوواکیہ کے آزادی کے متوالوں کے ہاتھوں قتل ہو کر دنیا سے رخصت ہوا۔

پچھلے صفحات میں توجہ اس نقطے پر مرکوز رکھی گئی کہ یہود مسئلے کے آخری حل کا فیصلہ ستمبر 1941 کے وسط میں کیا گیا۔ اس فیصلے میں یہودیوں کی ممکنہ آبادکاری کے لیے علاقہ منتخب کرنے کے مختلف آپشنز پر غور کیا گیا تاکہ جرمنی سے نکالے جانے پر یہودیوں کی کثیر تعداد مشرق میں کسی مقام پر ٹک جائے۔ اس وقت تک اس نقطے کو بھی ایک ممکنہ حل کا درجہ حاصل تھا۔ ان حالات و واقعات کو زیر بحث لایا گیا جن کے زیر اثر ہٹلر اور دوسرے نازی رہنماؤں نے عمل درآمد کے لیے کسی فیصلے پر پہنچنا تھا۔ وہ اسے آخری حل (Endlosung) قرار دیتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جرمن جون 1941 میں تین ماہ کی لڑائی کے بعد بھی سوویت سرخ فوج پر اپنی متوقع فتح حاصل نہ کر پائے تھے۔ اس شکست اور مطلوبہ نتائج کے حاصل نہ ہونے پر یہود کی جرمنی سے بیدخلی کا فیصلہ ان کے وسیع پیمانے پر قتل عام پر منتج ہوا۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ مقامی نازی رہنماؤں کی طرف سے شکایات موصول ہو رہی تھیں کہ مقبوضہ علاقوں میں بہت سے یہودی آباد ہو رہے تھے جبکہ S.S یہودی مسئلے کے حل پر زور دے رہی تھی۔ بالآخر ہٹلر نے ستمبر 1941 میں جرمن یہودیوں کو مشرق کی طرف بیدخل کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم کو بعد میں پیش آنے والے واقعات جن میں یہودیوں کو گیس سے مارنا شامل تھا، کا پیش خیمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس کے قریبی رفیق گوئبلز نے کہا کہ ہٹلر یہودی مسئلے کے ایک زبردست حل کا داعی تھا۔ حل طلب صرف آخری حل سے وابستہ غیر انسانی عمل میں چھپے ٹیکنیکی مسائل تھے۔ بہر کیف ان تمام مشکلات کے باوجود ہٹلر یہ معاملات اپنے ماتحتوں کی صوابدید پر چھوڑنے پر تیار تھا۔



رائین ہارڈ ہیڈرک یہ شخص ہملر کا ماتحت تھا۔ وان سی کانفرنس اسی کی زیر نگرانی منعقد ہوئی۔
ہیڈرک کو مئی 1942ء میں چیک آزادی پسندوں کے ہاتھوں پراگ میں قتل کر دیا گیا۔



جرمن یہودیوں کی اجتماعی بیدخلی کے نازی منصوبوں کا پس منظر

مڈگاسکر منصوبہ کیس سٹڈی

مقبوضہ پولینڈ کے نازی گورنر جنرل ہانز فرینک نے 12 جولائی کی اپنی تقریر میں مڈگاسکر منصوبے کے بارے میں کہا کہ میری درخواست پر فیوہرر نے فیصلہ دیا کہ گورنمنٹ جنرل کے علاقے میں مزید یہودیوں کو نہیں دھکیلا جائے گا جبکہ منصوبہ یہ تھا کہ جرمن رائخ سے یہودیوں کے گروہوں کو گورنمنٹ جنرل اور کسی طفیلی ریاست کی طرف دھکیل دیا جائے گا اور امن کے بعد کسی افریقن یا امریکن کالونی کی طرف بھیج دیا جائے۔ اس کام کے لیے فرانس کی طرف سے مڈگاسکر کے الحاق کا اعلان متوقع تھا۔ مڈگاسکر کے پانچ لاکھ مربع کلومیٹر کے علاقے میں چند لاکھ یہودیوں کو کھپانے کے لیے کافی جگہ تھی۔ میں نے ذاتی طور پر یہود کو موقع دیا تھا وہ اس نئی زمین میں بھرپور مواقعوں کی تلاش کرسکیں۔

ماخذ: مقبوضہ پولینڈ کے نازی گورنر جنرل ہینز فرینک کی مڈگاسکر منصوبے پر 12 جولائی 1940ء کی تقریر سے اقتباس۔

یہودیوں کے آخری حل کے متعلق گورنگ کا حکم نامہ جو اس نے SD اور سیکورٹی پولیس کے چیف لیفٹیننٹ جنرل ہیڈرک کے نام لکھوایا۔

اس کام کے متعلق جو تمہیں 24 جنوری 1939ء کو سونپا گیا تھا کہ یہودیوں کے مسئلے کو ہر ممکن بہتر طریقے سے نقل مکانی یا بیدخلی کے ذریعے حل کر دیا جائے، اس حکم نامے کے ذریعے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یورپ میں جرمنی کے اثر رسوخ کے دائرے میں یہودی مسئلے کے عملی، مالی اور تنظیمی پہلوؤں کو ہر اعتبار سے حل کرنے کی ضروری تیاریاں کرو۔ جہاں تک دوسرے مرکزی اداروں کی صلاحیت کا تعلق ہے، انہیں بھی شامل کرنا ہے۔

مزید حکم یہ ہے کہ یہودی مسئلے کے حتمی حل (Endlosung) کی انجام دہی کے لیے ایک مکمل منصوبہ تشکیل دو اور اس پر عملدرآمد کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔

وان سی کانفرنس

20 جنوری 1942ء برلن میں یہودی مسئلے کے آخری حل کے بارے میں ایک کانفرنس وان سی کے مقام پر منعقد کی گئی۔ کانفرنس کا آغاز جنرل ہیڈرک کے تقرر کے اعلان کے ساتھ ہوا جسے رائخ مارشل نے یورپین یہودی مسئلے کے حتمی حل کے لیے مقرر کیا تھا۔ یہ اعلان سیکورٹی پولیس

اورSS ,SD کی طرف سے کیا گیا۔ اس کانفرنس کا مقصد اس اصولی مسئلے پر ایک واضح موقف اختیار کرنا تھا۔ یہودی مسئلے کے حتمی حل کی ذمہ داری رائخ فیلڈ مارشل SS اور جرمن پولیس کے چیف پر تھی جس کے لیے وہ کسی جغرافیائی علاقے کی حد بندیوں سے آزاد تھے۔

SD اور سیکورٹی پولیس کے چیف نے اس دشمن (یہود) کے خلاف کی گئی اب تک کی جدوجہد کا ایک طائرانہ جائزہ پیش کیا۔ اہم نقاط درج ذیل ہیں:

-1 یہودیوں کو جرمن کی روزمرہ زندگی سے نکال باہر کرنا ہے۔

-2 یہودیوں کو جرمن عوام کی رہائشی زندگی سے باہر نکالنا ہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے یہودیوں کے رائخ کے علاقے سے تیز رفتاری سے بیدخلی ہی مسئلے کا فوری اور حتمی حل تھا جسے مستعدی سے آگے بڑھانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ رائخ مارشل کی ہدایات پر یہودی ہجرت کی نگرانی کرنے کے لیے رائخ کا مرکزی دفتر جنوری 1939 میں قائم کیا گیا اور اس کے کام کرنے کی سمت پر نظر رکھنے کی ذمہ داری سیکورٹی پولیس اور SD کے چیف کو سونپی گئی اس کی فوری ذمہ داریاں درج ذیل تھیں۔

-1 یہودیوں کی نقل مکانی کی رفتار تیز کرنے کے اقدامات کرنا۔

-2 نقل مکانی کی ایک رفتار متعین کرنا اور اسے برقرار رکھنا۔

-3 انفرادی طور پر ہجرت کے عمل کو تیز تر کرنا۔

ان اقدامات کا مقصد جرمن رہائشی زمین کو یہودیوں سے قانونی طور پر صاف کرنا تھا۔ ماخذ وان سی کانفرنس کا پروٹوکول 20 جنوری 1942۔

قاتل مشین

1941 کے موسم خزاں میں نازی یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ بیدخلی کے بعد باقی بچنے والے یورپین یہودیوں کو بہترین دستیاب طریقوں کے ذریعے ختم کر دینگے۔ جیسا کہ پچھلی تحریروں میں آیا ہے کہ دسمبر 1941 میں چلمنو کے مقام پر یہودیوں کو مخصوص طریقے سے گیس مار کر ہلاک کیا گیا۔ گیس کے طریقے کا انتخاب ہٹلر کے SS افراد کو یہودیوں کو سر کے پچھلے حصے میں گولی مارنے کے "تلخ" کام سے نجات دینے کے لیے کیا گیا جس کے بعد انہیں اجتماعی قبر میں دھکیل دیا جاتا۔ 1941 کے اختتام تک گیس کا طریقہ ایک نرالا طریقہ تھا۔ اب اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جنہیں موت کے کیمپ قرار دیا جا سکے اور جہاں لوگوں کو قید کر کے مختصر عرصے میں گیس کا شکار بنایا جا سکے۔ تاریخ کے اسباق سے یہ بات کبھی مٹائی نہ جا سکے گی کہ ذہنی اور جسمانی طور پر معذور افراد کو موت کی وادی میں دھکیلنے کے کام کی ابتدا ہو چکی تھی اور پروفیسر وکٹر بریک کو اس فعل بد کا بانی قرار دیا جا چکا تھا، یہ مکروہ فعل جرمنی میں ہٹلر کے یوتھینیا پروگرام کا حصہ تھا۔ وہ بدقسمت طبقہ جس نے یہودیوں سے اظہار محبت کیا تھا اور ان کے دکھ درد کے ساتھی بننے کی سعی کی تھی ان میں خانہ بدوش اور ہم جنس پرست بھی شامل تھے، یہ لوگ نازیوں کی فہرست میں جرمن رائخ میں رہنے کے قابل نہ تھے۔ آنے

والے سبق میں مقبوضہ یورپ بھر میں یہودیوں کے اجتماعی قتل کے لیے نازی تحریک کے مسلسل زور پکڑنے کی کہانی شامل ہے جس کی انتہا 1944 اور 1945 کے درمیانی عرصے میں ہنگری کے 4 لاکھ یہودیوں کی گیس کے ہاتھوں مبینہ موت پر ہوئی۔

موت کے کیمپ

27 مارچ 1942 کو گوئیبلز نے اپنی ڈائری میں تحریر کیا، "یہود کا زیادہ کچھ نہیں بچے گا۔" یہ تحریر ایک طرح کی پیشن گوئی تھی جو افسوس ناک حد تک درست ثابت ہوئی۔ اس پیشن گوئی نے نازی قیادت کے اس اعتماد پر روشنی ڈالی کہ اس کے قائم کردہ کیمپ یہودیوں کے لیے موت کے کیمپ ثابت ہونگے۔

ان نئے کیمپوں نے فروری 1942 کے مہینے میں بلذک، مارچ میں سوبی بار اور اوس وز اور موسم گرما کے اوائل میں میجدانک اور ٹربلنکا میں کام شروع کر دیا۔ تمام کے تمام کیمپ پولینڈ میں واقع تھے اور ریل گاڑی کے ذریعے یورپ کے ان حصوں سے ملے ہوئے تھے جنھیں اس لیے منتخب کیا گیا تھا کہ وہاں سے زیادہ سے زیادہ یہودی ان کیمپوں میں بلا کر لقمہ اجل بنائے جا سکیں۔



موت کے کیمپوں کی لوکیشن

یہودی متاثرین کی پہلی جماعت سلوواکیہ سے مارچ میں اوس وچ بھجی گئی۔ گوئبلز کی ڈائری میں فروری کے مہینے کے اختتام تک Lublin Ghetto کو خالی کرنے کا ذکر موجود ہے۔ واساگیٹو سے ٹربلنکا تک اور Lvov Ghetto سے بلزک تک نقل وحرکت جولائی 1942 کے آخر میں شروع ہوئی۔ اس وقت تک نازیوں کو اندازہ ہو چکا تھا کہ یہود کو مارنے کے لیے ان کا بہترین ہتھیار کونسا رہا ہے یہ کیمیائی عنصر زائیکلون بی گیس تھا (Zyklon B) جو یہودیوں میں نازیوں کی طرف سے موت بانٹ رہی تھی۔ اس گیس کا پہلا استعمال 1941 کے موسم خزاں میں روسی جنگی قیدیوں پر کیا گیا۔ اس وقت تک روس نے قیدیوں کے ساتھ سلوک کے جنیوا معاہدے پر دستخط ثبت نہیں کیے تھے چنانچہ پکڑے گئے روسی نازیوں کی نظر میں ''نازی تجربے'' کے لیے قانونی شکار سمجھے جاتے تھے۔

1942 کے آخری موسم گرما تک، نظام بڑی مستعدی سے رواں دواں تھا۔ ولندیزی اور کروشیائی یہود اوزوچ کی جانب بھیج دیے گئے جو قتل عام کا بنیادی مرکز بن گیا تھا۔ نومبر 1942 میں ناروے سے بھی یہود وہاں پہنچ گئے (یعنی پہنچا دیے گئے)۔ 1943 میں یونان سے بھی یہود آ پہنچے ایسا فروری 1943 کے ہٹلر کے اس حکم کے بعد ہوا کہ برلن سے تمام یہود نکال دیے جائیں۔ (اسے ایک ایسا اشارہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تمام یہود کو قتل کر دینا چاہیے)۔ فروری 1942 میں نازیوں نے Lvov Ghetto تباہ کر دیا۔ اس کے بعد منسک (Minsk) بائیلو روسیا میں واقع اور ولنا (Vilna) لیتھونیا میں واقع Ghettos کی باری آئی۔ اس طرح قتل عام کا سلسلہ جاری رہا اکتوبر 1943 میں ڈنمارک کے یہود بھی نازیوں کی موت بانٹنے والی مشین کا شکار بن گئے اس کے باوجود کہ ڈینش لوگوں نے نازیوں کے قائم کردہ موت کے نظام کا مرحلہ وار حصہ بننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ڈنمارک یورپ بھر میں تن تنہا غیرت مندی اور حوصلہ مندی کا مظہر تھا۔

موت کے کیمپوں کی حقیقت

یہ ایک قدرتی حقیقت ہے کہ ہولوکاسٹ کے مطالعے کے دوران یا بعد میں تاریخ کے قاری کے ذہن میں کچھ سوالات جنم لیتے ہیں جیسے یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان دوسرے انسانوں عورتوں اور بچوں کو اس قدر بے رحمانہ، ظالمانہ اور دردناک طریقوں سے لقمہ اجل بنا ڈالے۔ دوسرا یہ کہ کوئی شخص اس سلوک سے کیسے محفوظ رہ سکتا تھا اور کیا یہود نے اس روزمرہ ظلم اور اس کے خوف، دہشت کے خلاف مزاحمت کی کوئی حکمت عملی تیار کی تھی۔ جس طرز پر نازی قتل عام کو منظم ڈھنگ سے سرانجام دے رہے تھے وہ تاریخ کے اوراق پر محفوظ ہے۔ اوزوچ کیمپ کا کمانڈنٹ اس ضمن میں بڑ مارتے ہوئے تسلیم کرتا تھا کہ اس نے اپنی زیر کمان کیمپ میں کافی بہتریاں کی ہیں۔

اوزوچ میں دو S S ڈاکٹر ڈیوٹی پر تھے جن کا کام آنے والے قیدیوں کی صحت کا معائنہ کرنا تھا۔ قیدیوں کو ان میں سے کسی ایک ڈاکٹر کے سامنے مارچ کروائی جاتی، وہ ان کی جسمانی تندرستی دیکھ کر موقع پر فیصلے کرتا۔ جن افراد کو کام کیلئے فٹ قرار دیا جاتا انہیں کیمپ میں بھیج دیا جاتا، باقی ماندہ قیدیوں کو ان کیمپوں کی طرف دھکیل دیا جاتا جنہیں عرف عام میں ''موت کے کیمپ'' کہا جاتا تھا۔ کم سن بچوں کو بغیر کسی تخصیص کے خاتمے کے کیمپوں کی طرف بھیج دیا جاتا تھا۔ ٹریبلنکا میں ایک نیا کام یہ کیا گیا کہ قیدیوں کو یہ معلوم تھا کہ ان کی منزل اب موت ہے اور زندگی کا سفر کسی پل ختم

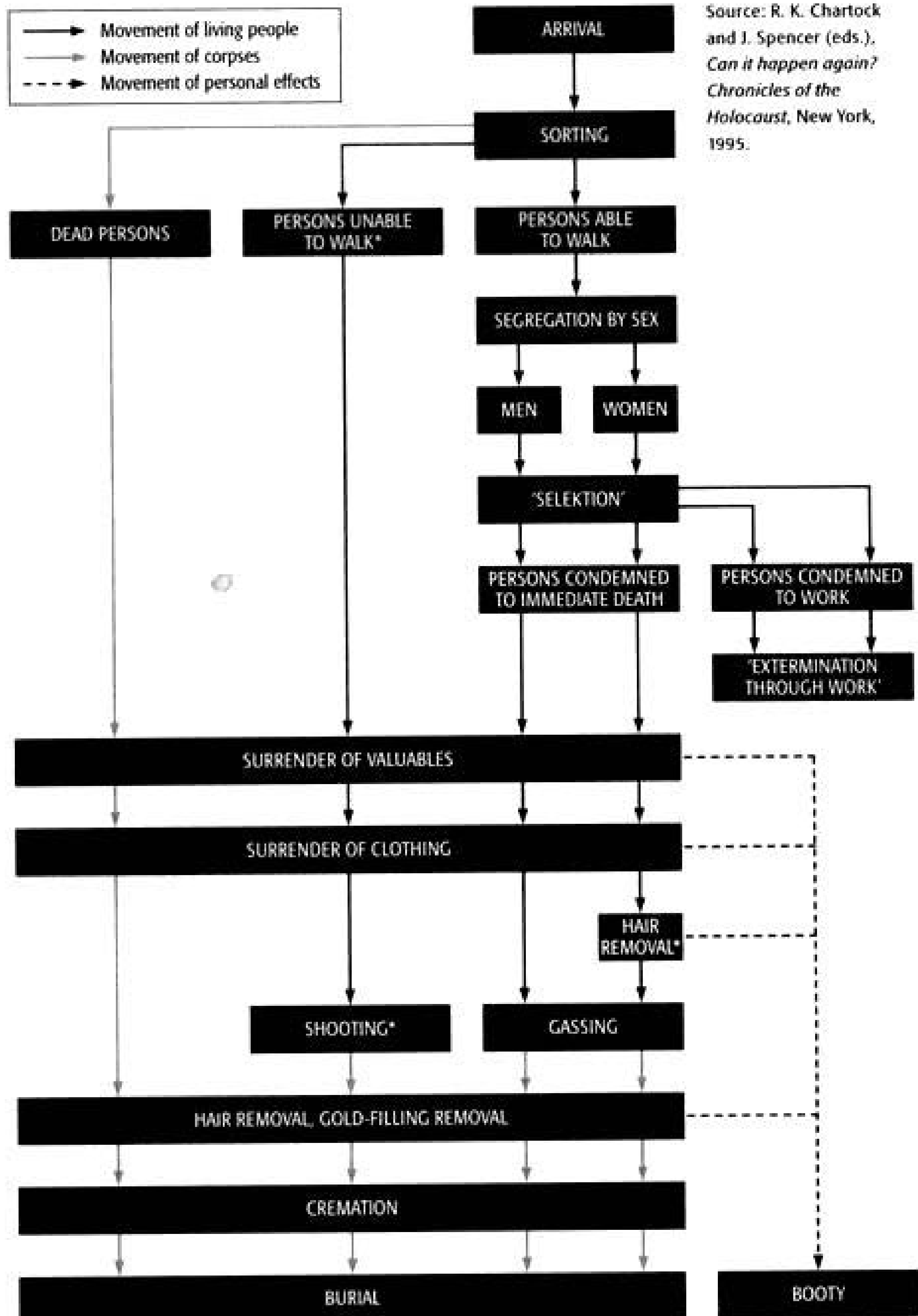
ہونے کو ہے۔ جبکہ اوزوچ کے مقام پر قیدیوں کو کچھ اس طرح سے بیوقوف بنایا گیا کہ انہیں کپڑے بدلنے کے عمل سے گزارا جا رہا ہے۔ ہوئیس اور SS کے اس کے ساتھیوں کو خفت کا سامنا تھا۔ بقول ہوئیس قیدیوں کو بعض اوقات ہمارے اصل ارادوں کا اندازہ ہو جاتا تھا جس پر ہمیں فسادات اور مسائل سے واسطہ پڑتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ عورتیں اپنے بچوں کو کپڑوں کے نیچے چھپانے کی کوشش کرتیں لیکن ہم انہیں تلاش کر کے خاتمے کے لیے بھیج دیتے تھے۔ ہمیں خاتمے کے اصل کام میں انتہائی رازداری برتنے کا حکم تھا لیکن کئی مواقعوں پر ہونے والی غلطیوں اور مسلسل جلائے جانے والے انسانی جسموں کی سڑاند نے تمام علاقے میں یہ راز فاش کر دیا کہ موت کے کیمپ یہیں پر ہیں، مقامی لوگوں کو بھنک پڑ چکی تھی کہ اوزوچ میں موت کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

ہوئیس کی اس یادداشت سے کئی اہم نقاط ابھرتے ہیں، اول اس کو اپنے کیے پر فخر تھا، دوئم یہودکو ان کے مستقبل کے بارے میں کامیابی سے دھوکہ دیا گیا حتیٰ کہ جب انہیں معلوم ہوا تو انھیں اور ان کے بچوں کو سوچنے سمجھنے اور کچھ مسئلہ کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ہوئیس نے واضح کر دیا کہ علاقے کے لوگ جان چکے تھے کہ ان کے علاقے میں کوئی گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ پولینڈ میں چونکہ مقامی لوگ اس انسانی سانحے کے بارے میں لاعلم تھے اس لیے وہاں ایسا مسئلہ درپیش نہیں آیا جبکہ جرمنی میں معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ جرمن لوگ اپنے ہمسائے میں واقع کیمپ میں کھیلے جانے والے خونی کھیل کے بارے میں لاعلم نہ رکھے جا سکے۔ وائیمر قصبے کے نزدیک واقع بوچنوالڈ کیمپ میں ہزاروں یہودیوں کا اجتماعی قتل عام چھپا نہ رہ سکا۔ ڈینیل گولڈ ہیگن یہاں تک دلیل دیتا ہے کہ خواہ کئی جرمن یہودیوں کے اجتماعی قتل عام میں براہ راست ملوث نہیں ہیں لیکن وہ بھی اس الزام سے بچ نہیں سکتے اور اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ ہوئیس کو اتحادی طاقتوں نے جنگی جرائم کی پاداش میں تختہ دار پر لٹکا دیا تھا۔ یاد رہے کہ گولڈ ہیگن کے خیالات متنازعہ ہیں اور دوسرے مورخین نے ان پر خاصی لے دے کی ہے۔ وہ جرمن عوام کو یہود کے اجتماعی قتل عام کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

ہوئیس کی یادداشتوں میں ایک اہم حوالہ ان بچوں کا ہے جو "کام کرنے کے قابل" نہ تھے۔ بعض یہودیوں کے نزدیک گیس چیمبر میں جلائے جانے والوں کو انہی بچوں کے حوالے سے بلیک میل کیا گیا تھا کہ انہیں رائخ کے غلام مزدوروں کی حیثیت سے آسٹریا میں ماؤتاسن کے مقام پر رکھا جائے گا۔ برکیناؤ کے مقام پر اوزوچ کا اپنا لیبر کیمپ تھا جہاں لوگ ابتر حالت میں کام کرنے پر مجبور کیے جاتے تھے جبکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے اطراف ماحول میں جو دھواں ہے وہ گیس چیمبر کی چمنیوں سے نکل کر آتا ہے جہاں انسانی جسم جلائے جاتے ہیں۔

ہوئیس ٹربلنکا اور فرنیز سٹینگل کا کمانڈنٹ تھا۔ وہ اوزوچ میں یہودیوں کو دھوکے میں رکھ کر مارنے کے طریقہ کار پر مسرور تھا۔ کہا جاتا ہے 1971ء میں سٹینگل نے ایک صحافی کی موجودگی میں بڑ ہانک دی کہ کس طرح اس نے لیبر کیمپ کے نزدیک ایک جعلی ریلوے سٹیشن تیار کیا تھا جس پر وارسا اور بائیلسٹاک (Bialystok) جیسی جگہوں کے ناموں کے سائن بورڈ آویزاں تھے۔ یہ سارا ڈرامہ اس لیے رچایا جا رہا تھا کہ یہودیوں کو شہری زندگی اور ماحول میں ہر چیز پرسکون اور نارمل نظر آئے اور وہ حالات کی بہتری کی امید کے ساتھ ہانکے چلے جائیں۔ ہوئیس کے خیال میں اجتماعی قتل اسی وقت ممکن تھا جب ماحول میں مکمل "سکون" ہو۔ ایک مرتبہ ہوئیس نے اس بات کی شکایت کی کہ اس پر کام کا بہت زیادہ بوجھ لاد دیا گیا ہے، کام کیا تھا اسے مبینہ طور پر ہر روز 9000 (نو ہزار) لوگوں کو گیس سے ہلاک کرنا پڑتا تھا۔ SS کے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح ہوئیس کے

بارے میں سب جانتے تھے کہ وہ پرلے درجے کا حرام خور اور رشوت خور تھا۔ اس بات کی تصدیق 1982 میں لکھے گئے تھامس کینالی کے ناول Schindler's list پر مبنی ایک فلم کی کہانی سے بھی ہوتی ہے جس میں اوسکر شینڈلر (Oscar Schindler) کی طرف سے 1100 یہودیوں کی جان بچانے کا واقعہ فلم بند کیا گیا ہے۔ اوسکر سوڈیٹن وہ جرمن تھا جس نے متعلقہ S S افسر کو رشوت دیکر مذکورہ 1100 افراد کی جان بچائی۔ اس واقعے کی پشت پر ممکن ہے مزید واقعات بھی رہے ہوں جو منظر عام پر نہ آ سکے۔ بہرکیف ایک بات طے ہے کہ انسانی قتل عام کی اس ہولی میں ابھی تک "اچھے جرمن" موجود تھے جنہیں احساس تھا کہ وہ انسان پہلے ہیں بعد میں نازی اقتدار کو جواب دہ ہیں۔



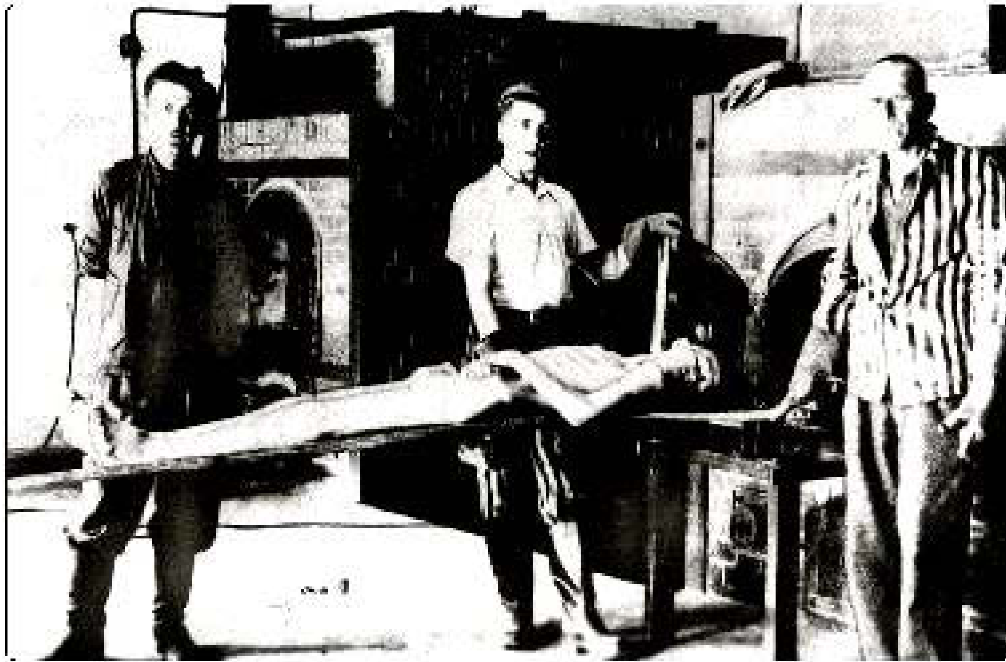
آپریشن رائین ہارڈ کا خاکہ

زندہ بچ جانے والوں کے تجربات

کیمپوں کی زندگی کیا تھی ایک عذاب تھا جو دن بدن شدت اختیار کرتا چلا جارہا تھا۔ مثال کے طور پر اوزوچ میں جلائے جانے والے چیمبرز کے گرد گھاس سے مزین لان تھے اور موسیقی بجائی جاتی تھی جبکہ اندر لوگوں کو موت کے حوالے کیا جارہا تھا۔ زندہ بچ جانے والے ایک شخص کے مطابق، نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں پر مشتمل ایک آرکسٹرا تھا جنہوں نے سفید رنگ کے بلاؤز اور گہرے سبز رنگ کے سکرٹ پہنے ہوتے تھے۔ ان لڑکیوں کا انتخاب کیمپ کے قیدیوں میں سے کیا گیا تھا۔ جب نازی گیس چیمبرز کے لیے ''شکار'' منتخب کر رہے ہوتے تھے تو اُس دور کا مشہور نغمہ The Merry Widow بجایا جاتا تھا۔

کیمپ کی زندگی کا ہر دن ''زندہ موت'' کی طرح تھا۔ ان کے لیے خوراک کے راشن کا کوٹہ جان بوجھ کر کم سے کم رکھا گیا تھا جس سے قیدیوں کی جسمانی حالت دگرگوں تھی وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے۔ مزید افتاد یہ کہ کیمپ میں صفائی کے ناگفتہ بہ انتظامات کی وجہ سے ہزاروں مکھیوں نے انسانی ڈھانچوں پر مبنی چلتی پھرتی لاشوں کو اپنی خوراک کے لیے منتخب کر رکھا تھا۔ ان مکھیوں سے جان چھڑانا محال تھا۔

برکیناؤ سے بچ کر نکلنے والے شخص برنڈ ناؤمان نے روتے ہوئے بتایا کہ کس طرح کیمپ پر بلی کے سائز کے چوہوں کی یلغار تھی۔ یہ چوہے انسانوں سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ انسان ان چوہوں سے خوف کھاتے تھے۔ یہ چوہے نہ صرف انسانی لاشوں کو بھنبھوڑتے تھے بلکہ شاید علیل افراد کو بھی نوچنے سے کتراتے نہ تھے۔ اس نے بتایا کہ اس کے پاس ایسی خواتین کی تصویریں ہیں جو قریب المرگ تھیں اور ان کے جسموں پر چوہوں کے کاٹنے کے نشانات تھے۔ رفع حاجت کے لیے 300 افراد کے لیے ایک سیٹ تھی۔ بھوک اور خوراک کی شدید خواہش اور طلب نے کیمپ کے باسیوں کو انسانوں سے جانور بنا دیا تھا۔ اوزوچ سے بھاگے ایک خوش قسمت وکٹر فرینکل نے بھوک اور غیر انسانی اثرات کے بارے میں خوفناک واقعات سنائے۔ وکٹر نے اس دوزخ میں تین سال گزارے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جب جسموں پر چربی کی آخری تہیں بھی گل گئی تھیں۔ لوگ ڈھانچوں کی طرح نظر آتے تھے جس پر جلد اور کپڑوں کے چیتھڑے لگے نظر آتے تھے جسم پر پٹھوں کا وجود باقی نہ رہا تھا کیونکہ جسم اپنی ہی پروٹین چٹ کر چکے تھے۔ بالآخر جسم میں مدافعت کی قوتیں جواب دے جاتی تھیں۔ اس طرح ایک ایک کر کے فرینکل کی کوٹھری کے افراد لقمہ اجل بنتے چلے جاتے تھے۔ گیس مار کر ہلاک کرنے کا متبادل طریقہ تڑپا تڑپا کر مار دینے والی دردناک موت تھی۔ وکٹر کے مشاہدے کے مطابق کیمپوں میں موت کا مطلب موت کے خوف سے نجات تھی۔



اوزوچ اور ٹربیلنکا جیسے کیمپوں میں کچھ یہودیوں کو یہ فرائض سونپے گئے تھے کہ وہ شکاروں کو گیس چیمبرز تک لے کر جاتے اور ان کی موت کے بعد لاشوں کو ٹھکانے لگاتے لیکن ٹھکانے لگانے سے پہلے ان پر لازم تھا کہ سونے کے دانت کھینچ لیتے، بال کاٹ دیتے وغیرہ وغیرہ دراصل S S کسی بھی صورت یا حالت میں کوئی بھی ایسی چیز کھونا نہ چاہتی تھی جو ان کی جنگی کوششوں میں ممد ثابت ہو سکتی۔



ایک یہودی کی دُکان کے باہر بھوک اور سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بچے
بیرونی دُنیا کے لیے نازی پروپیگنڈے کی ایک تصویر

ان ملازم یہودیوں کو ''سپیشل کمانڈوز'' قرار دیا جاتا تھا۔ ان کے پاس اس بات کا کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ ان کاموں کے کرنے میں تعرض کرتے۔ موت کے کیمپوں میں شائستگی کا کوئی وجود نہ تھا اور بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری کا کوئی تصور نہ تھا، وارسا اور لبلن جیسے کیمپوں سے یہودی شکار لائے جاتے تھے، ایک یہودی بچے کا یہ فقرہ تاریخ کے اوراق کی انمٹ حصہ ہے کہ ''میں بھوکا ہوں، مجھے سردی لگ رہی ہے، جب میں جوان ہونگا میں جرمن بننا چاہتا ہوں تب نہ میں بھوکا رہوں گا اور نہ مجھے سردی لگے گی۔'' لیکن ہٹلر کے مظالم نے اس جیسے لاکھوں بچوں سے انکے معصوم خوابوں کی

تعبیر چھین کرانہیں موت کے بے رحم پنجے میں جکڑ دیا۔

1- کیس سٹڈی: Chronicles of the holocaust N.Y P.169 میں ہٹلر کے ذاتی خیالات کچھ یوں لکھے گئے ہیں۔ ''میں کسی بھی اہم قومی موضوع پر کھلے بندوں بات کرنا چاہتا ہوں۔ ہم خیال طبقے میں تو ہم بات کر سکتے ہیں لیکن عوامی سطح پر میں ایسا کوئی ذکر نہیں کر سکتا۔ یہ موضوع یہودیوں کی بیدخلی اور ان کا خاتمہ ہے۔''

2- اوزچ کیمپ میں ڈیوٹی پر مامور گستاپو تنظیم کا ایک سابقہ رکن ہینز سٹارک برملا اقرار کرتا ہے کہ ''میں نے بہت سے افراد کے قتل میں حصہ لیا...... کیونکہ میں فیوہرر کے احکامات کو بجالانے میں یقین رکھتا تھا، میں اپنے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ آج میں سمجھتا ہوں یہ خیال غلط تھا۔ میں ماضی کی غلطیوں پر نادم ہوں لیکن میں وقت کو واپس لوٹا نہیں سکتا۔ (Martyrs and fighters connecticut, 1954. by P.Fredmann)

3- مقبوضہ پولینڈ میں ریزو پولیس بٹالین 101 کی سرگرمیوں کے بارے میں کہا گیا کہ پولینڈ پر قبضے کے بعد ایک مارکیٹ میں یہودیوں کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا گیا جلد ہی خالی مارکیٹ یہودی خواتین اور معصوم بچوں سے بھرگئی۔ ریزو پولیس کے جوان بہت کمزور یا لاغر یہودیوں پر گولی چلانے پر تو تیار تھے لیکن حکم کے باوجود معصوم یہودی بچوں کو نشانہ بنانے سے گریزاں تھے۔

یہودی مزاحمت

ایک عام سا سوال ذہن کو کچوکے لگاتا ہے کہ یہودیوں نے اپنی نسل کو بچانے کے لیے کوئی مزاحمت کیوں نہ کی اور اگر مزاحمت کی گئی تو یہ کس سطح تک کی تھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ دونوں مذکورہ کیمپوں اور Ghettos میں یہودی مزاحمت موجود تھی۔ وارسا گیٹو 1943 میں ایسی مزاحمت قابل ذکر ہے۔ ٹریبلنکا اگست 1943، سوبی بار 14 اکتوبر 1943 اور چلمنو جنوری 1945 میں یہودی بغاوتیں ہوئیں۔

مزاحمت کے سوال پر یہودی کیمونٹی میں نظریاتی اختلاف تھا۔ جرمنوں نے گیٹوز میں بنائی یہودی کونسلوں (Judernate) کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ ایک تو وہ ان کے ذریعے یہودیوں کو کنٹرول کرتے تھے پھر کیمپوں کے لیے لوگوں کا انتخاب عمل میں لاتے۔ اس تناظر میں یہودی کیمونٹی کے ذمہ داران پر نازیوں کے ساتھ تعاون کا الزام کچھ غلط نہ تھا لیکن حقیقت میں ان کے پاس کوئی متبادل آپشن نہ تھی۔ تعاون سے انکار کی صورت میں گیٹوز میں پہلے سے موجود خراب صورت حال مزید ناگفتہ بہ ہو سکتی تھی یا کونسل ممبران کو جان سے ہاتھ دھونا پڑتے۔

بوڑھے اور سینئر یہودی جو جیوش کونسل میں اپنے اپنے طبقوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ نازیوں کے خلاف مزاحمت کو خطرناک، لاحاصل اور بغیر سمت قرار دیتے تھے۔ اس سوچ کے زیر اثر وہ اپنے لیے صرف ایک ہی مقصد کو اپنائے ہوئے تھے کہ یہودیوں کو نازی ظلم وستم سے بچایا جا سکے۔ صاف لفظوں میں بیسویں صدی میں روس کے زار کی طرف سے یہود کے خلاف چلائی مہم اور تیسرے رائخ میں یہودیوں کے اجتماعی قتل عام کے درمیان قدر مشترک کم ہی نظر آتی ہے۔

جوان یہود جو کیمونسٹ یا صیہونی تھے، ان معاملات کو مختلف انداز سے دیکھتے تھے۔ یہودی کیمونسٹ یہودیوں کے قتل کو فاشسٹ جرم تصور

کرتے تھے جن کے خلاف وہ یورپ میں جدوجہد کر رہے تھے جبکہ صیہونیوں کا خیال تھا کہ یہودیوں کی غیرت کا تقاضہ تھا کہ نازی ظلم واستبداد کے خلاف مزاحمت کی جائے۔ ایسے عقائد نے گیٹو زمیں بے چینی کو جنم دیا اور جوان اور بوڑھی نسلوں کے درمیان خلیج بڑھی۔

وارسا میں بغاوت

نازی اقتدار کے خلاف یہود مزاحمت کی ایک ڈرامائی مثال 1943 میں وارسا میں سامنے آئی۔ اس واقعے کے بعد فروری 1943 میں ہملر نے فیصلہ کیا کہ وارسا گیٹو کو تباہ کر دیا جائے۔ اس فیصلے نے بغاوت کو ہوا دی جس کے شعلے 19 اپریل سے 15 مئی تک بھڑکتے رہے۔ گیٹو میں یہودیوں نے ایک دفاعی حصار بنالیا اور شہر کے سیوریج سسٹم میں پناہ لی جہاں سے انہیں طاقت کے زور پر نکالا گیا لیکن اس درجے پر مزاحمت کی شدت نے نازیوں کو بھی حیران کر دیا۔



پکڑے گئے یہودی مرد اور عورتیں وارسا گیٹو میں ملبے کے ڈھیر پر

کچھ یہودیوں نے گیٹو سے راہ فرار اختیار کی اور پولش مزاحمتی تحریک میں شامل ہو گئے۔ چونکہ پولینڈ میں یہود مخالف جذبات اور تحریک کافی مضبوط تھی اس لیے جو یہودی مزاحمتی تحریک کی طرف جاتے انہیں کم ہی خوش آمدید کہا گیا۔ بہر کیف یہودی پولش تعاون نے نازیوں کے لیے دردسری کی کیفیت ضرور پیدا کی۔ اس رویے کی وجہ نازی فوج کا پولینڈ کی سرزمین پر قابض ہونا تھا۔ جہاں کہیں جرمن قابض تھے مقامی آبادی کو اپنی جان، مال محفوظ رکھنے کے لیے ان کے ساتھ اشتراک عمل کرنا ہی پڑتا تھا چاہے یہ دل سے نہ بھی ہوتا۔ کچھ پولش باشندے کھلم کھلا نازیوں کے ساتھ تعاون کی اور یہود مخالف باتیں کرتے دوسرے لفظوں میں وہ یہودیوں پر ظلم وستم کی نازی پالیسی کی حمایت کرتے تھے۔ اس کے برعکس کچھ پولش باشندے گیٹو سے فرار شدہ یہودیوں کو پناہ دیکر سخت خطرات مول لیتے تھے۔ ایسی ہی ایک مثال فلم ڈائریکٹر رومن پولنسکی کی تھی جسے دو پولش کسانوں نے چھپائے رکھا اور وہ جنگ کی ہولناکیوں میں جان بچا پایا۔

یہودی کلچر

نازی دورِ اقتدار میں یہودیوں کو پیش آنے والے تجربے کا ایک اہم پہلو گیٹو میں یہود ثقافت اور زبان کا محفوظ رہ جانا تھا۔ یہودیوں نے سپیشل گیٹو سکول قائم کیے۔ جس میں یہودی تاریخ، ہیبرو اور دوسرے تعلیمی مضامین کے ساتھ ساتھ Yiddish یہودی زبان پڑھائی جاتی تھی۔ اس طریقہ تعلیم نے شہرت پائی اور حرف وارسا گیٹو میں 1940 اور 1941 کے درمیان چار ہزار طالب علموں نے حصول تعلیم کے لیے رجوع کیا۔ لوسی ڈیو ڈوچ کے مطابق کہ ایسے گیٹو سکولوں نے گیٹو میں زیرِ تعلیم بچوں کو چھت کے ساتھ ساتھ طبی سہولتیں، حفظانِ صحت کے اصول، اچھی غذا اور جذبات کے لیے ماحول فراہم کیا۔ لیکن جب یہودی اوزوچ اور دوسرے کیمپوں میں موت کی مشین کے شکنجے میں تھے، ایسی تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھنا ناممکن تھا۔ چیک ریپبلک میں پراگ شہر میں موجود یہودی قبرستان کے ساتھ ملحق عجائب گھر میں یہودی بچوں کی حالت زار پر مشتمل تصاویر ہولوکاسٹ کے زمانے میں گزرے تجربات کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ یہودیوں کے صرف ایک کیمپ Theresienstadt کو "ماڈل کیمپ" کی حیثیت حاصل تھی جہاں غیر ملکی آبزورز کو آنے کی اجازت تھی۔ درحقیقت یہ جگہ یہودیوں کو اوزچ یا ٹریبلنکا بھیجے جانے سے قبل صرف ایک عارضی مقام تھا۔ اس مقام کے بعد گیس چیمبرز کے ذریعے موت ان بچوں کی منتظر تھی جو ان سے چند دن یا چند ہفتوں کی دوری پر تھے۔



یہودی جرمن سنگینوں کے سائے میں

ہنگری کے یہودی

ہولوکاسٹ (یہودیوں کے اجتماعی قتل عام) کا سب سے ظالمانہ دور مارچ 1944 میں شروع ہوا جب جرمن فوجوں نے ہنگری پر قبضہ کر لیا۔ ہنگری کے ڈکٹیٹر میکلوس ہورتی نے 4 لاکھ ہنگری یہود کو کیمپوں تک پہنچانے کے جرمن مطالبات کی مزاحمت کی لیکن اس کی ایک نہ چلنے دی گئی یہود کے اجتماعی قتل عام کی ذمہ داری کا کام ہٹلر کے قریبی رفیق اور با اعتماد ہم راز آئیکمین کو سونپا گیا۔ اس کام میں فاشسٹ تنظیم ایرو کراس پارٹی نے اس کی بھرپور مدد کی۔

کچھ ہنگری یہود کو اوزوچ کی طرف مارچ کرنے پر مجبور کیا گیا جو وہاں سے کافی فاصلے پر تھا۔ ایک کثیر تعداد راستے میں ہی جان کی بازی ہار گئی۔ جو خوش قسمت اوزوچ پہنچ سکے وہاں بدقسمتی ان کی منتظر تھی۔ ان سب کو گیس کا نشانہ بنا دیا گیا۔ ہنگری میں جنگ سے قبل 70 فیصد یہود آبادی ہولوکاسٹ کا نشانہ بن گئی۔

نتیجہ

تاریخ کے اس موڑ پر مورخین کے لیے ہولوکاسٹ کے حقیقی اثرات کا احاطہ کرنا اور واقعات کو ان کی حقیقی روح کے ساتھ پیش کرنا امر محال ہے۔ بوچنوالڈ جگہ کا دورہ کرنے والے پیڑ نیوائل کے بقول ہلاک شدگان کے جوتے عینکیں، کپڑوں اور دوسری اشیاء کے ڈھیروں سے انسان پر پڑی افتاد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ بات حیران کن ہے کہ کچھ لوگ ہولوکاسٹ کی دہشت سے بالاتر رہے اور شخصی مثال سے ثابت کر دیا کہ نازی جرائم کی اندھیر نگری میں انسانی قدروں اور تہذیب کو زندہ رکھا جا سکتا تھا۔ دو کہانیاں اس پر تفصیلی روشنی ڈالتی ہیں۔ ایک سویڈش سفارت کار راؤل وولن برگ جسے یہودی ''ایک نیک انسان'' قرار دیتے ہیں سے منسوب ہے۔ وولن برگ نے پرفتنہ دور میں یہودیوں کی جان بچانے کی تگ و دو کی اور کے سینکڑوں ہنگری یہودیوں کی جان بچانے کے لیے انہیں بڈاپسٹ میں سویڈن کے پاسپورٹ جاری کیے۔ بدقسمتی سے وولن برگ کو انسان دوستی کے ان اقدامات کی پاداش میں روسی جیل میں بند کر دیا گیا۔ وہیں اس شخص کا انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی انسانیت پرستی کو آمرانہ ایوان اقتدار کے سامنے غلط رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔

ایک دوسری کہانی ایک ولندیزی یہودی لڑکی این فریک کی ہے جو کئی سالوں تک ایمسٹرڈم میں اپنے خاندانی گھر میں چھپی رہی لیکن ایک روز اس کی بھنک نازیوں کو پڑ گئی جو اس لڑکی کو پکڑ کر موت کے کیمپ میں لے گئے۔ پکڑے جانے سے قبل اس نے اپنا امید افزا خیال اپنی ڈائری کے اوراق کے حوالے کیا کہ ایک روز امن اور سکون لوٹ آئے گا۔

بہر حال 1939 اور 1945 کے درمیان یہود کی نازیوں کے ہاتھوں نسل کشی جس سکیل پر کی گئی، اس کی واضح شہادتیں موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ 6 ملین یہودی ہٹلر کے قائم کردہ کیمپوں میں ہٹلر کے یورپ کو یہودیوں سے پاک کرنے کے خواب کی تکمیل کی کوشش میں لقمہ اجل بنا دیے گئے۔

ہولوکاسٹ پر غیر ملکی ردعمل

ابھی تک تحریر شدہ صفحات میں ان تلخ حالات و واقعات پر توجہ مرکوز رہی ہے جن سے یہودی ہولوکاسٹ کے دوران دوچار ہوئے۔ ان تجربات کے دوران یہود مخالف نازی پالیسیوں سے پردہ اٹھا۔ ہولوکاسٹ کا دوسرا پہلو تیسرے رائخ میں ہونے والے واقعات پر بیرونی دنیا کا ردعمل ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ جیسے ممالک میں یہودیوں کے اجتماعی قتل عام کے متعلق نازی پالیسیوں کے بارے میں بیرونی ممالک کے لوگ اور مہذب معاشرہ کس قدر جانتے تھے؟ پہلی مرتبہ ہولوکاسٹ کی دنیا کو کب خبر ہوئی! اس اطلاع پر بیرونی دنیا کا ردعمل کیا تھا؟ جمہوری ممالک کی حکومتیں ہولوکاسٹ کی رپورٹیں لینے میں کیوں ناکام ہوئیں؟

1920 کے دوران سیاسی میدان میں نازی پارٹی کوئی بڑا نام نہ تھا۔ 1930 اور 1933 کے درمیان اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہٹلر کی انتھک کوششوں نے سیاسی نقشہ تبدیل کر دیا۔ 1932 تک NSDAP جرمنی میں سب سے مقبول سیاسی جماعت بن چکی تھی۔ اس کی آواز کو ملک کے اندر اور باہر سنجیدگی سے لیا جاتا تھا لیکن کئی ممالک میں اس جماعت کو سیاست کے ایسے متنفر قوم پرستوں سے تعبیر کیا جاتا تھا جو مطلب پورا ہونے پر خیالات میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔ نازی ازم کے بارے میں ہم عصر غیر ملکی آبزوروز نے بہت سے تجزیے پیش کیے جو آنے والے وقت میں مکمل طور پر صحیح ثابت ہوئے۔ ایسا ہی ایک تجزیہ برلن میں تعینات برطانوی سفیر سر ہوریس رم بولڈ نے 1933 میں کیا۔ ''ہر یہودی کی دکان پر ایک بڑا نوٹس چسپاں تھا جس پر عوام کے لیے یہ وارننگ لکھی تھی کہ یہودیوں کی دکانوں سے خریداری نہ کی جائے۔ بہت سی جگہوں پر، سپیشل نوٹس شور مچا رہے تھے کہ اس دکان میں پسینے میں شرابور لیبر کام کرتی ہے، ساتھ ہی لمبی ناک کا ایک کارٹون یہودی کو ظالم اور بدصورت دکھانے پر مصر نظر آتا تھا، یہ بے دست و پا لوگوں پر کوڑا چھینکنے والی بات تھی۔''

کچھ غیر ملکی رہنماؤں نے مجبوراً ''میری جدوجہد'' پڑھنا گوارا کر ہی لیا، نازی مظالم کی بڑھتی شہادتوں کے باوجود، ان میں سے چند ایک نے اس کے پیغام کو انتہائی سنجیدگی سے لیا۔ 8 اپریل 1933 کے اوائل ہی میں مانچسٹر گارڈین نے رپورٹ شائع کی کہ کس طرح سلیسیا میں براؤن قمیض پہننے والے گروپ نے ایک یہودی کو بری طرح پیٹا تھا۔ اس رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی تھی کہ اپنے ملک میں کسی جرمن کو جرأت نہ تھی کہ وہ ملک میں پھیلائی نازی دہشت کے خلاف آواز اٹھا سکتا۔ ایسا کرنے کی پاداش میں اسے خوفناک طریقے سے مارا پیٹا جا سکتا تھا یا لمبی قید بھگتنی پڑتی یا موت کے منہ میں بھیجا جا سکتا تھا۔ مشاہدات پر مبنی اس رپورٹ نے عوامی سطح پر خاصی شہرت پائی اور اس نے نازی پروپیگنڈے کا جسے بہت کم لوگوں نے قبول کیا تھا، منہ توڑ جواب دیا۔ فرانس اور برطانیہ میں بہت سی فاشسٹ تنظیمیں متحرک تھیں جن کے پروگرام یہود مخالف تھے۔ فاشسٹوں کی برطانوی یونین (Buf) کا رہنما سر اوسولڈ موزلے ہٹلر کی بجائے موسولینی کا مداح تھا۔ اگرچہ میوسولینی ہٹلر کی طرح آمر تھا لیکن اس کی سیاسی سوچ میں نسل پرست پالیسیوں کا عمل نہ تھا لیکن سر اوسولڈ BUF کو یہود مخالف نسلی مخالفت پر مبنی پالیسی سے باز نہ رکھ سکا۔ فرانس میں Action Francaise نامی تنظیم یہود مخالف تھی۔ امریکہ میں بھی جرمن امریکی یونین (Bund) جس کے روح رواں جان برچ سوسائٹی اور کو کلکلس قبیلہ تمام کے تمام بھی فاشسٹ تنظیمیں تھیں جن کے پلیٹ فارم یہود مخالفت میں پیش پیش تھے۔

یہود مخالف تعصب

مغربی جمہوریتوں نے جرمنی سے آئی رپورٹوں اور واقعات پر سخت ردعمل کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک یہ تھی کہ خود برطانیہ اور امریکہ میں یہودیوں کو غیر ملکی کہا جاتا تھا دوسرے لفظوں میں غیر برٹش یا غیر امریکن۔ برطانیہ کو تو اس ضمن میں ''یہود مخالف گولف کلب'' بھی کہا جاتا ہے جہاں یہودیوں کو گولف اور ٹینس کلبوں جیسے معاشرتی اور سپورٹنگ اداروں سے باہر نکال دیا جاتا تھا اور یہ بات برطانیہ کی اپر کلاس کو معلوم تھی کہ یہودیوں کے لیے معاشرتی دروازے بند ہیں۔ فارن سیکرٹری لارڈ ہیلی فیکس (40-1938) تسلیم کرتے ہیں کہ یہود مخالف سوچ سرکاری اداروں میں موجود تھی اور وہ خود بھی یہود مخالف تھا چاہے کم درجے کا تھا۔ ہیلی کے پیشرو انتھوی ایڈن کے بارے میں اس کے پرائیویٹ سیکرٹری کی رائے تھی کہ وہ پرلے درجے کا یہود مخالف تھا اور تعصب میں بہت آگے تھا۔ ایڈن کے معاملے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا نسلی تعصب عربوں کی حمایت کی وجہ سے تھا۔ جنگ کے زمانے میں برطانیہ فلسطین میں استعماری طاقت تھی اور اس نے 1917ء کے بیلفور معاہدے کے بعد یہودیوں کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ فلسطین میں آ کر آباد ہوں جبکہ فلسطین کے عربوں نے اس ہجرت کی مخالفت کی تھی اور برطانیہ کو 1936 میں فلسطینی عربوں کی طرف سے بغاوت اور شورش کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ایڈن جو 1935 تا 1938 اس علاقے میں فارن سیکرٹری تھا، عربی زبان سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اچھی خاصی زبان بول لینے کے سبب عربوں کے خیالات سے آگاہ تھا۔ اس کی ہمدردی عربوں کے ساتھ تھی جس کی بناء پر وہ یہودیوں کو فضول قرار دیتا تھا۔ فارن آفس میں موجود دوسرے افراد کی طرح، ایڈن نے یہودیوں کے قتل عام (ہولوکاسٹ) کے متعلق دل ہلا دینے والے شواہد اکٹھے کرنے میں کوئی گرمجوشی نہیں دکھائی بلکہ تعامل سے کام لیا۔

ان ملے جلے تعصّبات کو اس وقت اہمیت دی گئی جب ہولوکاسٹ پر مبنی واقعات سے پردہ ہٹا اور خبریں فارن آفس لندن میں پہنچ سکیں۔ واشنگٹن ڈی سی میں واقع امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں نازیوں کی یہود مخالف پالیسیوں پر مبنی رپورٹوں پر ردعمل اور نازیوں کا ہاتھ روکنے کی حوصلہ شکنی کی گئی تا کہ معاملہ جب تک چلتا ہے چلنے دیا جائے۔

کرسٹل نائٹ Kristallanacht

نازی جرمنی کے معاملے میں اینگلو امریکی نظریات میں واضح تضادات تھے۔ 1938 میں کرسٹل نائٹ جیسے واقعات کے ردعمل میں امریکن صدر ایف ڈی روز ویلٹ نے احتجاجاً جرمنی سے امریکی سفیر کو واپس بلا لیا جبکہ برطانیہ نے ایسا نہیں کیا۔ برطانیہ کے سرکردہ حکومتی رکن ہیلی فیکس نے اعلان کیا کہ اسے یہودیوں کی عبادت گاہوں کے جلائے جانے پر گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ اس طرح کا ردعمل کئی دوسرے ارکان کی طرف سے بھی آیا۔ جب یہودیوں کے بارے میں برطانوی جذبات کی شدت یہ تھی تو چالیس ہزار یہودیوں کو برطانیہ نے کرسٹل نائٹ کے واقعے کے بعد اپنے ملک میں آنے اور بسنے کی اجازت دی جبکہ امریکہ نے ایسی کسی سخاوت اور فیاضی کا مظاہرہ نہ کیا۔ ایک سروے کے مطابق تمام امریکیوں میں سے ہر چوتھے اور پانچویں امریکی نے اس بات کی مخالفت کی کہ کسی جرمن یہودی پناہ گزین کو ان کے ملک میں آنے کی اجازت دی جائے۔

اگرچہ روز ویلٹ نے 1939 میں فرانس میں یہودی مہاجرین کے سوال پر ایوین کانفرنس کا انعقاد کیا لیکن مورخین اس کے اس اقدام کو ''دکھاوا'' قرار دیتے تھے۔ امریکہ میں تیس ہزار (30,000) یہودی مہاجرین کا مقررہ کردہ سالانہ سرکاری کوٹہ جوں کا توں رہا اور اس کوٹے کے موجود ہوتے ہوئے بھی یہودیوں کو آبادکاری کی اجازت نہ دی گئی جس سے واضح ہوتا ہے کہ روز ویلٹ نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہودیوں سے ہمدردی دکھائے اور اس کی مخالف لابی اس بات پر شور مچا دے کہ امریکہ جرمنی کے خلاف جاری یورپین جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ سیاسی محاذ پر روز ویلٹ کو ایسی مخالف لابی کا سامنا تھا جو اس سیاسی اصول کی حامی تھی کہ ایک ملک کو دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ ایسی سوچ کے پیروکار تاریخ میں Isolationist کہلائے۔ یہ Isolationist دائیں بازو کے یہود مخالف تھے۔ دوسری طرف روز ویلٹ 1940 میں دوبارہ صدر منتخب ہونے کے لیے بے چین تھا، وہ کھل کر اس سیاسی لابی کی مخالفت مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ روز ویلٹ یہود مخالف نہ تھا لیکن دوسرے امریکی صدر کی طرح وہ بھی سیاسی توازن قائم رکھنے کا خواہاں تھا تاکہ اسے کسی ایک مخصوص پلڑے میں نہ تولا جا سکے۔ 1940 کے آخر تک امریکی عوامی رائے عدم مداخلت کی حامی تھی اور اس ایک نقطے نے یہود امریکن گٹھ جوڑ کو پنپنے اور امریکی پالیسی پر حاوی نہ ہونے دیا۔

ہوربلیشا سکینڈل

برطانیہ میں یہود مخالفت کس سطح تک تھی اس کا اندازہ تب ہوا جب جنوری 1940 میں نیوائل چیمبرلین کی دوران جنگ بنائی گئی حکومت میں سے جنگی امور کے وزیر لیسلائی ہوربلیشا جو ایک یہودی تھا، کو کابینہ سے نکال دیا گیا۔ ہوربلیشا کو برطانوی فوج کے جرنیل اس بنا پر ناپسند کرتے تھے کہ وہ برطانوی فوج میں اصلاحات لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری جانب یہ بات طے ہے کہ لارڈ ہیلی فیکس ہوربلیشا کے خلاف تعصب رکھتا تھا۔ ہوربلیشا کے خلاف سرگوشیوں اور افواہوں پر مبنی ایک پراسرار تحریک شروع کی گئی جو سرکاری دفتر سے اس کے نکالے جانے پر منتج ہوئی۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر، ہوبلیشا ایک متحرک اور موثر وزیر تھا۔ ہوربلیشا کی بیدخلی اس بات کو ظاہر کرتی تھی کہ حکومتی ایوانوں کی غلام گردشوں میں یہود مخالف تعصب کس قدر زیادہ اور متحرک تھا۔ اس تعصب کا بہرحال اس نسل پرستی سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا تھا جسے جرمنی میں نازیوں نے ہوا دی تھی لیکن ایک بات طے ہے کہ کچھ برطانوی حکومتی ارکان یہودی مسئلے پر ان سے کم ہمدردی رکھتے تھے لیکن ونسٹن چرچل کھلم کھلا یہودیوں کا حمایتی تھا۔

فرانس میں یہود مخالفت

یہودیوں کی سیاسی مخالفت صرف برطانیہ میں ہی نہ تھی بلکہ فرانس میں بھی دائیں بازو کی جماعت کا 1930 کے اواخر میں نعرہ تھا کہ ''بلم (Blum) کی بجائے ہٹلر'' بہتر ہے۔ یاد رہے کہ لیون بلم 1936 تا 1937 اور پھر 1938 میں فرانس کا یہودی سوشلسٹ وزیراعظم تھا۔ فرانس میں یہود مخالفت اس وقت سامنے آ گئی جب جون 1940 میں مارشل فلپ پیٹین کی قیادت میں واشی دور اقتدار کا آغاز ہوا یا جرمنی کے ساتھ ایک باہمی معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد ہوا۔ واشی ایوان اقتدار نے نازیوں کے ساتھ تعاون کیا تاکہ قانون سازی کی جا سکے۔ اس قانون کی ایک کاربن کاپی جرمن میں پہلے سے ہی نافذ العمل تھی۔ یہ قانون یہود مخالف تھا، نئی قانون سازی کا مقصد فرانسیسی یہودیوں کے گرد گھیرا تنگ کرنا تھا۔ اسی قانون کے تحت وہ بعد ازاں موت کے کیمپوں کی طرف بھیجے گئے۔

جب اتحادی جانتے تھے

لندن میں پبلک ریکارڈ آفس میں ملنے والے ریکارڈ سے ایک بات عیاں ہو جاتی ہے کہ برطانوی 1941 میں روس میں یہودیوں کے خاتمے کے نازیوں کے منصوبے کے بارے میں جانتے تھے۔ یہ اطلاع بلیلے پارک میں واقع برٹش کوڈ اور سائیفر سکول کے ذریعے حاصل ہوئی جس کا کام نازی پیغام رسانی پر نظر رکھنا تھا۔

ایسی اطلاعات کے ملنے کے باوجود برطانوی حکومت کسی ردعمل سے گریزاں کیوں رہی۔ اس کمزوری کا دفاع صرف انہی بنیادوں پر کیا جا سکتا ہے کہ اگر فوری ردعمل کیا جاتا تو جرمن ہوشیار ہو جاتے اور جرمن جنگی کوڈ پر کمند ڈالنے کی برطانوی کوشش تھوڑی سی کامیابی کا گھونٹ پی کر ختم ہو جاتی اور کوئی بڑی کامیابی اتحادیوں کی جنگی کوشش میں شامل ہوئے بغیر سارے بچھائے جال کو لپیٹ دیتی۔ برطانوی خاموشی سیاسی اور فوجی محاذ پر دور رس نتائج کی متلاشی تھی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان حالات میں ایسی خبروں کو بادی النظر میں پروپیگنڈا کہہ کر رد کر دیا جاتا۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جرمن مظالم پر مبنی کہانیوں سے یکسر لاتعلقی ظاہر کی گئی اور انہیں جھوٹی قرار دیکر ان کی صداقت سے انکار کیا گیا لیکن بعد میں رپورٹ ہوئے واقعات کو "سچا" قرار دے دیا گیا۔

اتحادیوں کے پاس نازیوں کے یہود مظالم کے بارے میں اطلاعات دوسرے ذرائع سے بھی دستیاب تھیں۔ مئی 1942 میں مثال کے طور پر وارسا میں پولینڈ کے مقامی باشندوں کی زیرزمین مزاحمتی تحریک کا نمائندہ جان کارسکی ایک رپورٹ کے ساتھ لندن پہنچا، اس رپورٹ نے برطانوی حکومت کو اس طریقے کے متعلق آگہی فراہم کی جس کے ذریعے پولینڈ میں یہودیوں کو منظم طریقے سے صفحۂ ہستی سے مٹایا جا رہا تھا۔ کارسکی کی فراہم کردہ اس اطلاع کو BBC نے 2 جون 1942 کو ریڈیو پر نشر کر دیا۔ حکومت نے دوبارہ اس مسئلے پر خاموشی سادھ لی اور روس یا پولینڈ سے آمدہ اطلاعات پر کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا۔

تاریخ کے مندرجہ بالا مطالعے سے مجھے اپنی اس سوچ کی صداقت کا یقین کامل ہے کہ "ہر قوم اپنے قومی مفاد کو اولین ترجیح دیتی ہے۔" دنیا میں یہ اعزاز شاید ہی کسی کو حاصل ہے کہ "وہ انسانیت کو بچانے کے لیے جنگ میں کود پڑیں۔ اتحادیوں نے اپنی قومی پالیسی کو یہودیوں کی جانوں پر فوقیت دی اور نازی جرمنی اپنا کھیل کھیلتی رہی۔"

رائیز کی ٹیلی گرام

10 اگست 1942 کی ایک صبح لندن میں واقع فارن آفس کی عمارت میں ایک ٹیلی گرام موصول ہوئی۔ یہ ٹیلی گرام غیر جانبدار سوئیڈرلینڈ کے شہر جنیوا سے برطانوی قونصل جنرل کی طرف سے بھیجی گئی تھی۔ اس ٹیلی گرام میں ورلڈ یہودی کانگریس کے سیکرٹری گرہارٹ رائز کی طرف سے ایک پیغام درج تھا۔ یہ پیغام لیبر پارٹی کے یہودی ممبر پارلیمنٹ کو بھیجا جانا تھا۔ ٹیلی گرام کے مندرجات کچھ یوں تھے:

"خطرناک اطلاعات موصول ہو رہی ہیں جن کے مطابق Fuhrer کے ہیڈ کوارٹرز میں ایک منصوبہ زیرغور ہے جس کے تحت ان تمام

ممالک میں جو جرمنوں کے زیر کنٹرول یا زیر قبضہ ہیں، میں بسنے والے تین سے چار ملین یہودیوں کو پہلے بیدخل کر کے اور پھر مشرق میں واقع کیمپوں میں نظر بند کر کے ایک ہی جھٹکے میں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔"

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جب لائینر کی ٹیلی گرام پہنچی یہودیوں کے اجتماعی قتل عام کا فیصلہ کم از کم ایک سال قبل ہو چکا تھا اور گیس اوون ٹریبلنکا اور اوزوچ میں کئی مہینوں سے کام کر رہے تھے۔

لائینر کی ٹیلی گرام جنوری 1942 کی وان سی کانفرنس کا ایک دوسرا رُخ تھا۔ اس ٹیلی گرام نے فارن آفس کو یہودیوں کے بارے میں نازیوں کے منصوبوں کا ٹھیک ٹھیک احوال لکھ بھیجا۔ اس ٹیلی گرام نے حالات کی ماچس کو تیلی دکھا دی لیکن برطانوی حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ فارن آفس کے ایک وکیل نے ٹیلی گرام کے مندرجات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "ہمیں ان واقعات یا اس بے کار کہانی پر کسی ردعمل کا اظہار کر کے معاملات کو آگے بڑھنے یا حل کرنے میں مدد نہیں کرنی چاہیے۔"

ایک ممبر پارلیمنٹ سلور مین نے برطانوی دارالعوام میں نازیوں کے مظالم کی داستانوں پر بحث کرنے کی تحریک پیش کی، فارن سیکرٹری انتھونی ایڈن نے جسے 1940 میں دوبارہ اسی منصب پر تعینات کر دیا گیا تھا، اس تحریک کی مخالفت کی اور اسے بلا جواز قرار دیا۔ سلور مین امریکن یہودی کانگریس کے سربراہ ربی سٹیفن وائیز سے ٹیلیفون پر رائیز کی ٹیلی گرام کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے رابطہ کرنے سے روک دیا گیا۔ 28 اگست 1942 کو ٹیلی گرام کے مندرجات کی اطلاع امریکہ جا پہنچی۔ امریکی حکومت نے بھی برطانیہ کی طرح سیاسی مصلحت کا مظاہرہ کیا اور امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے وائیز کو آمادہ کیا کہ وہ اس اطلاع کو صیغۂ راز میں رکھے جب تک اس کہانی کی تصدیق نہ ہو جائے چنانچہ نومبر 1942 میں امریکی عوام کو برطانوی سفیر کی ٹیلی گرام کے مندرجات کا علم ہوا لیکن اس وقت تک لاکھوں یہودی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

ویٹیکن

کیتھولک چرچ یورپ کے بااثر تین اداروں میں سے تھا۔ یہ تنظیم مغربی جمہوریتوں کے مقابلے میں زیادہ باخبر تھی۔ مقبوضہ پولینڈ میں نازی مظالم کے بارے میں اس تنظیم کی حاصل کردہ معلومات کسی اعتبار سے حکومتی اطلاعات سے کم معتبر نہ تھیں۔ پولینڈ یورپ بھر میں سب سے کٹر کیتھولک ریاست تھی۔ ان معلومات کے باوجود پوپ پئیس XII نے نازی مظالم کی مخالفت نہ کی اور خاموش رہا۔ اس سے قبل اُس کے پیشرو پئیس XI نے 1937ء میں نازی ازم کے خلاف مذمتی بیان جاری کر کے نازی ازم پر حملہ کیا تھا۔ پوپ پئیس XII کی اس خاموشی یا ناکامی کے بارے میں تاریخی حقائق کیا کہتے ہیں؟ اس کی وجہ یہودیت اور کیتھولزم کے درمیان صدیوں پرانا تناؤ ہی نہ تھا بلکہ پئیس XII کی شخصیت اور تجربے کے بارے میں سوالیہ نشان تھا۔ جبکہ پئیس کا خیال تھا کہ یہودیوں کے بارے میں اس کی پالیسی صحیح تھی۔ وہ بلاشبہ ایک مخلص انسان تھا۔ اس نے حالات کو مزید خرابی سے بچانے کے لیے، نازیوں کی یہود مخالف پالیسی کے خلاف عوامی سطح پر احتجاج کرنے سے اجتناب کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے منہ کھولنے پر حالات نہ صرف یہودیوں کے لیے مزید خراب ہونگے بلکہ اس کے ہم مذہب بھی متاثر ہوں گے جن کی کیتھولک چرچ سے وابستگی پر نازیوں کی

طرف سے حوصلہ افزائی نہ کی گئی تھی۔ پئیس کو اپنے اس فیصلے پر یہودی اور غیر یہودی دونوں کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ مورخین اس بات کی منطق سمجھنے سے قاصر ہیں کہ پوپ پئیس XII کے مذمتی بیان دینے سے حالات مزید خراب کیسے ہو سکتے تھے جو پہلے ہی دگرگوں تھے۔

پوپ کے فیصلے پر تاریخی اعتبار سے تین عوامل اثر انداز ہوئے۔ سب سے پہلا 1939 میں پوپ بننے سے قبل، وہ کئی سال تک جرمنی میں پاپل سفیر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے چکا تھا جس کی بدولت قدرتی طور پر اس کے دل میں جرمنی کے لیے نرم گوشہ تھا اور وہ اس کی مخالفت کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ دوئم کیتھولک چرچ کی درجہ بندی کے اعتبار سے وہ بھی دوسرے ارکان کی طرح کمیونزم کو نازی ازم کی نسبت کیتھولزم کے خلاف زیادہ بڑا خطرہ تصور کرتا تھا۔ اس پس منظر میں ایک مورخ لکھتا ہے کہ

ایک نظریے کی رو سے جرمنی یورپ کا باچیپن (Bastion) تھا، اسی نظریے نے پوپ کے دماغ میں جاری خیالات کو متفرق کر دیا تھا جس کی بدولت پاپیلی پوپ پئیس XII (1939 سے) نیشنل سوشلزم کے خلاف عوامی سطح پر مذمتی بیان جاری نہ کر سکا۔

ان کے اس مفروضے نے کہ فاشزم کمیونزم کی نسبت قابل قبول تھا، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں کو جھوٹ اور غیر اخلاقی مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔ تیسرا لفظ جو پوپ کے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا وہ 1940 میں جرمن قبضے کے تحت ہالینڈ میں ہونے والے واقعات تھے جب کیتھولزم مذہب قبول کرنے والے یہودیوں کو نازی مظالم کا سامنا کرنا پڑا تھا، کیتھولک انتظامیہ کے اراکین کی طرف سے نازیوں کی مذمت کرنے پر درجنوں کیتھولکس کو نظر بندی کیمپوں میں بند کر دیا گیا تھا۔ پوپ پئیس نے لازماً یہ سوچا ہوگا کہ مذمتی بیان جاری کرنے پر یہودیوں کی ایک کثیر تعداد کو ویسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

اس بات کی شہادت موجود ہے کہ بڈاپسٹ میں پاپل نینسیو کی طرف سے ہنگری کے یہودیوں کو پناہ پوپ کی طرف سے اجازت ملنے پر ہی دی گئی تھی، لیکن تحفظ حاصل کرنے والے یہودیوں کی تعداد ان یہودیوں کے مقابلے میں نہایت قلیل تھی جو 1944 اور 1945 کے درمیانی عرصے میں ہلاک ہو چکے تھے۔ پوپ XII پر تنقید کرنے والوں نے کہا کہ پوپ نے یہودیوں پر نازیوں کے مظالم پر خاموش تماشائی بن کر چرچ کے سب سے بڑے لیڈر کی حیثیت سے اپنی اخلاقی ذمہ داری سے روگردانی کی ہے۔ انہوں نے منیسٹر کے جرمن بشپ اگست وان گیلن کی مثال دیتے ہوئے کہا جس نے 1941 میں نازی کی Euthanasia Policy کی کھلم کھلا مخالفت کی تھی۔ خواہش کے باوجود نازی بشپ کو گرفتار نہ کر سکے کیونکہ بشپ کی مقبولیت نے انہیں اس امر سے مانع رکھا۔ اس موقع پر یہ ذکر کرنا عین موزوں ہے کہ نازی euthanasia پالیسی پر عمل درآمد خفیہ انداز میں کرتے تھے۔ اس کے باوجود کہ بشپ نے ان کی اس پالیسی کے خلاف اُٹھائی وہ کھل کر سامنے نہیں آئے۔

پروٹسٹنٹ چرچ

نازی ازم کالی آندھی کی طرح جرمنی اور گردونواح میں چھایا ہوا تھا۔ جرمن معاشرے کا ہر طبقہ نازی ازم کے اثرات تلے متاثر تھا۔ اس صورت حال میں پروٹسٹنٹ کے پاس تین ممکنات تھیں۔

-1 کچھ پروٹسٹنٹ نازیوں کا کھلم کھلا ساتھ دے رہے تھے اور ان کے نام نہاد "رائخ چرچ" میں شامل ہو گئے تھے۔

2- کچھ پروٹسٹنٹ نے کمتر درجے کا رویہ اختیار کئے رکھا اور نازی پالیسی کے خلاف کوئی لفظ بھی زبان پر نہیں لاتے تھے۔

3- اِن حالات میں ایک اقلیت ایسی بھی تھی جو ہیرو بن کر ابھری۔ اس اقلیت کی قیادت پاسٹر ڈائیٹرچ بونیوسفر کے ہاتھوں میں تھی۔ اس نے 1943 میں یہودیوں پر ظلم ڈھانے کے خلاف احتجاج کیا۔ اس گروپ نے گناہوں کا اقرار کرنے کے لیے ایک مخصوص چرچ (Confessing Church) قائم کیا۔

اس چرچ کو بیرون ملک سے خاصی مدد اور تعاون ملا جیسے انگلینڈ میں چاچسٹر (Chichester) کے بشپ جارج بیل کی طرف سے نازیوں کے خلاف مزاحمت کی بھرپور سپورٹ کی گئی۔ مجموعی تاثر یہ تھا کہ جرمنی کے اندر اور باہر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ چرچ دونوں نے طاقتور حکمت عملی اور ضرورت کے اعتبار سے مضبوط موقف اختیار نہیں کیا۔ اس کے برعکس ایک وہ بھی صورت حال تھی جب بونوئفر (Bonhoeffer) اور کیتھولک راہب الفریڈ ڈیلپ نے ہیروانہ مزاحمت رقم کی، وہ دونوں نازی ازم کے خلاف مزاحمت کرتے ہلاک ہوئے۔ کیتھولک چرچ جنگ کے دوران اپنائی یہودیوں کے بارے میں اپنی پالیسی میں کسی غلطی کا اعتراف کرنے سے گریزاں تھے، اس رویے نے یہودیوں کے خلاف مخاصمت کا ماحول بنائے رکھا اور چرچ یہودیوں کو کوئی اخلاقی ہمدردی بھی فراہم نہ کر سکا۔

جنگی جرائم

دوسری جنگ عظیم کے دوران اتحادیوں کے درمیان ایک سوال گردش کر رہا تھا کہ جنگ جیتے جانے کے بعد جرمنی میں ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہیے جو انسانیت کے خلاف جرائم کے مرتکب ہوئے تھے۔ 22 جون 1941 کو جس روز جرمن فوج نے روس پر حملہ کیا، ایک ریڈیو خطاب میں برطانیہ کے وزیراعظم ونسٹن چرچل نے نہ صرف نازیوں بلکہ ان کو بھی جنہوں نے اس کے ساتھ مقبوضہ یورپ میں تعاون کیا، سخت سزا اور خطرناک نتائج کی دھمکی دی۔ چرچل نے وارننگ دیتے ہوئے کہا ''فتح کے بعد کل انہیں اتحادی ٹریبیونلز کے سامنے انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا۔

برطانیہ کا آفس جنگی جرائم کے قصورواروں کے بارے میں زیادہ پر جوش نہ تھا بلکہ وہ مغربی یورپ سے آنے والی رپورٹوں کو شک کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ ان رپورٹوں میں ظلم کی داستانیں رقم تھیں۔ جب ایسی رپورٹوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور خطرناک رپورٹیں یورپ سے آئیں جن میں 34,000 یوکراین یہودیوں کے قتل عام کا ذکر تھا۔ سن 1941 بمقام بابی یار (Babi-yar) تھا۔ اِن رپورٹوں کو بھی سلوا کیائی لوگوں کا تخیل'' قرار دیکر مسترد کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ جب ان رپورٹس کی صداقت کا یقین بھی ہو گیا تو فارن آفس کے ایک رکن نے کہا کہ جنگ کے بعد نازی جنگی مجرموں کو تلاش کر کے قانون کے کٹہرے میں لانا ناممکن امر ہوگا۔ فارن آفس کا خیال تھا کہ یہی ٹھیک رہے گا کہ ان جنگی مجرموں کو یعنی جرمنوں کو ان کے ہمسایوں کے رحم، کرم پر چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ اپنے انتقام کی آگ بجھالیں، یہ ان کو کسی علیحدہ نظام کے تحت قانون کے کٹہرے میں لانے سے بہتر ہوگا۔

فارن آفس مختلف خیالات کے دوراہے پر تھا۔ ایک طرف نازی مظالم تھے دوسری طرف اتحادیوں کا دباؤ تھا۔ اب تیزی سے بدلتے حالات میں فارن آفس لٹو کی طرح گھوم رہا تھا۔

25 اکتوبر 1941 کو صدر روز ویلٹ نے نازی بربریت کے خلاف مذمت کا بیان دیا۔ یاد رہے کہ امریکہ اس وقت تک غیر جانبدار تھا۔ دوسری جانب ونسٹن چرچل نے روز افزوں بڑھتے جنگی جرائم کے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ چرچل کی خواہش تھی کہ امریکہ اب اپنی غیر جانبداری ختم کر دے۔

برطانیہ کا روس سے اتحاد کا معاہدہ تھا ایسا روس پر جرمن حملے کے بعد کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ روسی رہنما جوزف سٹالن سے جنگی جرائم کے متعلق کمیشن قائم کرنے کے لیے کوئی مشورہ نہ کیا گیا تھا۔ جب امریکہ دسمبر 1941 میں جنگ میں کودا، نہ امریکی وزیر خارجہ کورڈل ہل اور نہ ہی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے نازی جنگی مجرموں کو سزا دینے کے سوال پر کوئی گرمجوشی دکھائی۔ یہ تجویز کیا گیا کہ اس عمل میں بہت سے ایسے وسائل جھونک دیے جائیں گے جن کی اتحادیوں کے لیے زیادہ ضرورت ہوگی۔

برطانیہ اور امریکہ کی طرف سے سست ردعمل کے سبب اتحادی طاقتیں یہودیوں کے خلاف نازی بربریت کی ٹھوس شہادتوں پر کان نہیں دھر رہی تھیں جبکہ شہادتیں دھڑا دھڑ اکٹھی ہو رہی تھیں۔ برطانوی حکومتی سرکل میں ان رپورٹوں پر شک وشبہ موجود تھا جس میں 1941 میں برطانوی جنگی قیدیوں کے SS کے ہاتھوں قتل عام کا ذکر تھا حالانکہ یہ رپورٹ واپس لیے گئے برطانوی قیدیوں کی جانب سے تیار کی گئی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ سرکاری لوگ جو اپنے ہی ہم وطنوں کی رپورٹوں پر یقین نہ کرتے رہے، ان کے پاس مقبوضہ یورپ میں یہودیوں کے مستقبل کے متعلق پھیلی ''بیکار کہانیوں'' پر یقین نہ کرنے کی بے شمار وجوہات ہونگی۔ اس تناظر میں ایک تجویز یہ بھی منظر عام پر آئی کہ بدنام زمانہ گسٹاپو کے تمام ارکان کو گرفتار کر لیا جائے لیکن مذکورہ تجویز رد کر دی گئی۔

ہنگری کے یہود

1944 میں ہنگری کے یہودیوں پر گزرنے والی قیامت کی تفصیل جب سامنے آئی تو اتحادی طاقتیں لاتعلق نہ رہ سکیں اور نہ کسی بہانے جان چھڑا سکیں۔ فلسطین کے لیے قائم کردہ یہودی ایجنسی ایک طویل مدت سے برطانوی حکومت سے اپیلیں کر رہی تھی کہ وہ ہنگری کے یہودیوں کو فلسطین جا کر آباد ہونے کی اجازت دیدے۔ یہ دلیل رد کر دی گئی تھی۔ درحقیقت برطانوی پالیسی یہ تھی کہ فلسطین اور عرب کی آبادی کو مطمئن اور ٹھنڈا رکھا جائے برطانوی حکومت نے 1939 میں ایک وائٹ پیپر تیار کیا تھا جس میں فلسطین کی طرف نقل مکانی کرنے کے لیے یہودیوں کا سالانہ کوٹہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ 1944 میں یہ نقل مکانی اچانک رک گئی۔ ایسا ایک واقعے کے ردعمل کے طور پر ہوا جب ہنگری کا ایک یہودی جوئیل برانڈ ترکی پہنچا وہ وہاں آئیکمین نامی شخص کی پیشکش پر آیا تھا۔ آئیکمین اتحادی فتح کے بعد اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ فتح کے بعد تمام ہنگرین یہود کافی، چائے، صابن اور 10,000 ہزار ٹرکوں کے تبادلے میں رہائی پا سکیں گے۔ بہرکیف برانڈ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسے گسٹاپو تنظیم کے لیے جاسوسی کرنے کے شبے میں گرفتار کیا گیا۔ آئیکمین کی پیش کش سے کچھ حاصل نہ ہوا اور وہ یہودیوں کو زبردستی واپس پولینڈ بھیجتا رہا۔

ہنگری کے یہودیوں کی حالت زار دیکھ کر امریکی عوام کی طرف سے انتہائی جذباتی ردعمل دیکھنے میں آیا، جس کے دباؤ میں برطانیہ نے ہنگری کے یہودیوں کو فلسطین کی طرف جانے اور وہاں آباد ہونے کے لیے 500 امیگریشن سرٹیفیکیٹس جاری کر دیے۔ امریکی حکومت نے بھی راول

ویلنبرگ کی تحریک کی حمایت کی جس میں بڈاپسٹ کے یہودیوں کو تحفظ دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ جب سرخ فوج نے 1945 میں بڈاپسٹ پر قبضہ کر لیا تو روسی فوج نے ویلنبرگ کو امریکی ایجنٹ قرار دیکر پابند سلاسل کر دیا تھا۔

ہنگری کے یہودیوں کی ابتر حالت نے امریکی جنگی ڈیپارٹمنٹ کے افسروں کو بھی متاثر کیا۔ انہوں نے سفارتکاروں پر نازیوں کے جنگی جرائم کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے دباؤ ڈالا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی فارن آفس نے لندن میں ایسے افراد کی فہرست کی تیاری شروع کی جو جنگی جرائم کے حوالے سے بدنام زمانہ تھے۔ ایک سوال یہ بھی اٹھایا جا رہا تھا کہ آیا جرمن فوجی جرنیلوں اور سفارت کاروں کے نام ایسی فہرست میں آنے چاہیے۔ چونکہ یہ معاملہ دل سے نہیں لیا جا رہا تھا اس لیے التوا کا شکار رہا۔ 1944 کے اختتام تک یہ واضح ہو چکا تھا کہ برطانیہ کی نیت ٹھیک نہیں تھی اور جنگی جرائم کے متعلق برطانوی پالیسی ناکامی سے دوچار ہو گئی اب اس معاملے پر امریکہ کو آگے بڑھنا تھا۔

نتیجہ

ہولوکاسٹ کے متعلق اینگلو امریکن جمہوریتوں اور عیسائی چرچ کا ریکارڈ متاثر کن ہرگز نہیں تھا۔ تعصب اور سیاسی مفاد کی کمزوری نے مقبوضہ یورپ کی خطرے میں گھری یہودی آبادی کو خطرے سے نکالنے کی کوئی خاص دوڑ دھوپ نہ کرنے دی۔ بقول مورخ ماروس، رائینر کی ٹیلی گرام نے حالات کی وہ صحیح منظر کشی نہ کی جو یورپ میں چل رہے تھے یا وقوع پذیر ہو چکے تھے لیکن اس نے ایک کام ضرور کیا تھا، اس نے خطرے کی گھنٹیاں بجادی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے پیغامات کو شروع میں شک کی نظر سے دیکھا گیا لیکن بعد میں نہ چاہتے ہوئے اس پر عمل درآمد کیا گیا۔ اس رویے سے تب کی مغربی حکومتوں کی غفلت اور عدم توجہی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یقیناً ہولوکاسٹ کو نازیوں نے رازداری کے پردے میں سرانجام دیا اور مورخ مارٹن گلبرٹ اپنی اس بات میں شاید سچا ہو کہ 1944 کے وسط میں اوزوچ سے چار یہودیوں کے فرار نے دنیا تک یہ کڑوا سچ پہنچایا کہ اوزوچ میں کیا خونی کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ اگرچہ BBC برطانوی پریس اور کسی حد تک امریکی پریس کے پاس نازیوں کے مظالم اور یہودیوں کے اجتماعی قتل عام کے بارے میں اطلاعات موجود تھیں۔ 1942 تک چرچل جیسے سیاست دانوں کے پاس ایکشن لینے کے لیے کافی رپورٹیں آ چکی تھیں۔ لیکن ایسے سیاست دان اقلیت میں تھے جو یہودیوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ (چرچ کو یہودی مسئلے پر خاصی تشویش تھی اور وہ بارہا ان سے اظہار ہمدردی بھی کرتا تھا) لیکن اس کی پشت پر یہودیوں کے حمایتی سیاست دانوں کی تعداد کم تھی۔

چرچ نے اکتوبر 1943 میں ہولوکاسٹ کی ان الفاظ میں مزمت کی۔ اللہ کا قانون یا نظام ''صفحہ ہستی سے مٹا دینے'' ختم کر دینے یا بیکار زندگی جیسے الفاظ نہیں جانتا۔ تلوار کا یہ استعمال نہیں ہے کہ وہ مردوں کو صرف اس بنا پر ختم کر دے کیونکہ وہ کسی مجرم کے رشتہ دار ہیں یا دماغی لحاظ سے معذور ہیں یا کسی غیر ملکی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ حق اہل اقتدار کا ہے، ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنا کام ذمہ داری سے سرانجام دیں قبل اس کے کہ خدا ہم سے ہمارا کام اپنے ہاتھ میں لے لے۔

ہولوکاسٹ کے منکر

امریکہ اور یورپی ممالک میں اطلاعات اور رپورٹوں کے انبار موجود ہیں جو جنگ سے قبل اور بعد کے حالات، واقعات کا پتہ دیتے ہیں کہ ہولوکاسٹ کے محرکات کیا تھے اور اسے کس طرح پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ جنگ کے بعد بہت سے مورخین اور ناقدین نے اس پر سیر حاصل بحث کی تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیا جا سکے۔ ہر دور میں ہر کاتب تاریخ نے حالات کو اپنی مخصوص نظریاتی عینک سے حالات کو جانچا جس کی بناء پر کسی نے اس واقعے کی صداقت کو تسلیم کرنے سے ہی صاف انکار کر دیا۔ اس واقعے کے وجود کے انکاری یہ کہہ کر خونی کھیل میں سے خون کا لفظ صاف کر نے کی کوشش کرتے ہیں کہ واقعے کو غلط رنگ دیکر اور بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے جیسے مرنے والوں کی تعداد میں مبالغہ آمیزی کی گئی ہے یا اس دور سے مماثلت رکھنے والے دوسرے واقعات کو آگے لا کر ہولوکاسٹ کا وزن کم کرنے کی کوشش کی گئی جیسے 1945ء میں اتحادیوں کی طرف سے جرمن شہر ڈرسڈن پر کی جانے والی وحشیانہ بمباری کے مقابلے میں ہولوکاسٹ کسی صورت میں ظلم و بربریت کی اتنی بڑی مثال نہیں تھا اس بمباری نے اَن گنت انسانوں کو ان کی عمریں اور صنف پوچھے بغیر موت کی پر خار وادی میں دھکیل دیا تھا۔ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھتے ہیں کہ کونسے ملک میں ہولوکاسٹ کے منکر کون تھے اور ان کا استدلال کیا رہا تھا؟

امریکہ میں ہولوکاسٹ کے منکر تب کی امریکی سیاست میں دو طرح کے گروپوں کی شکل میں تھے، ایک Isolationist کہلاتے تھے جن کا استدلال یہ تھا کہ دوسرے ملکوں کے معاملات میں مداخلت مت کی جائے دوسرا گروہ وہ مخصوص طبقہ تھا جو یہود مخالف تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے عرصے میں فاشسٹ نظریات کے پیروکاروں کی ایک نئی جماعت (Neo-fascists proponents) ابھر کر سامنے آئی تھی جو ہولوکاسٹ جیسے واقعات کے انکاری تھے اور اس جیسے کئی دلخراش جنگی واقعات کو پیش کر کے ہولوکاسٹ کی اہمیت کو کم کرتے تھے۔ ایسے انکاریوں میں درج ذیل افراد قابل ذکر ہیں۔

H.Elmer Barnes

امریکہ میں ایچ ایمر بارنز کو ہولوکاسٹ کو نہ ماننے والوں کا باپ قرار دیا جاتا ہے۔ بارنز پیشے کے اعتبار سے ماہر عمرانیات (Sociologist) تھا۔ ابتدا میں اس نے معاہدہ ورسیلز کے حوالے سے جرمن قوم کے مصائب میں ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ بتدریج وہ اپنے نقطہ نظر سے ہٹتا چلا گیا اور نازی جرمنی کی غلطیوں پر معافی مانگتا نظر آتا تھا۔ 1962ء تک وہ اکثر اپنے اردگرد تھرڈ رایخ کے مظالم کے بارے میں سوال کرتا تھا کہ کیا واقعی انہوں نے نسل پرستانہ رویہ رکھا تھا؟

بارنز کا دعوی تھا کہ مغربی رہنماؤں نے ہٹلر کے ساتھ 1930 کی دہائی میں معاملات طے کرنے کی کوشش کی تھی اس بات کا ثبوت (بقول اس کے) یہ تھا کہ جرمنی کے جنگ ہارنے کے بعد، ہٹلر کو زیر عتاب لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ بارنز نے ابتدا میں دعوی کیا تھا کہ ہولوکاسٹ میں مارے جانے والے یہودیوں کی تعداد میں مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس کا نقطہ نظر یہ تھا کہ گیس چیمبر نام کی جگہ کبھی وجود میں نہیں رہی۔ بارنز کو یقین تھا کہ یہ جرمنی نہیں تھا جس نے دوسری جنگ عظیم کا آغاز کیا بلکہ اتحادی دوسری جنگ عظیم کو شروع کرنے کے ذمہ دار تھے۔ اس نے ہولوکاسٹ کو

دوسرے خونی واقعات کی طرح کا ایک واقعہ قرار دیا جس پر شور وغوغا زیادہ کیا گیا تھا اور واقعات کو مبالغہ آرائی کی چٹنی لگا کر پیش کیا جا رہا تھا۔ عیسائی سوچ پر یہودی غلبے کے تناظر میں بارنز کو ایک حوصلہ مند مصنف ضرور قرار دیا جا سکتا ہے چاہے اس کا موقف درست رہا ہو یا غلط وہ ایسے لوگوں کو مردے جلانے والی جگہ کے درجے کے جھوٹے قرار دیتا ہے۔ وہ اسرائیلی سیاست دان جنہوں نے خیالی واقعات کو عدم وجود سے وجود میں لانے کے لیے کئی بلین جرمن مارک صرف کر ڈالے اور ان واقعات کے فرضی شکاروں کی تعداد کو بڑھا چڑھا اور جھوٹے انداز میں پیش کر کے دنیا کی ہمدردیاں جیتنے کی کوشش کی۔ بارنز کے مطابق، اسی عرصے میں اتحادیوں کے مظالم کا نشانہ بننے والوں کی تعداد کتنی زیادہ ہے ان سے جو گیس اوونز کے ذریعے ''مبینہ طور'' پر ہلاک کیے گئے۔ اتحادیوں کے مظالم زیادہ ہولناک اور منظم تھے۔ بارنز لفظ alleged استعمال کرتا ہے یعنی الزام ہے (ثابت نہیں ہے)۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ نازی جرمنی نے یہودیوں کے خلاف جو بھی ظالمانہ اقدامات کیے وہ ہولناکی اور سفاکی میں اتحادیوں سے کم تھے جنہوں نے جرمنی میں ڈرسڈن شہر پر بمباری اور جاپان میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر ایک نئی تاریخ رقم کی۔ 1945 کے بعد جب مغربی جرمنی کی حکومت نے نازی دور اقتدار میں متاثر ہونے والے یہودیوں کو معاوضہ دیکر ان کے دکھوں کا مداوا کرنا چاہا تو بارنز نے اسے غم سہہ کر خوشی حاصل کرنے کی ایک کوشش قرار دیا۔ جب مغربی جرمنی نے یہودی ریاست اسرائیل سے سابقہ تلخیوں پر معافی مانگی تو بارنز غصے میں سیخ پا ہو گیا۔

ہولوکاسٹ کے انکاری مورخین میں سے نمایاں ترین مورخ ڈیبورا لپسٹیٹ نے تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ بارنز کے خیالات کی جڑیں اسکے یہود مخالف نظریات کی مرہون منت ہیں۔ وہ یہودیوں کے خلاف تعصب رکھتا تھا جس کی وجہ سے اس نے ہولوکاسٹ کی صحت سے انکار کیا۔ اس بات کا جواب بارنز نے یوں دیا کہ میرے حریف میرے خیالات کو یہود مخالفت سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ وہ تاریخ کے میرے نقطہ نظر کو جھٹلا نہیں سکتے۔

آرتھر آر بز (Arthur R. Butz)

آرتھر کا نام امریکہ میں ہولوکاسٹ کے منکروں میں سرکردہ نام ہے اپنی کتاب "The Hoax of the twentieth century" میں بز کا دعویٰ تھا کہ گیس چیمبروں کا کبھی وجود تھا ہی نہیں کیونکہ جرمنی نے کبھی ایسی کوشش نہیں کی کہ یہود کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ بز کے مطابق جن کو موت کے کیمپ کہا جاتا ہے وہ عارضی رہائشیں تھیں جہاں یہودیوں کو ان کی حفاظت کے لیے منتقل کیا جاتا تھا ایسا اس وقت کیا جاتا تھا جب سرخ فوج مشرقی محاذ کے نزدیک آجاتی تھی۔ جرمن زبان میں ان سراؤں کو Ghettos کہہ کر پکارا گیا۔

آرتھر آر بز امریکی ریاست الی نوئیس کے شہر ایوانسٹن کی نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی میں الیکٹرک انجینئرنگ اور کمپیوٹر سائنس کا سابقہ لیکچرار تھا۔ بارنز کی طرح آرتھر کے پاس مورخ کہلوانے کے لیے باقاعدہ بنیاد نہ تھی۔ لوسی ڈیوڈووز بز کی کتاب کو ''ایک پاگل دماغ کی اختراع'' قرار دیتی ہے۔ امریکہ میں سب سے بڑی اور سب سے امیر لبرٹی لابی نے بز کو سپانسر کیا تھا۔ یہی وہ ادارہ تھا جو ایک صیہونی مخالف تنظیم "Institute for Historical Review" کے نام سے ایک پرچہ نکالتا تھا تاکہ تعلیمی حلقوں میں ادارے کی ساکھ مستحکم ہو سکے اور ادارے کی قانونی حیثیت اور معاشرتی قدر بہتر سے بہتر ہو۔

ہولوکاسٹ کے دوسرے امریکی منکر

بارنز اور برز کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہولوکاسٹ کے کئی امریکی منکر منظر عام پر آئے۔ مثال کے طور پر 1959 میں جیمز میڈول نے دعویٰ کی کہ جرمن یہودیوں کی کل آبادی صرف چھ لاکھ تھی تو پھر 6 ملین (60 لاکھ) یہودی کیسے مرسکتے ہیں، وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ یورپی یہودی ہلاک ہوگئے تھے۔ 1959 میں بینجامن ایچ فریڈ مین نے دعویٰ کیا کہ چونکہ امریکن یہودیوں نے مردم شماری کا سوالنامہ مکمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس سوالنامے میں ان کی مذہبی وابستگی کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا۔ اس انکار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے جن 6 ملین یہودیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہولوکاسٹ میں نازی جرمنی کے مظالم کی بھینٹ چڑھ کر موت کا شکار بن گئے۔ وہ امریکہ میں خیر و عافیت سے زندگی بسر کررہے ہیں۔ 1970 کی دہائی میں ہولوکاسٹ کے ایک اور انکاری آسٹن ایپ نے دعویٰ کیا کہ ہولوکاسٹ سفید جھوٹ تھا جبکہ ایک دوسرے مورخ ولیم گرمسٹیڈ نے کہا دونوں جنگ عظیم چھڑنے کے ذمہ دار یہودی ہیں۔

اس بحث سے قطع نظر مورخین کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی تاریخی واقعے کی صداقت کی کھوج لگا کر کھرا اور کھوٹا تلاش کر سکتے ہیں۔ مورخین کی اکثریت کی رائے میں ہولوکاسٹ کو تسلیم نہ کرنے والوں کے دعویٰ جھوٹے اور عزائم جارحانہ ہیں، انہوں نے نیورمبرگ مقدمات سے حاصل ہونے والے شواہد کو نظر انداز کیا ہے۔ مثال کے طور پر Journal of Historical Review 1980 میں $80,000 کی رقم کی پیش کش کرتا تھا۔ اس یہودی کے جسم کی چربی سے صابن کی ایک بار بنتی تھی جو 25,000 $ کی خطیر رقم دے دیتی تھی۔

ہولوکاسٹ کے انکاری یورپ میں

دائیں بازو کے انتہا پسند امریکن جو ہولوکاسٹ کی دعویٰ کردہ سطح کے وجود سے انکار کرتے تھے، یورپ میں بھی اپنے ساتھی اور ہم خیال رکھتے تھے جو ہولوکاسٹ کو بنی نوع انسان کی تاریخ کا اتنا بڑا واقعہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ ان کرداروں میں سب سے با اثر ترین فرانسیسی پال اینیر پانچ کتابوں کا مصنف تھا جن میں سب سے مشہور "Debunking the Genocide Myth" 1960 کی دہائی کے دوران پال اینیر کا بارنز پر خاصا اثر و رسوخ تھا، بارنز وہ پہلا شخص تھا جس نے گیس چیمبر کے وجود پر سوال اٹھایا۔ اس کے ہم وطن رابرٹ فاورِیسن نے اپنی کتاب "Testimony for the Defence" میں لکھا کہ این فرینک کی ڈائری جعلی اور گیس چیمبرز ایک چال تھی۔

برطانیہ میں شہرہ آفاق Reveisionist ڈیوڈ ارونگ نے دعویٰ کیا (اگرچہ اس دعویٰ کو بہت سے مورخین تسلیم نہیں کرتے) کہ ہٹلر بیسویں صدی کا کمزور ترین لیڈر تھا، اسے ہولوکاسٹ جیسے انسانی تاریخ کے بدترین المیے کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ ارونگ یہاں تک کہتا ہے کہ کہ ہیڈرچ نے یہودیوں کا صفایا، کرنے کے لیے ہٹلر سے اجازت حاصل نہ کی تھی۔ یہ خیال ان جیسے بہت سے ایسے خیالات میں سے ایک ہے جو ہٹلر کو ہولوکاسٹ کی ذمہ داری سے آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر کسی ایک کاغذ پر اس کے دستخط نہیں ہیں جس سے اس بات کا یقین ہو کہ یہودیوں کے اجتماعی قتل کا حکم اس کے احکام سے ہوا تو ایسے کسی کاغذ کے نہ ملنے کا یہ مطلب نہیں کہ اسے ہولوکاسٹ کی ذمہ داری سے آزاد کر دیا جائے۔

بیورکریسی کے معاملات میں اس کی سست روی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے ماتحتوں کو جو احکام دیے وہ زیادہ تر زبانی تھے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُروِن کیوں ہولوکاسٹ کی ذمہ داری ہٹلر کے کندھوں سے اُتار کر ہملر اور ہیڈرچ کے سر تھوپنا چاہتا تھا؟ اس بات کا واضح جواب دستیاب نہیں ہوسکا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ ہٹلر کو چونکہ وہ فاشزم کی علامت کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے اس لیے (Revisionist) کا خیال تھا کہ ہٹلر کو ہولوکاسٹ جیسے مہلک واقعے سے لاتعلق رکھا جائے۔

ہولوکاسٹ کے واقعے کے وقوع پذیر ہونے سے یکسر انکار کرنے والے دوسرے برطانوی کسی اعلیٰ پائے کے تاریخی کام کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ جتنا شاید اُروِن کرسکتا تھا۔ ماسوائے ان کی شکل میں نیوفاشسٹ نیشنل فرنٹ اور برطانوی تحریک کے ارکان کا متفرق اجتماع ہی نظر آتا ہے۔

جرمنی میں بھی ہولوکاسٹ سے انکار کرنے والے پیدا ہوئے لیکن ان کے کام تحقیق کے بنیادی پیمانوں پر پورا نہ اترنے کے سبب مسترد ہوئے اور انہیں "Revisionists" کا معزز لقب دینے کے قابل نہ سمجھا گیا۔ اس کی وجہ 1990 میں جرمنی کے دوبارہ متحد ہونے کے بعد، سابقہ مشرقی جرمنی میں نازی طرز کی سیاست کے لیے حمایت میں اضافہ ہونا تھا۔

ہولوکاسٹ سے انکار کی اہمیت

ہولوکاسٹ سے انکار کرنے والوں نے اپنے موقف پر زور دیتے وقت جو دلائل دیے وہ مستند مورخین کے مقرر کردہ پیمانوں کے اُلٹ تھے انہوں نے واقعاتی شہادتوں کو توڑ مروڑ کر اپنے استدلال میں وزن پیدا کرنے کی سعی کی، اس مقصد کے لیے شہادتوں میں جعلسازی اور دھوکے بازی سے بھی گریز نہ کیا گیا۔ ہولوکاسٹ سے انکار کا مطلب اوزوچ جیسے قصاب خانے سے بچ نکلنے والوں کے زخموں پر نمک چھڑکنا تھا۔ جنہوں نے موت کو قریب سے دیکھا تھا۔ اب ان سے کہا جائے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ البتہ جمہوری معاشروں میں ماضی کے متنازعہ موضوعات پر سوال اٹھانے کا حق تسلیم کیا جاتا ہے چاہے یہ سوالات جتنے مرضی جارحانہ ہوں۔ یاد رہے کہ جرمنی میں ہولوکاسٹ سے انکار ایک جرم ہے جس کی سزا قید ہے۔ جب نسل پرستی پر اکسانے والی کوئی تحریر چھپ جائے تو قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد نیوفاشسٹ تحریکوں اور ہولوکاسٹ سے انکار کرنے والوں کے درمیان نزدیکی روابط نے نسلی منافرت پر اکسانے کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ کوئی حادثاتی امر نہیں ہے جب ایک امریکن خود پسند نازی لیڈر جارج لنکن راک ویل نے دعویٰ کیا کہ ہولوکاسٹ ایک خطرناک لیکن منافع بخش دھوکہ ہے۔

فرانسیسی تنظیم Front national کی لیڈر جین میری لی پن نے کہا کہ ہولوکاسٹ سے متاثرہ افراد کی تعداد کے بارے میں مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ ایسے بیان ان سیاسی رہنماؤں کی سیاسی ضرورت رہتے ہیں تاکہ وہ خود کو اور اپنی تحریکوں کو فاشزم کی تاریخ کے قبیح ترین فعل ہولوکاسٹ سے دور رکھ سکیں۔ تاریخ کو مسخ ہونے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے واقعات پر بحث خالص علمی نقطہ نظر سے کی جائے، اسے ایک انسانی مسئلے سے تعبیر کیا جائے نہ کہ یہودی مسئلے کے۔ بہر کیف ہولوکاسٹ 20 ویں صدی میں نسل پرستی اور نسل کشی کی ایک دل ہلا دینے والی داستان ہے جس میں سچ اور جھوٹ کا کس قدر آمیزہ ہے اس کا فیصلہ تاریخ خود کرے گی۔

کیا ہولوکاسٹ کے منکروں کو سنجیدگی سے لینا چاہیے؟ اس کا جواب جین کلاؤڈ ڈے پریک اپنی کتاب "Demolishing

"Holocaust Denial" کے سبق "Truth Prevails" میں لکھتی ہیں کہ جنگ کے بعد کمیونسٹوں نے اوزوچ کے گیس چیمبرز تباہ کر دیے لیکن بعد میں ان کی تاریخی اہمیت کا خیال آنے پر ان چیمبرز کو دوبارہ تعمیر کروایا تا کہ عبرت اور یادگار کے طور پر محفوظ رکھے جا سکیں۔ دوران تعمیر ان چیمبرز میں کسی قسم کی گیس کا کوئی وجود نہ ملا۔ اس بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گیس چیمبرز کبھی تھے ہی نہیں۔ پریس کا شمار ان سرپھرے revisionists میں نہیں ہوتا

(ماخذ نارمن سٹون Sunday Times 12 جولائی 1998)

مغرب اور مشرق: تعاون اور ہولوکاسٹ کا تجربہ

نازیوں کے نسل پرستی پر مبنی نظریات کی رو سے یہ طے شدہ تھا کہ گورننس کے معاملے میں مغربی یورپ اور مشرقی یورپ میں نازی طرز عمل کا واضح فرق ہوگا۔ سلیوین لوگ جو مشرق یورپ میں آباد تھے، نازیوں کی جانب سے کمتر انسان ٹھہرائے گئے۔ اس بناء پر انہیں صرف غلام مزدوروں کی حیثیت دی گئی جبکہ مغربی یورپ کے لوگوں کو برتر نسل قرار دیا گیا۔ نازی جوں جوں مشرق میں آگے بڑھتے گئے، جو جوان کے ہاتھ لگا اس کے ساتھ ان کا رویہ غیر انسانی تھا۔ یہودیوں، خانہ بدوشوں سیاہ فام لوگوں، ذہنی اور جسمانی طور پر معذور لوگوں اور ہم جنس پرستوں کو وہ ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے۔ عددی اعتبار سے وہ یہودیوں کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ تصور کرتے تھے۔ چنانچہ متاثر بھی زیادہ یہودی ہی ہوئے۔

مغربی یورپ میں یہودیوں کا تجربہ

مغربی یورپ میں یہودیوں کو پیش آنے والا تجربہ مختلف وجوہات کی بناء پر مشرقی یورپ کے یہودیوں سے مختلف تھا۔ مغرب میں 1940ء میں فوجی فتوحات کے بعد نازی جرمنی کا رویہ یہودیوں کے ساتھ ویسا جارحانہ نہ تھا جیسا پولینڈ میں تھا یا روس میں تصور کیا جاتا تھا۔ ایسا اس لیے تھا کہ نازی اقتدار کے اندر حریف ایجنسیاں جیسے فارن آفس اور فوج دونوں ہی یہود پالیسی کا مکمل کنٹرول SS کو دینے سے گریزاں تھے جیسا مشرق میں ہو چکا تھا کیونکہ نازیوں کو یقین تھا کہ مغربی یورپ کے لوگ ''اعلیٰ نسبی سلسلے'' سے تھے۔ مغرب میں SS کا رائچ سیکورٹی ہیڈ آفس (RSHA) ہیڈرچ کے ماتحت تھا جو یہود پالیسی پر یکتا اہم ایجنسی تھی لیکن ایسا ہر جگہ نہیں تھا۔

مغرب میں نازیوں کے پاس افرادی قوت کی کمی تھی چنانچہ وہ مقامی فاشٹوں، بیوروکریسی اور پولیس پر تعاون کے لیے تکیہ کرتے تھے۔ ایک نہایت اہم نقطے نے مغربی یورپ میں یہودیوں کے متعلق نازی پالیسیوں پر اثر کیا اور وہ یہ تھا کہ مشرق کی نسبت یہاں یہود ایک بڑے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان کے درمیان اتحاد و یگانگت نے انہیں ایک بڑے معاشرے میں تبدیل کر دیا تھا۔ جرمن میں بھی کم و بیش ایسا ہی تھا۔ اس ایک نقطے کی وجہ سے مغربی یورپ میں سیل شدہ گھیٹوز (ٹرانزٹ کیمپ یا موت کے کیمپ) نہیں بنائے گئے۔ مغربی یورپ کے یہودی مشرقی یورپ کی نسبت تعداد میں کم ہونے کے سبب ریلوے اسٹیشنوں پر جلدی اکٹھے ہو سکتے تھے قبل اس کے انہیں موت کے کیمپوں کی طرف ہانکا جائے۔ اس سے قبل کہ نازی 1942ء اور 1943ء کے درمیانی عرصے میں فیصلہ کن ایکشن لیتے، خطرے کی بو پا کر مغربی یورپ کے یہودیوں نے نقل مکانی کا فیصلہ

کیا۔ ان میں اکثر کی جائیدایں بحق سرکار ضبط تھیں یہود کو سوچنے سمجھنے کا موقع یوں مل گیا کہ ان کے ملکوں پر قبضے کے ابتدائی دنوں میں نازیوں کی ترجیحات مختلف تھیں۔

یوگوسلاویہ

مغربی یورپ میں بسنے والے یہودی اس لحاظ سے خوش قسمت رہے کہ ان کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک نہیں کیا گیا کیونکہ وہاں نازیوں کی سیاسی ترجیحات میں ایسا کرنا شامل نہ تھا۔ جبکہ یوگوسلاویہ میں وہ یہودی جو مشرقی یورپ کی بڑی یہودی آبادی سے باہر یا ہٹ کر رہ رہے تھے، ان کے ساتھ وحشیوں کا سا سلوک کیا گیا۔ اس سخت سلوک کی وجہ یوگوسلاویہ پر اٹلی اور جرمنی کے حملے کے ٹھیک دو ماہ بعد جون 1941 میں جرمنی کے خلاف ہونے والی ناکام بغاوت تھی۔ ناکام بغاوت نے جرمن فوج کو جوابی کارروائی کا بہانہ فراہم کر دیا اور یہودی اور خانہ بدوش جو نازیوں کی نظر میں تیسرے رائج کے قدرتی ''دشمن'' تھے، ان کا آسان اور سیدھا نشانہ بن گئے۔ مورخ لوسی ڈیوڈوز کے مطابق جرمن فوجوں نے بڑی پھرتی سے (سیملن اور سربیا میں بیک وقت) یہودیوں کا قتل عام کیا۔ اس وقت تک نازیوں کے پاس یہودیوں کو اجتماعی طور پر ہلاک کرنے کے لیے گیس کا ہتھیار نہیں تھا۔

یہودیوں کو گھیرنے اور قتل کرنے کے لیے جرمن فوج کا استعمال کسی اور بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہودیوں کے خلاف جوابی انتقامی کارروائی کا حکم ہٹلر یا ہملر کی طرف سے براہ راست نہیں دیا گیا بلکہ جرمن فوج کی ہائی کمانڈ (OKW) کے برلن میں موجود نمائندے ولہم کائیٹل کی طرف سے آیا۔ اس طرح کی بعض مثالیں موجود ہیں جب جرمن اعلیٰ افسروں نے 1939 میں پولینڈ میں یہودیوں کے قتل پر اعتراض کیا لیکن جون 1941 کے بعد روس یا یوگوسلاویہ میں فوجی افسروں کی طرف سے ایسی کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی۔ بلاشبہ جرمن فوج یہودیوں اور روسیوں کے وسیع پیمانے پر قتل عام میں نازی اقتدار کے ساتھ تعاون میں خاصی پُر جوش نظر آتی ہے۔ پہلے مرحلے میں جو پروگرام کیمونسٹوں کو ختم کرنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا اس نے فوجی جرنیلوں کے لیے کوئی مشکل کھڑی نہ کی تھی چنانچہ اس پروگرام کا دائرہ یہود تک پھیلا دیا گیا۔ ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جرمن فوج کے دستے SS کی نسبت کم ظالم تھے، اس بات میں بہر حال کوئی وزن نہیں۔

نازیوں کے ساتھ تعاون

دوسری جنگ عظیم کے دوران، مقبوضہ یورپ میں مقامی یورپین کا نازیوں کے ساتھ تعاون ایک دردناک اور متنازعہ موضوع ہے۔ یہ غموں کی وہ داستان ہے جس میں اپنوں نے غیروں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنوں کے قتل کا سامان کیا۔ نازیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ مقامی حکام اور پولیس کو ساتھ ملا کر یہودیوں کا کام تمام کرتے تھے، یہ بات پچھلی تحریروں میں سامنے آچکی ہے۔ ایسے ہی ساز باز کی بدترین مثال وائیکی فرانس میں دیکھی گئی (وائیکی ایک قصبے کا نام تھا)

وائیکی کا حکمران طبقہ اور یہودی

1940 میں فرانس کے ہاتھوں جرمنی کی شکست نے فرانس کے یہود مخالف اور نسل پرستوں کو بہترین موقع فراہم کر دیا کہ وہ فرانسیسی یہود کے خلاف اپنا گھناؤنا کھیل کھیل سکیں۔ فرانس میں بھی یہود مخالفت پر مبنی پالیسیوں کا بیج نازیوں نے بویا۔ وائیکی فرانس کے حکمران طبقے نے مارشل فلپ پیٹین کی قیادت میں نازیوں کے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون کیا اور یہود مخالف قانون سازی کر ڈالی۔ اس قانون سازی کو حکومتی ارکان نام نہاد ''قومی انقلاب'' قرار دیتے تھے۔ یہود مخالفت پر مبنی قانون سازی جون 1940 میں وائیکی حکومت کے قیام کے تین ماہ بعد ہی عمل میں آ گئی تھی۔

یہودی قانون کی رو سے ہر وہ شخص جس کے تین یہودی دادا ہوں، یہودی کہلا سکتا تھا۔ وہ شخص جس کی ایک یہودی بیوی اور دو یہودی دادا ہوں اس کو ملتی جلتی کیٹیگری میں رکھا گیا۔ یہودیوں کو فرانس کے فوجی افسروں کے دستوں سے، پریس، تمام منسوب کردہ دفاتر، تعلیم کے شعبے اور عدالتوں سے نکال دیا گیا Rothschilds جیسے امیر یہودی خاندانوں کے اثاثے بھی ضبط کر لیے گئے۔ ان سے فرانسیسی شہریت چھین لی گئی۔ پیٹین اگرچہ یہود مخالف تھا لیکن اس نے فرانسیسی فوج کو حکم دیا تھا کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران کارہائے نمایاں سرانجام دینے والے یہودیوں کو نئی قانون سازی سے مبرا رکھا جائے۔ جو یہودی وائیکی کے ظالمانہ قوانین سے بچ کر فرانس کے جنوب میں واقع اٹلی کے مقبوضہ زون کی طرف فرار ہوئے، انہیں امید تھی کہ وہاں ان کا تحفظ یقینی ہو گا لیکن آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ یہاں بھی انہیں چین میسر نہ آیا۔

فرانس کا وہ حصہ جو مقبوضہ زون تھا، براہ راست جرمن قانون کے ماتحت رہ چکا تھا۔ یہاں پر بھی فرانسیسیوں کے یہود مخالف نظریات کی شہادتیں واضح موجود تھیں۔ مثال کے طور پر فرانسیسی پولیس نے یہودیوں کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے نازیوں کیساتھ ملی بھگت کر کے یہودیوں کو پیرس میں واقع بدنام زمانہ ڈرانیسی ہولڈنگ سنٹر کی طرف روانہ کیا جہاں سے انہیں مبینہ طور پر اوزوچ کے موت کے کیمپ کی طرف بھیج دیا جاتا یا 1942 میں کسی اور جگہ بھی بھیج دیتے تھے۔ دستیاب اعداد و شمار کے مطابق 42000 یہودی جن میں بچوں کی تعداد 6000 تھی، اوزوچ بھیجے گئے۔ ایک اندازہ کہتا ہے کہ تقریباً 76000 یہودی جو فرانسیسی یہودیوں کا ایک تہائی بنتے تھے، موت کے کیمپوں میں ہلاک کر دیے گئے۔ وہ یہود جو فرانس میں پناہ گزین کی حیثیت سے بھاگ کر آئے تھے، انہیں بھی نہ بخشا گیا۔ یہی شرمناک کھیل بیلجیئم اور ہالینڈ میں بھی کھیلا گیا جہاں مقامی حکام نے قابض نازیوں کے ساتھ مل کر یہودیوں کے خلاف کھلم کھلا اور در پردہ ساز باز کی۔

فرانسیسیوں کی نازیوں کے ساتھ ملی بھگت تو سامنے آ گئی لیکن یورپ اور دوسری جگہوں پر کیا ہوا ہو گا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہو گا یہی وجہ تھی کہ غیر ملکی یہودی پناہ گزینوں کو نکالا گیا تو کوئی احتجاج نہیں ہوا لیکن مقامی یہودی جو متحد تھے، ان کی سطح پر صدائے احتجاج بلند ہوئی، جہاں تک فرانس کے سیاسی لیڈروں کا تعلق ہے ان کو غیر ملکی یہودیوں کو نازیوں کے ساتھ معاملات طے کرنے کے لیے ٹرمپ کارڈ کے طور پر استعمال کیا گیا خصوصاً وزیر اعظم پیرے لاول 1942 تا 1944 کے دور اقتدار میں یہودی کمیونٹی میں شامل فرانسیسی شہریوں کو بھی نکال دیا گیا۔ یورپ میں وائیکی عہد کی پولیس Milice کے ارکان یہود مخالفت میں انتہا کو چھو رہے تھے۔ ان کا کام ہی غیر مقبوضہ زون میں چھپے یہودیوں کو چن چن کر باہر لانا تھا۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں بہت سے یہودیوں نے جرمن قبضے کے خلاف فرانسیسی مزاحمتی تحریک میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔

وائیکی کے حامیوں کا خیال تھا کہ اگر وائیکی کے باسی نازیوں کا ساتھ نہ دیتے تو حالات مزید خراب ہو سکتے تھے اور مکمل جرمن قبضے کا امکان رد نہیں کیا جا سکتا تھا جس کی صورت میں مزید انسانی المیے جنم لے سکتے تھے۔ بہرکیف وائیکی انتظامیہ کے نازیوں کے ساتھ تعاون نے فرانس کی آزادی پسند اور انسان دوست روایت کے تاریخی عمل کو نقصان پہنچایا۔ یہ تصور 1942 میں اس وقت ختم ہو گیا جب جرمنوں نے فرانس پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اس سے قبل انہوں نے توجہ بڑے اور اہم شہریوں تک محدود رکھی تھی۔ جیسا پیٹین کا دعویٰ تھا وائیکی حکومت فرانس کی عزت بحال نہ کر اسکی بلکہ وائیکی اہل اقتدار کے کالے کارناموں نے فرانسیسی معاشرے کے خراب اور بدترین پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔

ڈنمارک

دوسری جنگ عظیم کے دوران مقبوضہ یورپ میں یہودیوں کے خلاف نازیوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے پے در پے واقعات منظر عام پر آئے کچھ تو منظر عام پر آ ہی نہ سکے۔ لیکن اس بے بسی کی تصویر میں دو رنگ ایسے تھے جو الگ نظر آئے۔ ان میں ایک ڈنمارک تھا جہاں سے 8000 یہودیوں کی مقامی آبادی کو جو کوپن ہیگن میں رہتی تھی بحفاظت سمندر کے راستے غیر جانبدار سویڈن کی طرف سمگل کر دیا گیا۔ ڈنمارک کا بادشاہ کرسچین دہم ڈیوڈ سٹار پہنتا تھا، اس نے نازیوں کے یہود مظالم کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ کہا جاتا ہے کہ صرف 400 ڈینش یہودیوں نے موت کے کیمپوں میں جان گنوائی۔

دوسرا ملک اٹلی تھا جو 1939 کے سٹیل معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد بظاہر جرمنی کا اتحادی بن گیا تھا اس حقیقت کے باوجود کہ اٹلی کے ڈکٹیٹر موسولینی نے اپنے ڈکٹیٹر ساتھی ہٹلر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے 1938 میں اپنے ملک میں صیہونیت کے خلاف قانون سازی کی تھی لیکن اٹالین لوگوں کی اکثریت نے کبھی نازیوں کے ساتھ یہود مسئلے کے آخری حل کے سلسلے میں ہاتھ نہیں ملائے۔

ملک یونان ہو، یوگوسلاویہ، فرانس یا البانیہ جہاں کہیں اٹلی کی فوجوں نے ان یورپین ممالک پر قبضے کی کارروائی میں حصہ لیا، انہوں نے یہودیوں پر ظلم کی بجائے انہیں تحفظ فراہم کیا۔ ایک حیران کن بات یہ ہے کہ جرمنوں نے بھی انہیں بہت کم مجبور کیا کہ وہ یہودیوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ یہ شاید اس وجہ سے تھا کہ ہٹلر موسولینی کا بے حد احترام کرتا تھا یا پھر وہاں بسنے والے یہودیوں کی تعداد مقابلتاً قلیل تھی کہ ان پر توجہ نہ دی گئی۔

دوسری جانب پوپ پیئس XII کے متنازعہ رویے کے ساتھ وابستہ بحث یورپ کی فضاؤں میں گونج رہی تھی کہ اس نے انسانیت پر نازی مظالم کی عوامی سطح پر مخالفت کیوں نہیں کی جبکہ اس کی آواز کی ہر طرف ایک اہمیت تھی۔ ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ ان کے پیشرو پیئس XI نے 1938 میں کی جانے والی یہود مخالف قانون سازی پر موسولینی کی مخالفت کی تھی۔ جب ہولوکاسٹ کے واقعے کے پس منظر میں کیتھولک چرچ کے تمام ریکارڈ پر نظر دوڑائی جاتی ہے۔ اس حقیقت کو بھلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ ریکارڈ قابل فخر نہیں۔

موسولینی کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو ایک بات عیاں نظر آتی ہے کہ موسولینی ایک تسلیم شدہ نسل پرست نہیں تھا جبکہ ہٹلر ایسا تھا لیکن موسولینی نے جرمنوں کے ہاتھوں ہزاروں اٹالین یہود کو موت کے کیمپوں کی طرف دھکیلے جانے کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا ورنہ اس کے لب ہلتے تو ہزاروں یہودیوں کی جان بچ سکتی تھی لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ جس کا مطلب تھا کہ اس نے ہٹلر کی نسل پرست پالیسیوں کی حمایت کر دی تھی۔

مزید براں اٹالین فاشسٹ فوجی دستوں پر الزام تھا کہ انہوں نے 1935 اور 1936 کے درمیان ابے سینیا (ایتھوپیا) میں بربریت اور نسل پرستی کا ارتکاب کیا اور یوگوسلاویہ پر حملے میں 1941 اور 1943 کے درمیان مفتوحہ لوگوں پر مظالم ڈھائے۔ یہ حقائق جھٹلائے نہیں جا سکتے حالانکہ یہودیوں کی جان بچانے کا سہرا بھی اٹالین کے سر ہے۔

ڈنمارک اور اٹلی میں بسنے والے یہودیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان دو ممالک میں ان کی تعداد کم ضرور تھی لیکن وہ آپس میں متحد تھے اور ان کے باہمی اتحاد نے ایک بھرپور سوسائٹی کو جنم دیا تھا۔ یہودی ان ممالک کے لیے کسی صورت میں کسی خطرے کا باعث نہ تھے اور نہ ہی غیر ملکی یہودی کثیر تعداد میں نقل مکانی کر کے ڈنمارک اور اٹلی میں پناہ گزین ہوئے جیسا کہ بیلجیئم اور فرانس میں ہوا تھا۔

وسطی اور مشرقی یورپ

رومانیہ میں آئرن گارڈ نامی ایک فاشسٹ تنظیم یہودیوں کے خلاف خاصی متحرک تھی، اس نے یہود مخالف سرگرمیوں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور روسی مقبوضہ، بیسیربیا (1940ء تک رومانیہ کا صوبہ) میں رہائش پذیر یہودیوں کو نشانہ بنایا۔ یہودیوں پر الزام تھا کہ وہ روسی قابضین کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ اس الزام کے تحت انہیں رومانیہ کے حکام نے موت کے کیمپوں کی طرف دھکیل دیا۔ رومانیہ کے دوسرے حصوں میں رہنے والے بہت سے یہودی ٹانسیلونیا کی طرف فرار ہو گئے۔ ٹرانسیلوینا کا زیادہ تر علاقہ رومانیہ کے ماتحت تھا، 1940 میں ہنگری نے اس کا الحاق رومانیہ سے کیا تھا۔ جب 1944 میں نازیوں نے ہنگری پر قبضہ کیا تو انھوں نے یہاں بسنے والے یہودیوں کو بھی نکال دیا۔

ہنگری نے ڈکٹیٹر میکلوس ہورتی کی قیادت میں یہود مخالف قانون سازی کی لیکن اس کا اطلاق سختی سے نہ ہوا تھا۔ جرمن قبضے تلے یہودیوں کو اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ ڈیوڈ سٹار کی علامت استعمال کر سکیں۔ Straw-man پکارے جانے والے یہودیوں کے ملکیتی کاروبار اور جائیدادوں کی حفاظت کے لیے استعمال کیے جائے تھے۔ (اس کام کے لیے انھیں بڑا معاوضہ دیا جاتا تھا) عیسائی یہودی جائیدادوں کے برائے نام مالک تھے اصل کنٹرول یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ 1944ء میں ہنگری کے یہودیوں کی برتری میں اس وقت تبدیلی آئی جب ہنگری پر جرمنی کا براہ راست قبضہ ہوا۔

ہورتی کا کردار یہودیوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے معاملے میں متنازعہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے ناقدین کا خیال ہے کہ وہ ہنگری پر روسی قبضے کی بجائے جرمن قبضے کو ترجیح دیتا تھا چاہے اس میں یہودیوں کی نسل کشی ہو جائے۔ ہورتی نے ملک میں یہود مخالف ایرو کراس پارٹی کو کام کرنے کی اجازت دے دی تھی جو 1944 اور 1945 کے درمیان ہنگری کے یہودیوں کے اجتماعی قتل عام میں ملوث تھی۔ اکتوبر 1944 میں ہورتی نے بیرونی دنیا کے دباؤ کے تحت یہودیوں کی بیدخلی روک دی تھی، نازیوں نے اسے حکومت سے ہٹا کر ایرو کراس پارٹی کی حکومت قائم کر دی جس کی سربراہی فرینک زلاسی کو دی گئی تھی۔ زلاسی کی حکومت جرمنوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھی جس نے یہودیوں کو از سر نو ان کی زمینوں اور جائیدادوں سے بیدخل کرنا شروع کر دیا۔

مشرقی یورپ میں یہود مخالف ہنگاموں نے خطرناک صورت اختیار کر لی جس کی انتہا رومانیہ اور ہنگری کے فوجیوں کے ہاتھوں یہودیوں

کے قتل عام پر ہوئی۔ رومانیہ یہود مخالفت کے اعتبار سے خراب روایات رکھتا تھا۔ ہنگری اور رومانیہ دونوں ریاستوں نے روس میں کمیونزم کے خلاف جرمنی فوجوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے لیے فوجی دستے روانہ کیے۔ رومانیہ کے فوجی ستوں پر الزام تھا کہ انہوں نے 1941 میں اوڈیسا میں 20,000 یہودیوں کا قتل عام کیا اور اسی سال بہت سوں کو دریائے نائیسٹر میں ڈبو دیا۔ ہنگری کے فوجی 1941 اور 1942 میں یہودیوں کے اجتماعی قتل عام کے ذمہ دار تھے جبکہ زندہ بچنے والوں کو لیبر بٹالین میں شامل کر لیا جاتا اور موت کے آنے تک ان سے کام لیا جاتا۔

پولینڈ

رومانیہ کی طرح مشرقی یورپ میں پولینڈ کا انسانی ریکارڈ یہود مخالفت کے معاملے میں نہایت خراب رہا تھا۔ سرزمین پولینڈ میں 1939 میں یہود آبادی کسی بھی یورپین ریاست کی نسبت سب سے زیادہ یعنی 3 ملین تھی۔ ستمبر 1939 میں ملک پر نازی سویت معاہدے کے تحت مشرق کی طرف سے ہونے والے روسی حملہ کے بعد پولینڈ آزاد ریاست کی حیثیت سے دنیا کے نقشے سے غائب ہو گیا اور ملک نازی قبضے میں چلا گیا۔ اس طرح پولینڈ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہاں کے مقتدر طبقے نے نازیوں کے ہاتھ مضبوط کیے، بعید از قیاس ہے دوسری طرف نازی ایسے لوگوں سے تعاون کرنا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ انہیں کمتر انسان قرار دیتے تھے۔

جب جرمنوں نے جون 1941 میں پولینڈ کے اس حصے پر دھاوا بولا جو روس کے زیر قبضہ تھا، تو پکڑے جانے والے یہودیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی گئی اور اسی طرح نظر بندی کیمپوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی جرمنوں نے 1941 میں روس کے زیر کنٹرول لتھونیا، لٹویا اور ایسٹونیا کی ریپبلکس پر بھی حملہ کیا، ان ریاستوں کی یہودی آبادی بھی جرمنوں کے ہاتھ لگ گئی لیکن اس سارے ہوشربا ہنگامے میں نازیوں کی نسل پرست پالیسیوں کا مرکز پولینڈ ہی تھا جس نے نسل پرستی پر مبنی صفائی پروگرام کا تمام تر بوجھ اٹھایا۔ یہ نام نہاد صفائی پروگرام 1941ء اور 1945ء کے درمیان نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ جنگ سے قبل کی پولینڈ کی حکومتوں کی یہود مخالف پالیسیاں نازیوں کے یہود مخالف قتل عام کے سامنے ماند پڑ گئیں تھیں۔



کیا واقعی یہودیوں کا قتل عام ہوا تھا؟

عہد حاضر کی ایک تحقیق کے مطابق ''ہولوکاسٹ'' یہودیوں کی پراپیگنڈہ مشینری کا گھڑا ہوا وہ بت ہے۔جس کے قدموں میں ''مہذب'' دنیا اپنی ٹیکنالوجی اور آزادی اظہاررائے کے اصولوں سمیت سجدہ ریز ہے۔ ہالوکاسٹ کی حقیقت کیا ہے؟ اوراس سے یہودی کیا مفاد بٹور رہے ہیں اس سے متعلق معلومات یوں ہیں۔ مغربی ممالک ہالوکاسٹ دیوتا کے حضور ارض فلسطین کے علاوہ کھربوں ڈالر کی قربانیاں دے چکے ہیں۔لیکن اس کا پیٹ ہے کہ بھرنے میں ہی نہیں آ رہا۔ یہودیوں نے اس بات کو مشہور کر رکھا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک ایڈوولف ہٹلر نے 60 لاکھ یہودیوں کا قتل عام کیا۔اس پراپیگنڈہ کے ذریعے یہودی مظلوم بن گئے اورانہوں نے یورپی اقوام کواحساس جرم میں مبتلا کر دیا۔اپنے اس ناکردہ ظلم پر پریشان ہوکر یورپی طاقتوں نے امریکہ کی مدد سے یہودیوں کی تلافی کرنے کی کوشش کی اورانہیں ارض فلسطین پراپنا ملک قائم کرنے کا موقع فراہم کیا جواس سازشی قوم کی ہزاروں سال سے تمنا تھی۔ یہ پراپیگنڈہ یہودیوں نے اس قدر منصوبہ بندی کے ساتھ کیا کہ اس واقعے کی تاریخی حیثیت پر تحقیق کرنے والے پر ''نسل پرست'' ہونے کے الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔

مسلم دنیا کے علاوہ مغربی ممالک کے عوام میں بھی یہ شعور پیدا ہوتا رہا ہے کہ ہالوکاسٹ کی تحقیق کر کے حقائق کو پراپیگنڈہ سے علیحدہ کیا جائے۔ تحقیق سے یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ جرمنی کے مقبوضہ علاقوں میں 20 لاکھ یہودی آباد تھے،ہٹلر جو کہ ذہنی طور پر یہودیوں کے خلاف تھا، 60 لاکھ یہودی کیسے قتل کرا سکتا تھا۔ یہودیوں کا یہ الزام بے بنیاد اور تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اقوام متحدہ نے یہودیوں پر جرمن نازیوں کے مظالم کی یاد میں ہر سال 27 جنوری کو ہالوکاسٹ ڈے منانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ فیصلہ گزشتہ برس جنرل اسمبلی میں ووٹنگ کے بعد کیا گیا۔ ہالوکاسٹ سے مراد دوسری جنگ عظیم کے دوران ایڈولف ہٹلر کے ہاتھوں 60 لاکھ یہودیوں کے قتل عام کا نام ہے اور یہی تعداد دنیا بھر میں تمام تر نصابی اور غیر نصابی کتب میں لگاتار دہرائی جارہی ہے۔ ہالوکاسٹ ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں شک وشبے کا اظہار کرنا بعض ممالک میں غیر قانونی ہے۔ دنیا میں کچھ ممالک تو ایسے ہیں کہ مرنے والے یہودیوں پر رائے زنی بھی جرم ہے اور با قاعدہ اس کی سزا بھی موجود ہے۔ امریکہ اور برطانیہ میں با قاعدہ قانون تو موجود نہیں ہے۔ لیکن ہالوکاسٹ پر اعتراض کرنے والوں پر نسلی منافرت پھیلانے پر مقدمات چلانے کی مثالیں موجود ہیں۔

گزشتہ دنوں ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے ہالوکاسٹ کو ایک معمہ اور یہودیوں کا من گھڑت افسانہ قرار دیا تو دنیا بھر کے یہودی رہنماؤں اور میڈیا نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ محمود احمدی نژاد کونسل پرست اور متعصب قرار دیتے ہوئے ان کے نظریات پر نازی ازم کے اثرات کا الزام لگایا گیا۔ یہ کیا عجیب بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکوں پر آزادی اظہار رائے کی آڑ لینے والا مغرب ہالوکاسٹ کے متعلق ایک لفظ تک

برداشت نہیں کرتا اوراس پر عملی بحث مباحثہ بھی ناجائز اور خلاف قانون تصور کیا جاتا ہے۔ ہالوکاسٹ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''آگ میں جل کر قربانی دینا''۔ اس کا عبرانی زبان کا مترادف ہے ''شواح''۔ اسی لیے یہودی اسی کی یاد میں یوم شواح (Yom Hashoah) مناتے ہیں۔ یہ لفظ یہودی سکالر بن زیان ویئواز نے پہلی مرتبہ 1942 میں استعمال کیا جس نے یہودیوں میں مقبولیت حاصل کی۔ اس نے کہا تھا کہ شواح تاریخ کی عظیم ترین تباہی ہے۔ یہودیوں کی ویب سائٹ yadvashem. کے مطابق ہالوکاسٹ یا شواح کا مطلب ''وہ تمام یہودی مخالف سرگرمیاں ہیں جو 1933ء سے لیکر 1945ء تک نازیوں نے سرانجام دیں۔

دراصل ہٹلر ذاتی طور پر یہودیوں کے انتہائی خلاف تھا اور اس کی وجہ یہودیوں کا وہ سازشی کردار تھا جو وہ ان دنوں ادا کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی گھٹیا عادت اور قابل نفرت کردار نے اسے مجبور کردیا کہ وہ ان سے جان چھڑا لے۔ 1933ء میں جب ایڈولف ہٹلر نے اقتدار سنبھالا تو اس نے رفتہ رفتہ ایسی پالیسیاں اپنانا شروع کردیں کہ یہودیوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو روکا جاسکے۔ اس وقت جرمنی میں اقلیت ہونے کے باوجود یہودی قریبا ہر شعبے میں چھائے ہوئے تھے۔ طب، تعلیم، تجارت، میڈیا ہر طرف یہودیوں کا ہی کنٹرول تھا اور یہ لوگ ایک منظم لابی کی صورت میں جرمنی کو اپنی مرضی سے چلارہے تھے۔ ہٹلر نے 1935ء میں نورمبرگ قوانین نافذ کیئے جن کی رو سے کسی بھی غیر جرمن نسل کے افراد کو جرمنی میں ملازمت نہ دی جاسکتی تھی یوں اس نے یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد اس نے ایسی پالیسیاں اپنائیں جن سے تجارت، میڈیا، اور دوسرے شعبوں میں بھی یہودیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ جدید تاریخ میں شاید یہ واحد موقع تھا کہ کسی بھی ملک کی معیشت سے یہودیوں کا براہ راست کنٹرول ختم ہوگیا تھا۔ 1939ء میں بہت سے یہودی یورپ کے مختلف ممالک میں منتقل ہوگئے تھے لیکن پھر بھی کچھ ایسے بھی موجود تھے جو وہاں کاروبار چلانے میں کامیاب رہے۔ دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو ان یہودیوں نے جرمنی سے غداری کرتے ہوئے اتحادیوں کیلیئے جاسوسی کا فریضہ سنبھالا جس پر ہٹلر پیچ پا ہوگیا۔ اس نے تمام یہودیوں کو حراست میں لیکر انہیں مختلف کیمپوں میں قید کرلیا۔ جرمن ان کیمپوں کو تعمیراتی کیمپ کا نام دیتے تھے جبکہ اتحادی اس کو "Concentration Camps" کہا کرتے تھے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ان Concentration Camps میں صرف یہودی ہی نہیں بلکہ ہم جنس پرست، غدار، ہیجڑے اور بہت سے دیگر غیر آریائی لوگ بھی قید تھے۔

یہی وہ کیمپ ہیں جن کی بنیاد پر یہودیوں کو ہالوکاسٹ کا افسانہ گھڑنے کا موقع ملا۔ دنیا بھر میں یہ مشہور ہے کہ ان کیمپوں میں ہٹلر نے گیس چیمبرز بنوائے ہوئے تھے اور یہودیوں کو غسل خانوں اور کمروں میں گھسنے پر مجبور کردیا جاتا اور باہر سے تالا لگا کر کمروں میں زہریلی گیس چھوڑ دی جاتی۔ جب وہ مرجاتے تو ان کی لاشوں کو برقی بھٹی میں ڈال کر جلا دیا جاتا۔

اس سلسلے میں یہودیوں کا کہنا ہے کہ 1940ء تک ہٹلر نے پولینڈ، ڈنمارک، ناروے، فرانس، بلجیئم اور ہالینڈ پر قبضہ کرلیا تھا اور اسی اثناء میں "Stutthof" کیمپ قائم کیا گیا جہاں جرمنی اور مقبوضہ علاقوں سے یہودیوں کو قید کرکے لایا جاتا اور ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی یہودیوں نے ہالوکاسٹ کا شوشہ پوری شدت کے ساتھ چھوڑ دیا۔ جونہی جنگ ختم ہوئی تو نیشنل جیوش کانفرنس نے یورپی قوم سے مطالبہ کیا کہ ان کے ایک ہم مذہب اور ہم نسل نے یہودیوں کا قتل عام کیا ہے اور بہت تھوڑے یہودی بچے ہیں تو اب

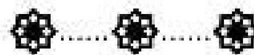
انہیں دوبارہ زندگی کی شروعات کے لیے علیحدہ ریاست دی جائے۔ یوں 14 مئی 1948ء کو دنیا کے نقشے پر ایک ناجائز ریاست ابھری جس کا نام اسرائیل رکھا گیا۔ اسی بات پر ایرانی صدر نے کہا کہ اگر ہالوکاسٹ کا واقعہ ہوا ہے تو یہ یورپی قوم نے کیا ہے، وہ اپنے جرم کی سزا فلسطین کو کیوں دے رہے ہیں۔ اگر یورپی قوم یہ سمجھتی ہے کہ یہودیوں کو ہالوکاسٹ کی تلافی کے طور پر ایک ملک دینا چاہیے تو وہ یورپ کا کوئی خطہ یہودی ریاست کے کیلئے مخصوص کر دیں فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کر کے وہاں اسرائیل قائم کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ یہی وہ بات تھی جس پر یورپی ممالک اور میڈیا صدر احمدی نژاد کے سخت خلاف ہوئے اور انہیں یہودیوں کا دشمن قرار دیا۔

مزید تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہودیوں نے ہالوکاسٹ کا شوشہ چھوڑا ہی اسی لیے تھا کہ وہ علیحدہ ریاست کا مطالبہ منوا سکیں۔ اسرائیل کا خواب یہودیوں کا صدیوں پرانا خواب تھا جس کے قیام کی کوشش انہوں نے پہلی جنگ عظیم کے بعد بھی کی لیکن حالات نے دوسری جنگ عظیم کے دوران انکی اتنی مدد کی اور انہوں نے پروپیگنڈے میں مہارت کا وہ فائدہ اٹھایا کہ تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ہالوکاسٹ اسرائیل کے وجود کا اکلوتا جواز ہے تا کہ مغربی ممالک احساس جرم میں مبتلا ہو کر یہودیوں کی ہر ممکن تلافی پر اتر آئیں اب اسرائیل کی آبادی 70 لاکھ سے کم ہے اور فی کس آمدنی کے اعتبار سے 16 ویں نمبر پر ہے لیکن پھر بھی امریکہ اسے ہر سال 5 ارب ڈالر کسی نہ کسی مد میں ضرور دیتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق 89-1974ء تک امریکی کانگریس نے اسرائیل کے 16.4 ارب ڈالر کے قرضے معاف کیے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ اسرائیل کو دیا جانے والا فوجی قرضہ امداد میں تبدیل کر دیا گیا اور اس کا بوجھ باقی دنیا پر ڈال دیا گیا۔ اسرائیل دنیا کا واحد ملک ہے جسے امریکہ 4 قسطوں کی بجائے ایک ہی قسط میں سارا قرضہ دیتا ہے اور وہ بھی اسرائیل کے مالی سال کے آغاز پر، یوں امریکہ کو اپنے بجٹ کیلئے مستقبل کے ریونیوز پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ اس وی آئی پی سلوک کی وجہ صرف اور صرف ''ہالوکاسٹ'' ہے۔ وہ ''مظلوم'' یہودیوں کی تعمیر نو کیلئے کھربوں ڈالر دے چکے ہیں اور یہ یہودی میڈیا کی فنکاری ہے کہ انہوں نے ہالوکاسٹ کا سحر ٹوٹنے نہیں دیا۔ دراصل یہودی یہ جانتے ہیں کہ صرف ہالوکاسٹ ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے مغربی ممالک ان کے آگے آنکھ نہیں اٹھا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ یوم شواح منانے کے چند ہی روز بعد اسرائیل کا یوم آزادی یعنی "Yom Ha-Atzmut" مناتے ہیں۔ یہودیوں کی ویب سائٹ advashem. کے مطابق یوم شواح کے بعد یوم اٹزموت منانا یہودیوں کو یاد دلاتا ہے کہ ہالوکاسٹ کی صورت میں جو قربانیاں دی گئیں اس کا صلہ انہیں اسرائیل کی صورت میں ملا۔ گویا یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ہالوکاسٹ کے ڈرامے پر ہی اسرائیل کی بنیادیں ٹکی ہوئی ہیں۔

ہالوکاسٹ کی اہمیت کے پیش نظر یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ یہودی اس پر سوال اُٹھانے والے کو نسل پرست اور نازی قرار دینا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں اگر اس تراشی ہوئی کہانی کی حقیقت دنیا کے سامنے آ گئی تو ان کے پاس اسرائیل کے قیام کا جواز ہی نہیں رہے گا۔ اگرچہ اس موضوع پر کام کرنا مغرب میں مشکل ہے لیکن کچھ اہلِ علم نے یہ بیڑا اٹھایا اور ہر طرح کی مخالفت کے باوجود حقائق کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی۔ 1962ء میں فرانسس پیکر یوکی نے ہالوکاسٹ کے سلسلے میں کیے جانے والے پراپیگنڈے کو چیلنج کیا لیکن اس کے خلاف عدالتی تحقیقات شروع ہو گئیں، اس نے مصر میں پناہ لے لی۔ لیکن FBI نے اس کو وہاں سے اٹھا لیا اور بعد ازاں وہ حراست میں مارا گیا۔ اس کے علاوہ ہنری المریارنس نامی

محقق نے گرانقدر کام کیا اور ہالوکاسٹ کو ایک عظیم جھوٹ قرار دیا۔ اسی دوران Ernst Zundel نے کتاب Six Million Really Die? لکھی تو اسے انٹاریو کی عدالت نے 15 ماہ کی قید سزا سنائی۔ 1964ء میں ایک فرانسیسی مصنف Paul Rassinier کی کتاب The Drama of European Jews آئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف نے خود کئی سال جرمنوں کی قید میں گزارے۔ وہ Buchenwald اور Dachau کے جرمن کیمپوں میں قید رہا۔ اس نے خود لکھا ہے کہ ان کیمپوں میں مرنے والے ناکافی خوراک، طبی سہولیات اور نمونیہ کی بیماری کے ہاتھوں مارے گئے اور گیس چیمبرز والی بات محض افسانہ ہے۔

ہالوکاسٹ پر تحقیق کرنے والوں نے دو باتوں پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی۔ ایک 60 لاکھ کی غیر معمولی تعداد اور دوسرا گیس چیمبرز کی موجودگی۔ ان کی تحقیقات سے دونوں باتیں غلط ثابت ہوگئیں۔ جہاں تک اس دعوے کا سوال ہے کہ ہالوکاسٹ میں 60 لاکھ یہودیوں کی موت ہوئی تھی تو اس کے بارے میں پہلی حقیقت یہ ہے کہ 11 جنوری 1945ء کی نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق یورپ بھر میں دوسری جنگ عظیم سے قبل یہودیوں کی تعداد 56 لاکھ تھی اور بہت سے یہودی زندہ رہے۔ دوسری بات ہے کہ دوسری عالمی جنگ میں برطانیہ، امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا، نیوزی لینڈ، فرانس، بلجیم، ہالینڈ، ناروے، ڈنمارک اور لگسمبرگ کا مجموعی جانی نقصان بھی اتنا نہیں تھا جتنا صرف یہودیوں کا بتایا جاتا ہے۔ اگر ہم تاریخی حوالوں سے اس دعوے کی چھان بین کریں تو 56 لاکھ میں سے 10 لاکھ روس چلے گئے، سوا4 لاکھ یہودی غیر جانبدار ملکوں میں چلے گئے۔ 15 لاکھ دیگر یورپی ممالک کی طرف نکل گئے جبکہ 8 لاکھ سے زائد سائبیریا چلے گئے۔ گویا ایڈولف ہٹلر کے زیر قبضہ یہودیوں کی تعداد 20 لاکھ یا اس سے بھی کم کی تھی ان میں سے بھی کافی بچ نکلے۔ ایسی صورت میں 60 لاکھ یہودیوں کی ہلاکتوں کو تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کو بیان کرنے پر یہودی میڈیا آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کئی یورپی ممالک مثلاً آسٹریا، پولینڈ، ہنگری وغیرہ میں اس تعداد کے بارے میں رائے زنی کرنا جرم ہے۔ جہاں تک گیس چیمبرز کی بات ہے تو جدید تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ Stutthof کیمپ میں گیس چیمبرز تھے اسی لیے دوسری جنگ عظیم کے بعد ہر سال لوگوں کو جنوب وسطی پولینڈ میں قائم اس کیمپ کا دورہ کروایا جاتا اور گیس چیمبرز دیکھائے جاتے۔ لیکن جنوری 1985ء میں ایک فرانسیسی جریدے L' Express نے اس راز کا پردہ چاک کیا اور رپورٹ دی کہ گیس چیمبرز دوسری جنگ عظیم کے بعد تعمیر کیے گئے اور ان کا جرمنوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اتحادیوں کو ابھی تک کوئی بھی ہٹلر کا ایسا حکم نامہ نہیں ملا جس میں اس نے یہودیوں کی نسل کشی کا حکم دیا ہو۔ اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہالوکاسٹ کچھ بھی نہیں بلکہ ایک ایسی داستان ہے جسے یہودیوں نے اسرائیل حاصل کرنے کے لیے گھڑا۔ اس امر میں احمدی نژاد کا مطالبہ غلط نہیں کہ اسرائیل کو ختم ہونا چاہیے اور اگر یورپی ممالک اسرائیل قائم کرنا ہی چاہتے ہیں تو یورپ میں قائم کریں۔ اس ساری داستان سے جہاں یہودی عیاری مکاری اور داستان سازی کی صلاحیت واضح ہوتی ہے وہاں مسلمانوں کی حالات سے عدم آگاہی اور کمزوری بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ وہ ہالوکاسٹ نامی بت پاش پاش کرنے کے لیے متحدہ ہو جائیں اور اس کی بنیاد پر قائم اسرائیل کے وجود کو غیر قانونی قرار دیں۔



صہیونیت تاریخ اور عزائم



ایک تحقیق کے مطابق صہیونیت یا Zionism یہودیوں کی عالمی تحریک کا اصل مقصد پوری دنیا پر یہودی اثر و سوخ قائم کرنا اور عالمی یہودی مفادات کی نگرانی کرنا ہے۔

اگست 1897ء میں باسل (Basle) کے مقام پر صہیونیوں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ یہ کانفرنس صہیونیت کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے اس کانفرنس میں وہ عزائم و مقاصد طے کیے گئے جن کے حصول کے لیے دنیا بھر کے یہودیوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی اس کانفرنس کا اعلامیہ تھا کہ صہیونیت فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک وطن کے قیام کی جدو جہد کر رہی ہے جس میں یہودیوں کو تمام شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کانفرنس یہ فیصلہ کرتی ہے کہ:

1- فلسطین میں یہودی کسانوں، مزدوروں اور کاریگروں کی آباد کاری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
2- مقامی قوانین اور حالات کے مطابق تمام ملکوں میں یہودیوں کی تنظیمیں قائم کی جائیں جو ایک عالمی تنظیم کے تحت ہوں گے۔
3- یہودیوں میں نسلی برتری کا احساس اور شعور بیدار کیا جائے۔
4- ان مقاصد کے حصول کے لیے سرکاری منظوری حاصل کرنے کے سلسلہ میں بنیادی اقدامات کیے جائیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے یہودیوں نے جو اقدامات کیے اس مضمون میں ان کا مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

برطانیہ کا کردار

برطانوی یہود صہیونیت کی تحریک کو آگے بڑھانے میں پیش پیش تھے۔ برطانوی سرمایہ داروں نے برطانوی یہودیوں کی عملی مدد کی۔ بڑے بڑے کاروباری اداروں نے صحافیوں کی خدمات حاصل کیں تاکہ فلسطین میں ایک یہودی حکومت کے قیام کے لیے رائے عامہ ہموار کر سکیں۔ اس کے لیے خلافت عثمانیہ سے کام کا آغاز کیا گیا۔ یہودیوں نے ترکی کے سلطان عبدالحمید سے مراعات حاصل کرنے کے لیے کوشش شروع کر دی تاکہ فلسطین میں ایک خود مختار یہودی حکومت کے قیام کے لیے راہ ہموار کی جائے۔ اس مقصد کے لیے 1898ء میں یہودیوں نے جرمنی کے قیصر ولیم کی خدمات بھی حاصل کیں، لیکن سلطان عبدالحمید نے صاف انکار کر دیا۔

یہودیوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔اب انہوں نے سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے ترکی میں خفیہ تنظیم قائم کر لی اور سلطان کے خلاف زیرزمین کام کرنے لگے۔ان خفیہ سرگرمیوں کے نتیجے میں 1913ء میں یہودی ایجنٹ شوکت پاشا نے فوج کی مدد سے سلطان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔جب نئی حکومت نے اپنی کابینہ تشکیل دی تو اس میں تین یہودی نژاد وزیر شامل تھے جن کو تعمیرات عامہ، تجارت وزراعت اور مالیات کے محکمے سپرد کیے گئے۔ فلسطین میں عمل دخل حاصل کرنے کے لیے یہودیوں کی یہ پہلی کامیابی تھی۔

1914ء میں ان تینوں یہودی وزرا نے ترک حکومت سے ایک قانون پاس کرایا کہ یہودیوں کو فلسطین میں جائیداد بنانے کی اجازت دی جائے۔اس طرح تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودیوں کو فلسطین میں اپنی تنظیمیں اور ادارے قائم کرنے کا موقع ملا۔ان قوانین کے نتیجے میں سلطان کی فلسطینی جاگیریں بکنا شروع ہوگئیں۔یہ زمینیں نہایت زرخیز تھیں اور یہودیوں نے مشترکہ طور پر خریدنا شروع کر دیں۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام سے کچھ عرصہ پہلے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ جرمنی اتحادیوں کے ہاتھوں شکست کھا جائے گا تو یہودیوں نے اتحادیوں پر زور دیا کہ ان کیلئے فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائے جو کہ برطانیہ کے زیر تحفظ ہوگی۔اس کے بدلے میں دنیا بھر کے یہودی جنگ میں جرمنی کے خلاف اتحادیوں کی مدد کرینگے۔برطانیہ کو اس بات کا یقین دلایا گیا کہ مذکور ریاست کے قیام سے برطانیہ کیلئے ہندوستان کا بحری راستہ محفوظ ہو جائے گا۔

اب یہودیوں نے اتحادی ملکوں بالخصوص برطانیہ اور امریکہ میں اپنا پروپیگنڈہ تیز کر دیا تا کہ باسل (Basle) میں ہونے والی عالمی یہودی کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ان فیصلوں کا مقصد یہودیوں میں عالمگیر اتحاد پیدا کر کے فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک خود مختار ریاست کا قیام تھا۔ 1917ء میں پروپیگنڈے کے زور پر لیکن بظاہر سفارت کاری کے ذریعے انگریزوں سے مشہور ''بیلفور معاہدے'' کا ڈکلیریشن کروا دیا۔

اس کی رو سے برطانیہ اور فرانس نے عرب ملکوں کے درمیان نفاق ڈال کر تقسیم کرو کی منصوبہ بندی کی چونکہ یہودیوں اور عربوں دونوں قوموں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف اتحادیوں کی بھرپور مدد کی تھی۔لہٰذا سلطنت عثمانیہ کی شکست کے بعد عرب کے کچھ علاقے عربوں کو اور کچھ علاقے یہودیوں کو مال غنیمت کے طور پر دیے گئے۔یہودیوں کو فلسطین کا وہ علاقہ ملا جو آج اسرائیل کہلاتا ہے اور عربوں کو سعودی عرب، اردن اور عراق کا علاقہ ملا۔یہ علاقے ملکہ کے شریف حسین کو اس کی ''شاندار'' خدمات کے صلے میں عطا کیے گئے تھے جو جنگ عظیم اول میں اس نے ترکوں کے خلاف انگریزوں کے لیے سرانجام دیں تھیں۔ترکی کے علاوہ سلطنت عثمانیہ کے باقی علاقے اتحادیوں نے آپس میں بانٹ لیے۔اس طرح جنگ عظیم اول 1914ء تا 1918ء کے خاتمے تک یہود سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر کے اور اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کر کے اپنے اہم مقاصد حاصل کر چکے تھے۔

1921ء میں لیگ آف نیشنز (League of nations) نے فلسطین کو برطانوی عمل دخل میں دے دیا اس موقع پر امریکی کانگریس نے ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے امریکہ نے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی حوصلہ افزائی کرنے کا عہد کیا۔دو سال بعد امریکہ نے

ایک خاص فرمان پر دستخط کیے جس کی رو سے اعلان بالفور (Balfour Declaration) اور فرمان انقلاب (Mandate) میں کسی بھی قسم کی تبدیلی سے پہلے امریکہ کی منظوری لازمی قرار دی گئی۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ صہیونی تحریک شروع ہی سے عربوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتی تھی۔ صہیونی تحریک نے ہمیشہ سامراجی قوتوں کا ساتھ دیا جن کی پالیسی کا مقصد عربوں کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا کرنا تھا۔

فلسطین میں برطانوی پالیسی یوں تھی:

1- یہودیوں کی فلسطین میں نقل مکانی کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

2- مقامی عربوں کی زمینیں یہودیوں کے ہاتھ فروخت کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

3- یہودیوں کو مختلف سماجی اور معاشی ادارے قائم کرنے کی اجازت دی جائے اس کے برعکس عربوں کو اس حق سے محروم رکھا جائے۔

4- یہودیوں کو فوجی تربیت حاصل کرنے کی تمام ممکن سہولتیں فراہم کی جائیں جبکہ عربوں کے پاس کسی قسم کے ہتھیاروں کی موجودگی کی سزا موت تھی۔

5- فلسطین میں برطانوی اور امریکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ اسرائیل میں ان کی صنعتوں کو ترقی مل سکے اور یہودی اپنی مرضی کے مطابق وہاں زندگی بسر کر سکیں۔

اس پالیسی کا مقصد عربوں کی صنعتی ترقی کو ختم کرنا اور انہیں بے روزگاری کی مصیبت میں مبتلا کرنا تھا۔ نیز یہودیوں کی مزدور تحریک کی ترقی اور اسے یہودی ریاست کے قیام کے لیے ایک ریزرو فورس بنانا تھا۔

جنگ عظیم دوم 1939ء تا 1945ء کے دوران یہودی تنظیموں کے ذریعے یہودیوں کو فوجی تربیت دی گئی۔ چونکہ یہودی فوج اتحادیوں کی فوج کا ایک حصہ تھی اس لیے یہودی فوجوں اور ان کی فوجی تنظیموں کے ہاتھوں فلسطینی عربوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔

اقوام متحدہ کا کردار

جنگ عظیم دوم اتحادیوں کی فتح پر ختم ہوئی تو برطانیہ نے فلسطین کی حفاظت کے سلسلہ میں کسی قسم کی مزید ذمہ داری اٹھانے سے معذوری کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب برطانیہ یہودیوں کی ایک تربیت یافتہ اور مسلح فوج تیار کرنے میں پوری مدد دے چکا تھا اور فلسطین میں یہودی تارکین وطن کی تعداد چھ لاکھ ہو چکی تھی اس کے بعد امریکہ نے فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کر دیا جس کا مقصد مسئلہ فلسطین کا حل تلاش کرنا تھا۔ فروری 1947ء میں برطانوی حکومت نے مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ میں پیش کر دیا تاکہ اس کا کوئی حل تلاش کیا جا سکے۔ اس عالمی تنظیم نے اس کا یہ حل پیش کیا کہ فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔

29 نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے تقسیم ملک کے اصول کی حمایت کر کے اس کو یہودیوں اور عربوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ دے دیا۔

ہولوکاسٹ کا ورثہ

ہولوکاسٹ جس سطح یا درجے کا بھی رہا ہو اسے بیسویں صدی کا خوفناک ترین واقعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے منحوس اثرات دوسری جنگ عظیم کے بعد سے لیکر آج تک دنیا پر اپنا سایہ کیے ہوئے ہیں۔ جنگ کے بعد اتحادیوں نے اعلان کیا تھا کہ یہودیوں کی نسل کشی کے مرتکب ذمہ داروں کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے گا اور مظلومین اور متاثرین کو معاوضہ دیا جائے گا۔ ہولوکاسٹ کی نحوست کے زیر سایہ 1948ء میں اسرائیل کی یہودی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اس ایک واقعے نے قوموں اور ریاستوں کے مابین تعلقات کو ایک نئی جہت دی اور ریاستی سطح پر نسل پرستی سے متعارف کروایا۔

اتحادی طاقتوں نے اس ضمن میں ایک معاہدہ کیا کہ بچ جانے والے نازی لیڈروں پر نیورمبرگ میں انسانیت کے خلاف جرائم کی پاداش میں مقدمہ چلایا جائے۔ ان مقدمات کی کارروائی 1945 تا 1946 (ایک سال) تک جاری رہی۔ ان نازی رہنماؤں پر ساٹھ لاکھ یہودیوں کی ہلاکت کی فرد جرم عائد کی گئی تھی۔ اس تعداد میں موت کے کیمپوں کے اندر اور باہر سینکڑوں خانہ بدوشوں، ہم جنس پرستوں کے نام، سیاہ فام، ذہنی اور جسمانی طور پر معذور اور اقلیتی گروہوں سے تعلق رکھنے والے بھی شامل تھے۔ ان نازی رہنماؤں میں سرکردہ نام ہملر اور ہیڈرچ کے تھے جنہیں برطانوی دستوں نے جا گھیرا تھا۔ ہملر ان دستوں کی گرفت میں آنے سے قبل ہی 1945 میں خودکشی کر چکا تھا۔ ہیڈرچ کو 1942 میں پراگ میں چیک قوم پرستوں کے ہاتھوں موت کا جام پینا پڑا تھا۔



جنگی جرائم کے مقدمے کی نیورمبرگ میں سماعت کا منظر

نیورمبرگ مقدمات کا بنیادی مقصد اُن سرکردہ نازی رہنماؤں کو قانون کے کٹہرے میں لانا تھا جو اس وقت تک زندہ تھے کیونکہ جب تک بین الاقوامی فوجی ٹریبونل 1945 میں نیورمبرگ میں اپنا اجلاس کرتا، ہٹلر، گوئبلز اور ہملر خودکشی کر چکے تھا اور گورنگ سے اسی ردعمل کی توقع تھی اس سے قبل کہ اسے موت کی سزا دی گئی پر عمل درآمد ہوتا۔ نازی پروپیگنڈا مشینری کی طرف سے نیورمبرگ عدالتوں کو دکھاوا قرار دیا جا رہا تھا چونکہ ان مقدمات کا منطقی نتیجہ دیوار پر لکھا تھا۔ اسی وجہ سے روسی تمام ملزموں کو بغیر مقدمہ چلائے پھانسی دینے کی بات کرتے تھے۔ بالآخر تمام نازی رہنما پھانسی پر لٹکا دیے گئے تمام کے تمام نسل کشی کے جرائم کے مرتکب پائے گئے تھے۔ ولہم کائیٹل اور الفریڈ جول جیسے فوجی رہنماؤں کا یہ بیان ٹریبونل کو مطمئن نہ کرسکا کہ وہ یہودیوں کے اجتماعی قتل عام کے بارے میں لاعلم تھے اور وہ صرف سپاہی کی حیثیت سے حکم بجالا رہے تھے۔

کیا نیورمبرگ میں انصاف کیا گیا تھا؟ شاید نہیں کیونکہ بہت سے سرکردہ نازی سزا سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ مثال کے طور پر آئیکمین ارجینٹائن کی طرف فرار ہوگیا۔ نازی پارٹی کو مجموعی طور پر قصوروار ٹھہرا کر ذمہ دار قرار دینے کا امریکی خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا کیونکہ تب تک 80 لاکھ لوگ نازی پارٹی کی رکنیت لے چکے تھے اور اتنی بڑی تعداد پر ہولوکاسٹ کی ذمہ داری ڈالنا دیوانے کا خواب ہی کہلا سکتا تھا چنانچہ امریکیوں نے اس خیال کو ترک کردیا۔ (یاد رہے کہ ہولوکاسٹ کا نظریہ اور نام سب سے پہلے مورخ ڈینیل گولڈہیگن نے قائم کیا تھا)۔ نیورمبرگ ٹرائل میں چھوٹے پرزوں کو نظرانداز کر کے بڑے مہروں پر توجہ دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ذمہ داروں کے انتخاب کا طریقہ کار بھی غلط تھا۔

نازی فلسفے سے چھٹکارے کی خواہش

اتحادی طاقتیں اس بات کی خواہش مند تھیں کہ جرمنی کو نیشنل سوشلزم کے اثرات سے پاک کردیا جائے۔ نیورمبرگ کے بعد اوزوچ کے کمانڈر ہوئیس پر مقدمہ چلایا گیا جو یہودیوں کی نسل کشی میں مکمل طور پر شریک تھا۔ اتحادی قوتوں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود بہت سے جرمن باشندے نازیوں کے جرائم کی حقیقت کو تسلیم کرنے اور ان کے خلاف بات کرنے پر تیار نہ تھے۔ ایسا اس وجہ سے بھی ہوا تھا کہ خود اتحادیوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد بوچنوالڈ کے نزدیک واقع وائیمر جیسے سرحدی قصبوں کے جرمن شہریوں کو نازیوں کا شکار بنے یہودیوں کی جلی اور مسخ شدہ لاشوں کو زمین میں دفن کرنے دیا تھا چنانچہ جرمن عوام کی اکثریت یہود نسل کشی کے بارے میں لاعلم ہی رہی 1956 کے اواخر میں مقدمے کی سماعت کے دوران ہوئیس نے جب منہ کھولا اور جو بیان دیا وہی عوام تک پہنچا اور انہیں حالات کی سنگینی کا علم ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ 1961 میں اڈولف ایک مین پر چلائے گئے مقدمے نے نوجوان جرمن نسل میں جرمن تاریخ کے بارے میں حقائق سے پردہ اٹھایا۔ اس سے قبل انہیں ان کی سینئر نسل نے یہی تاثر دیا تھا کہ مطلق العنانی کے خلاف مدافعت ناممکن ہوتی ہے اور جنگ کے دوران قتل وغارت لازم وملزوم ہوتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر آئیکمین ارجنٹینا کی طرف فرار ہوگیا تھا۔ اس کا شمار بدنام زمانہ S S کے ان بہت سے ارکان میں ہوتا تھا جو لاطینی امریکہ کی طرف بھاگ گئے تھے۔ اسے اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد نے اغوا کر کے اسرائیل پہنچایا، اس پر یروشلم میں مقدمہ چلایا گیا اور جنگی جرائم میں ملوث ہونے پر 1962 میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اس واقعے پر تفصیلی بحث کتاب کے اگلے صفحات پر موجود ہے۔ نازیوں کے جنگی جرائم پر ان کا احتساب مزید جاری رہتا اگر تاریخ کے اس نازک موڑ پر "کولڈ وار" درمیان میں حائل نہ ہوجاتی۔ 1940 کے آخر تک روس اور

مغربی طاقتوں کے درمیان تعلقات کافی بگڑ چکے تھے۔ جرمنی اس وقت مشرقی اور مغربی دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ مشرقی جرمنی روسی کنٹرول میں تھا جبکہ مغربی جرمنی کے کچھ حصوں پر مغربی طاقتیں امریکہ، برطانیہ اور فرانس قابض تھیں۔ امریکہ مغربی جرمنی کو اپنا اتحادی دیکھنا چاہتا تھا۔ ان حالات میں مغربی طاقتیں اپنے باقیماندہ وسائل کو بچ جانے والے جنگی مجرموں کے شکار میں جھونکنے سے گریزاں تھیں۔ روس کے ساتھ ان کے معاملات کشیدگی کی طرف بڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے 1948 اور 1949 کے درمیانی عرصے میں روس کے ساتھ جنگ کے امکان موجود تھے۔

چنانچہ جنگی جرائم میں ملوث ذمہ داران کو قرار واقعی سزا دینے کی ذمہ داری مشرقی اور مغربی جرمنی کی حکومتوں پر ڈال دی گئی۔ مشرقی جرمنی نے نازی جنگی مجرموں کے شکار میں غیر معمولی دلچسپی دکھائی لیکن اس نے 1933 اور 1945 کے درمیان فاشسٹوں کی طرف سے روا رکھے گئے تیسرے رائخ کے مظالم کا وارث کہلانے سے انکار کر دیا تھا۔ مغربی جرمنی نے البتہ ایسے مظالم کو قانون کے کٹہرے میں لانے کی باوقار کوششیں کیں اس جیسی مثالیں اس سے قبل جاپان میں بھی نظر نہیں آئی تھیں۔ اس کے باوجود 1960ء کے وسط تک ہزاروں کیس حل طلب ہی رہے جبکہ ایسے مقدمات کے لیے مخصوص ٹائم فریم کو 1965ء تک بڑھایا بھی گیا تھا۔

اگرچہ 1960ء میں بائیں بازو کے فاشٹ انقلابی ہٹلر کے بچوں اور وہ نسل جو تیسرے رائخ کے دور میں پروان چڑھی تھی، نے مغربی جرمنی کی حکومت کے کئی اقدامات پر سخت ردعمل کا اظہار کیا تھا مغربی جرمنی کی حکومت نے جرمنی کی نئی نسل کو نازی نسل پرستی کے اثرات اور پروپیگنڈا سے محفوظ رکھنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ کسی حد تک حکومتی کوششیں کامیابی سے ہمکنار بھی ہوئیں تھیں۔

تلافی

نازی جنگی مجرموں کی سزا، جزا کے مسئلے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا سوال متاثرین کے غم کا مداوا کرنا اور نقصان کی تلافی کرنا تھا۔ کونارڈ ایڈینائر جو 1949ء تا 1963ء وفاقی جرمن چانسلر تھا اس نے 1953ء میں ایک قانون متعارف کروایا تھا کہ نازی نسل پرستی کا شکار بننے والے یہودیوں کے ساتھ ریاست اسرائیل کو بھی نقصانات کی تلافی کے طور پر معاوضہ دیا جائے گا۔ اسرائیل نے 1953ء اور 1965ء کے درمیان 715 ملین ڈالر (1190 ملین پاؤنڈ) کے مغربی جرمنی کے قرض وصول کیے تھے۔ اس کے برعکس، مشرقی جرمنی نے 1945ء سے قبل روا رکھے گئے فاشسٹوں کے جرائم کی ذمہ داری لینے سے صاف انکار کر دیا تھا اور معاوضہ ادا کرنے جیسے کسی اقدام کا اظہار نہیں کیا۔

دوسری ریاستیں بھی مغربی جرمنی کی نسبت اس بات کو تسلیم کرنے پر کم ہی آمادہ نظر آتی تھیں کہ ہولوکاسٹ جیسے سانحے سے زندہ بچ جانے والوں کے ساتھ انصاف کیا جانا چاہیے۔ ایسی ریاستوں میں سرفہرست سوئیزرلینڈ تھا جس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران اپنی غیر جانبداری سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ نازیوں کی طرف سے یہودیوں کے لوٹے سونے کا ڈھیر سوئس بینکوں میں ہی تھا۔ یہ بھی ہولوکاسٹ کا حصہ تھا۔ ایسا ہی کچھ سونا موت کے کیمپوں کے شکاروں کے دانتوں سے اُکھاڑا گیا تھا جسے پگھلا کر سونے کی سلاخیں بنا کر سوئیزرلینڈ میں جمع کروا دیا گیا تھا۔ یہ ایک طرح کا کالا دھن تھا۔ سوئس حکومت جس کے بینکنگ قوانین نہایت سخت تھے، وہ لوگوں کی طرف سے اپنے اکاؤنٹس کے سلسلے میں کی جانیوالی فون کالوں کو ناپسند کرتے تھے بلکہ ایسی کالوں کی مزاحمت کرتے تھے۔ ایسے ہی کورے جواب ہولوکاسٹ کے متاثرین کے عزیز واقارت کو بھی سننے پڑے جب وہ

اپنے رشتہ داروں کی جمع کردہ رقوم کی بابت جاننے کے لیے اور اکاؤنٹس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے رابطے کرتے تھے۔ اس طرح 1947ء سے سوئس حکومت ٹالنے اور دیر کرنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا رہی لیکن ردعمل بڑھتا چلا جارہا تھا۔ بالآخر 1997ء میں سوئس انتظامیہ کو مجبور کردیا گیا کہ وہ 2.9 بلین ڈالر (1.7 بلین پاؤنڈ تقریباً) کی مساوی رقم پر مشتمل ایک فنڈ قائم کرے جو متاثرین اکاؤنٹس کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کا بندوبست کرے گا۔ سکیم کے مطابق یہ فنڈ سالانہ 350 ملین سوئس فرینکس (8.75 ملین پاؤنڈ) تک کی رقم جاری کرے گا جس سے ہولوکاسٹ اور دوسری تمام انسانی حادثوں کے متاثرین کو پہنچنے والے نقصانات کا ازالہ کیا جائے گا۔ سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران سوئس حکومت کی پالیسی ''اخلاق سے گری'' ہوئی تھی۔ یہ غلطی تسلیم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ سوئس کی طرف سے لوگوں کی مالی تلافی کی جارہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پس منظر میں ورلڈ جیوش کانگریس، امریکی حکومت کا دباؤ اور امریکی عدالتوں میں سوئس حکومت اور بینکوں پر کیے گئے کیس تھے۔

ہولوکاسٹ کا ابتدائی اثر یہ تھا کہ سینکڑوں ہزاروں یہودی جو موت کے منہ سے بچ نکلے تھے، مشرقی اور مرکزی یورپ میں پڑے تھے۔ اسی اثنا میں چونکہ یہودیوں کو 1917ء کے بعد فلسطین میں ایک ''قومی گھر'' مل گیا تھا، دنیا بھر میں پھیلے یہود فلسطین کی طرف دیکھتے تھے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت تھی کہ ان کا اصل وطن جرمنی، پولینڈ یا آسٹریا تھے لیکن ان میں سے چند ایک ہی اصل وطن کی طرف جانے کی خواہش کرتے تھے۔ ظلم و بربریت کے واقعات نے انہیں اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ وہ جنگ سے پہلے کی سطح کی آبادی کا درجہ اور معیار حاصل کرپاتے۔

اسرائیل کا قیام

جب ایک متوقع یہود ریاست کے قیام کی بازگشت فضا میں گونج رہی تھی، حالات فلسطین میں ابتر ہورہے تھے۔ برطانیہ فلسطین میں استعماری طاقت تھا۔ فلسطین اس کی کالونی تھی۔ تب تک کی برطانوی پالیسی کے مطابق برطانیہ یہودی ریاست کے قیام کے نظریے کا مخالف تھا چنانچہ 1944ء میں برطانیہ نے فلسطین میں یہود داخلے پر پابندی لگادی تھی کیونکہ اسے مقامی عربوں کی طرف سے شدید ردعمل کا اندیشہ تھا۔ دفتر خارجہ عربوں کا حمایتی تھا اور وہ بھٹکے یہودیوں کے بارے میں غیر ہمدردانہ رویہ رکھتا تھا۔ یہ رویہ جوں کا توں رہا جب تک لیبر سیاستدان آرنسٹ بیون نے قدامات پسند انتھونی ایڈن کو 1945ء میں خارجہ سیکرٹری کے دفتر سے بائے بائے نہ کردیا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ موت کے کیمپوں سے بچ نکلنے والوں کی ایک کثیر تعداد فلسطین جانا چاہتی تھی لیکن برطانوی حکومت نے پالیسی پر نظر ثانی کرنے سے انکار کردیا تھا اس فیصلے نے امریکہ میں برطانیہ کی شہرت کو داغدار کردیا تھا۔

یہودی ردعمل دور خاتھا

-1 فلسطین کے اندر یہودی آبادکاروں نے Irgun اور The Stern Gang نامی تنظیمیں قائم کردیں تھیں۔ یہ تنظیمیں فلسطین کے اندر برطانوی فوجوں کے خلاف دہشت پسند سرگرمیوں میں ملوث تھیں۔ برطانوی انہیں ''اسرائیل کی آزادی کے لیے لڑنے والے گوریلے'' کہتے تھے۔

2- فلسطین کے باہر صیہونی گروہ مشترکہ طور پر متاثرین ہولوکاسٹ کو غیر قانونی طور پر فلسطین کی طرف بھیجنے کے نت نئے طریقوں پر کام کرتے تھے۔

برطانوی فوجوں اور یہودی دہشت گردوں (برطانوی جیسا انہیں کہتے تھے) کے درمیان جاری یہ کیس متاثرین ہولوکاسٹ کے رشتہ داروں کی طرف سے کیے گئے تھے۔ ان قانونی مقدمات میں بھاری ہرجانوں کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔ اس دباؤ تلے آ کر سوئس حکومت کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ رعائتیں دے یا پھر اس دباؤ کا سامنا کرے۔

سوئس بینک ہی رقوم ہڑپنے اور اکاؤنٹس منجمد کرنے کے اکلوتے ذمہ دار نہ تھے برطانوی بینک بھی اس حمام میں ننگے تھے۔ مثال کے طور پر 1998ء میں متاثرین ہولوکاسٹ کے رشتہ داروں کی طرف سے ان کے عزیزوں کے اکاؤنٹس سے رقوم نکالنے کی کوشش کے جواب میں یہ کہہ کر ان کی درخواستیں رد کردی گئیں کہ ان کے رشتہ دار دوسری جنگ عظیم میں ''دشمن کے اتحادی'' تھے۔ اس مسئلے پر بینکوں کی بے حسی جنگ کے بعد کے دور کا اہم حصہ رہی ہے۔

ایسی بے حسی کی ایک مثال ریاستوں میں سرکاری سطح پر بھی نظر آئی۔ جولائی 1998ء میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ نازی مظالم سے بچنے والے 500 یہودی متاثرین کو دفتر خارجہ لندن کی طرف سے قائم کردہ 1 ملین پاؤنڈ کے فنڈ سے صرف 400 پاؤنڈ فی کس دیے جائیں گے۔ نقصان کی تلافی کی سوچ کی کم مائیگی کا اندازہ اس بات سے ہوتا نظر آیا جب 37 ملین پاؤنڈ کی رقم سے ایک فنڈ قائم کیا گیا تھا۔ ایسا دسمبر 1997ء میں منعقد کردہ ایک بین الاقوامی کانفرنس کے نتیجے میں ہوا تھا جس میں لوٹا گیا نازی سونا منظر عام پر لایا گیا تھا۔ ایسی ہی صورت حال 1939ء سے قبل نظر آئی جب معاملہ یہودی مہاجرین کا تھا ان کی مالی تلافی کا نہیں تھا، تب بھی اس انسانی مسئلے کو چنداں اہمیت نہ دی گئی اور اسے کسی اور کا مسئلہ ہی سمجھا گیا۔

برٹش پالیسی کا ایک مثبت پہلو کم از کم 1998ء میں اس وقت نظر آیا جب یہ اعلان کیا گیا کہ سابقہ روسی مملکتوں یوکرائن، بیلورشیا اور مالڈووا میں بسنے والے کم و بیش 70,000 اور زندہ بچ جانے والے متاثرین ہولوکاسٹ کو 600,000 پاؤنڈز معاوضہ دیا جائے گا۔ مزید براں دسمبر 1998ء میں برطانوی حکومت کی طرف سے فرمان جاری کیا گیا کہ 25 ملین پاؤنڈز یہودیوں کے ان عزیز و اقارب کو دیے جائیں گے جن کے اکاؤنٹس اس بناء پر منجمد کردیے گئے تھے کہ وہ دوسری جنگ عظیم کے دوران دشمن ریاستوں میں رہائش پذیر تھے۔

اسرائیل کی یہودی ریاست 1948ء میں اس وقت معرض وجود میں آئی جب ہولوکاسٹ گزر چکا تھا لیکن ہولوکاسٹ نے اس ریاست پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

ہولوکاسٹ کے فوری اثر کے تحت موت کے مبینہ کیمپوں کے سینکڑوں ہزاروں متاثرین درخت سے گرے سوکھے پتوں کی طرح مرکزی اور مشرقی یورپ میں پھیل چکے تھے۔ ان کی اکثریت اپنے ''قومی گھر'' کی طرف دیکھتی تھی جو 1917ء کے بعد سے یہودی مہاجرین کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ان میں سے بہت کم اپنے اہل وطن جرمنی، آسٹریا یا پولینڈ کی طرف واپس جانا چاہتے تھے، وہاں انھوں نے ایسے ہولناک واقعات دیکھے تھے جن کے سبب ان کی عددی تعداد جنگ سے قبل کی سطح تک نہیں آسکتی تھی۔

مقدس کتابوں سے تحقیق کی رو سے

پولس رسول کا خط ھیلسینکیوں کے نام

خداوند خود آسمان سے للکارا اور مقرب فرشتے کی آواز اور خدا کے نرسنگے کے ساتھ اتر آئے گا اور پہلے تو وہ جو دورِ مسیح میں مرے جی اٹھیں گے۔ پھر ہم جو زندہ باقی ہونگے ان کے ساتھ بادل پر اٹھائے جائینگے تا کہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں۔ اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے۔ پھر میں نے تخت دیکھے اور لوگ ان پر بیٹھ گئے اور عدالت ان کے سپرد کی گئی اور ان کی روحوں کو بھی دیکھا جن کے سر یسوع کی گواہی دینے اور خدا کے ذکر اور کلام کے سبب کاٹے گئے تھے۔ وہ زندہ ہوکر 1000 برس تک مسیح کے ساتھ بادشاہی کرتے رہے، لہٰذا نصاریٰ اپنے عقیدے کے تحت حضرت عیسیٰ کا استقبال اور پوری دنیا پر 1000 سال تک حکمرانی کرنے کی خواہش کی تکمیل کے لیے مجدون میں آئے ہیں۔ جس کا پایہ تخت یروشلم ہو گا۔

یوحنا عارف کا مکاشفہ

اور چھٹے نے اپنا پیالہ بڑے دریا یعنی فرات پر الٹا اور اس کا پانی سوکھ گیا تا کہ مشرق سے آنے والے بادشاہوں کے لیے راہ تیار ہو جائے، پھر میں نے اس اژدھے کے منہ سے اور اس حیوان کے منہ سے اور اس جھوٹے نبی کے منہ سے تین ناپاک روحیں مینڈکوں کی صورت میں نکلتے دیکھیں۔ یہ شیاطین کی نشانی دکھانے والی روحیں ہیں جو قادر مطلق خدا کے روزِ عظیم کی لڑائی کے واسطے جمع کرنے کے لیے ساری دنیا کے بادشاہوں کے پاس نکل کر جاتی ہیں: (دیکھو میں چور کی طرح آتا ہوں۔ مبارک ہے وہ جو جاگتا ہے اور اپنی پوشاک کی حفاظت کرتا ہے تا کہ ننگا نہ پھرے اور لوگ اس کی برہنگی نہ دیکھیں) اور انہوں نے ان کو اس جگہ جمع کیا جس کا نام عبرانی میں ہرمجدون ہے۔

حضرت عیسیٰ کی پیش گوئی ایک دور اور دور اور نیم دور کی تکمیل کے لیے نصاری کس قدر بے چین اور کوشاں ہیں، اس کا ثبوت اس وقت ہمارے سامنے ریاست اسرائیل کے قیام اور نصاریٰ کے ہرمجدون میں موجودگی کی شکل میں موجود ہے۔ دیگر پیش گوئیوں کی تکمیل کے لیے بے چینی بھی ہماری نظر سے اوجھل نہیں کیونکہ وہ جاگ رہے ہیں، اپنی کتاب مقدس کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور عمل بھی۔ نصاریٰ کا مزید عقیدہ ہے کہ یہود میں سے ایک تہائی ہرمجدون کی جنگ میں مارے جائینگے۔ ایک تہائی آگ میں بھسم ہونگے اور بقیہ عیسائیت قبول کرلیں گے۔

مکاشفہ یوحنا

"اس چھٹے فرشتے سے، جس کے پاس نرسنگا تھا، کوئی کہہ رہا ہے کہ بڑے دریا یعنی فرات کے پاس جو چار فرشتے بندھے ہوئے ہیں، انہیں کھول دے۔ پس وہ چاروں فرشتے کھول دیے گئے جو خاص گھڑی اور دن اور مہینے اور برس کے لیے تہائی آدمیوں کو مار ڈالنے کے لیے تیار کیے گئے تھے...... ان تینوں آفتوں یعنی اس آگ، دھوئیں اور گندھک سے جوان کے منہ سے نکلتی تھی، تہائی مارے گئے۔

پچھلے 2000 سال میں نصاریٰ نے جو قتال یہودیوں کا کیا، اپنے عقیدے کی تکمیل کے لیے ''نیم دور'' میں اسے بھلا کر ان سے مقدس اتحاد کرلیا ہے اور اب ان کے سرپرست اور محافظ بن بیٹھے ہیں، اللہ تبارک تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہلے ہی اس بارے میں متنبہ کردیا ہوا ہے:

سورۃ المائدہ، 51: ''اے ایمان والو تم یہود کو اور نصاریٰ کو دوست نہ بنانا، یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں......''

کیا اب بھی کسی کو اس سچائی پر کوئی شک ہے۔

پولس رسول کا خط رومیوں کے نام

انجیل کے اعتبار سے تو وہ تمھارے دشمن ہیں لیکن برگزیدگی کے اعتبار سے باپ دادا کی طرح پیارے ہیں، اس لیے کہ خدا کی نعمتیں اور بلاوا بے تبدیل ہے۔ کیونکہ جس طرح تم پہلے خدا کے نافرمان تھے۔ مگر اب ان کی نافرمانی کے سبب سے تم پر رحم ہوا ہے۔ اس طرح اب یہ نافرمان ہوئے تاکہ تم پر رحم ہونے کے باعث اب ان پر بھی رحم ہو۔ اس لیے خدا نے سب کو نافرمانی میں گرفتار ہونے دیا تاکہ سب رحم فرمائے''...... بائبل میں درج ایسی ہی پیشگوئیوں کی تکمیل کے لیے نصاریٰ نے یہود کو باپ دادا مانتے ہوئے اب نہ صرف ان سے الحاق و اتحاد کرلیا ہے بلکہ ان کی حفاظت کا ذمہ بھی اٹھالیا ہے۔ اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ یا تو مسلمان ان کے عقیدے اور مذہب کو قبول کرلیں، نہیں تو ہم خود اس علاقے کو مسلمانوں سے پاک کردیں گے...... سورۃ البقرۃ: 135...... اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تب تم کو ہدایت نصیب ہوگی، آپ کہہ دیجئے کہ ملت ابراہیمؑ پر چل کر ہدایت مل سکتی ہے اور ابراہیمؑ مشرک نہیں تھے۔''

اور میں اس پر کچھ سمجھ نہ سکا۔ تب میں نے کہا ''اے میرے خداوند! ان کا انجام کیا ہوگا؟ اس نے کہا اے دانیال تو اپنی راہ لے کیونکہ یہ باتیں آخری وقت تک بند اور سربمہر رہیں گی''

ان آیات کی گہرائی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے سے تو ہم قاصر ہیں لیکن بظاہر تشریح کے مطابق، ان آیات میں حضرت دانیال حضرت عیسیٰؑ کا ذکر فرما رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ اپنی پیدائش سے 500/600 سال قبل حضرت دانیال کو خواب میں دکھائے گئے۔ وہ حضرت جبرائیل کے سوال کے جواب دے رہے تھے۔ اس کے حساب سے وقت گزر جانے پر ''نیم دور'' میں داخل ہیں۔ اس نیم دور میں حضرت عیسیٰؑ (مقدس لوگ) یہود کی ریاست اسرائیل کے قیام اور اس کا خاتمہ کرنے کا ذکر فرما رہے ہیں۔

بائبل میں درج پیشین گوئیوں کے مطابق نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح کا ظہور مشرق وسطیٰ میں اس وقت ہوگا جب ظہور کی شرائط مکمل ہوں گی:

1- اسرائیل کی ریاست قائم ہوگی۔

2- جب اسرائیل بائبل میں درج تمام علاقے فتح کرلے گا، ان علاقوں کا نقشہ اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت پر بنایا گیا ہے یعنی یہ ان کا کھلا مقصد (Objective) ہے۔

3- مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل کی دوبارہ تعمیر۔

ان شرائط کے پورا ہونے پر دجال کا خروج ہوگا جس کے خاتمے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔اس کے بعد دنیا میں عیسائیت کے 1000 سالہ دور حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

یہ تمام کام انسانوں کے ذریعے ہی پایہ تکمیل کو پہنچیں گے کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو کچھ روئے زمین اور انسانوں کے مقدر میں لکھ دیا ہوا ہے وہ یہی انسان ہی پورا کریں گے، حالات ویسے ہی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں۔

توریت میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''یہ میرے خدمت گذار اور چرواہے ہیں۔اب جیسے جیسے یہ ''نیم دور'' قریب آتا گیا، جس کی پیشین گوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے کردی تھی، اللہ کے یہ خدمت گذار اور چرواہے اس پیشین گوئی کی تکمیل کے لیے اقدامات کرتے چلے جائیں گے۔

جب سلطنت عثمانیہ (Ottoman Empire) کے سلطان عبدالحمید نے یہودیوں کی فلسطین میں دوبارہ آباد ہونے کی درخواست کو رد کر دیا تو یہود و نصاریٰ نے سازش اور طاقت سے سلطنت عثمانیہ کو ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ یہود کو فلسطین میں دوبارہ آباد کیا جا سکے۔پھر آسمان نے چشم فلک سے یہود کی مختلف سازشوں کو دیکھا۔قرآن حکیم اور بائیبل سے رہنمائی اور مذہبی کتب کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہودیوں کے کھلے اور چھپے عقائد، عزائم سامنے لانے میں مدد ملتی ہے تاکہ بنی نوع انسان کی اہم ترین ٹرائیکہ یہود مسلم عیسائی کے درمیان مسلسل کشمکش کی فضا کو امن و آشتی میں بدلا جا سکے۔

تورات کے مطابق بابل کے بادشاہ بنوکدنصر نے یہودیوں کو ان کی حرام کاریوں، سود خوری، نافرمانیوں اور شرک کے سبب اسرائیل سے نکال باہر کیا ساتھ ہی یہ وعدہ بھی فرمایا کہ یہ جلاوطنی 70 برس بعد پھر اسرائیل میں واپسی کی شکل میں ختم ہوگی اس وعدے کے مطابق حالات کچھ ایسے ترتیب ہوئے کہ ایران کے بادشاہ نے یہودیوں کو واپس اسرائیل میں آباد کرایا۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس سزا کے بعد یہ قوم بنی اسرائیل خود کو اللہ کی برگزیدہ قوم کہلانے کی اہل ثابت کرتی لیکن اس نے درپردہ سازشوں کا ایسا جال بننا شروع کر دیا جس کا لامحالہ نتیجہ قوم کی تباہی کی صورت میں سامنے آیا۔سرکشی کے مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی یہ قوم ایک ایسے دور میں داخل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے پیغمبروں کو ناحق قتل کرنا شروع کر دیا۔جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے تو یہودیوں نے نہ صرف آپ کی رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ بے بنیاد الزام لگا کر آپ کو اپنی دانست میں مصلوب کر دیا۔اس فعل بد کی پاداش میں خدائی لعنت کا شکار ہو کر دنیا بھر میں ایک مدت تک بے یار و مددگار پھرتے رہے اور ذلیل و رسوا ہوتے رہے۔یہ اپنی شناخت کھو بیٹھے، کوئی ملک انہیں پناہ دینے کو تیار نہ تھا۔دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں میں اٹھا لیا تاکہ انہیں دوبارہ مقررہ وقت پر (جو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) پر میثاق انبیا کی تکمیل، فتنہ دجال کے خاتمے اور زمین پر اپنی طبعی زندگی مکمل کرنے کی غرض سے بھیجا جائے گا۔ساتھ ہی یہود سے وعدہ فرمایا کہ ہم تمہیں 2000 سال بعد آخرت کے لیے پھر جمع کریں گے۔

قرآن حکیم میں سورہ بنی اسرائیل آیت 104 میں ارشاد ربانی ہے ''اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تم اس زمین پر رہو پھر جب آخرت کا

وعدہ آئے گا تو ہم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔''

2500 سال قبل یہی حکم کتاب مقدس تورات میں حضرت دانیال کے صحیفہ میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ ''پھر میں (دانیال) نے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ دو شخص اور کھڑے تھے۔ ایک دریا کے اس کنارے پر اور دوسرا دریا کے اس کنارے پر اور ایک نے اس شخص سے جو کتانی لباس پہنے تھا اور دریا کے پانی پر کھڑا تھا، پوچھا کہ ان عجائب کے انجام کو پہنچنے میں کتنی مدت ہے۔ میں نے سنا کہ اس شخص نے جو کتانی لباس پہنے تھا اور دریا کے پانی کے اوپر کھڑا تھا دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر حی القیوم کی قسم اُٹھائی اور کہا: ایک دور اور دور اور نیم دور اور جب مقدس لوگوں کے اقتدار کی نیست کر چکیں گے تو یہ سب کچھ پورا ہو جائے گا۔

یوں ریاست اسرائیل کا قیام عمل میں آ گیا۔ چونکہ یہی منشاء الٰہی تھا اس لیے ہونا ہی تھا۔ اب ریاست اسرائیل کے مستحکم ہونے پر اور 2000ء کے ''نیم دور'' کے شروع ہوتے ہی نصاری خود بھی اس سرزمین (مشرق وسطی) میں آدھمکے ہیں یعنی عراق (وادی ہرمجدون) میں آموجود ہوئے ہیں تاکہ ظہور عیسٰی کے وقت بادلوں میں پہنچ کر ان کا استقبال کریں۔ اس ضمن میں بائبل کے حوالے اور پیشن گوئیاں قارئین کے مطالعے کے لیے تاریخ انسانی کا انمٹ حصہ ہیں تاکہ مسلمان ان مذہبی، سیاسی اور زمینی حقائق کی طرف متوجہ ہو کر اپنا قبلہ درست کریں۔

فسلطین میں تناؤ کا نتیجہ ان دو حریفوں کے درمیان جنگ کی شکل میں سامنے آیا۔ ارگن اور سٹرن گینگ نے برطانوی فوجوں پر حملے شروع کر دیے جبکہ برطانیہ نے ہالوکاسٹ سے بچ نکلے یہودیوں سے بھرے بحری جہازوں کو روکنے کے لیے بحری ناکہ بندی کر دی۔ جولائی 1946 میں ارگن نے یروشلم میں کنگ ڈیوڈ ہوٹل میں واقع برطانوی فوجی ہیڈ کوارٹر کو دھماکوں سے اڑا دیا تھا جس کے نتیجے میں 91 افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے تھے۔ ردعمل کے طور پر برطانیہ نے 1,20,000 یہودیوں کے گرد گھیرا تنگ کر دیا اور سینکڑوں کو گرفتار کر لیا۔ اس کے باوجود وہ ارگن رہنما بینا چم بیگن کو گرفتار کرنے میں ناکام رہے جس کی گرفتاری پر 2000 پاؤنڈ کا انعام مقرر کیا گیا تھا۔ یہ وہی بینا چم بیگن تھا جسے 1977 تا 1983 اسرائیل کا وزیر اعظم بنایا گیا۔

ایک سال بعد برطانیہ نے سمندر کے راستے فلسطین کی طرف ہجرت (نقل مکانی) کر کے جانے والے 4000 ہولوکاسٹ متاثرین کو واپس لوٹا دیا۔ حکم یہ تھا کہ انہیں فرانس میں اتارا جائے لیکن متاثرین نے فرانس میں اترنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں انہیں جرمنی میں قائم کیے گئے نگرانی کے کیمپوں میں جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں یہودی دہشت گرد یا آزادی کے لیے لڑنے والوں اور برطانوی فوج کے درمیان جنگ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ برطانیہ نے 1947 میں پکڑے گئے ''دہشت گردوں'' کو ڈربوں میں بند کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ جواب میں ارگن نے برطانوی سپاہیوں کی ایک جماعت کو اغوا کر کے مار پیٹا۔ آرگن کے تین ارکان کو پھانسی دیے جانے کے جواب میں دو برطانوی فوجی سارجنٹوں کو قتل کر دیا گیا۔

ان دو فوجی سارجنٹوں کے فلسطین میں بہیمانہ قتل کے بعد برطانیہ میں یہود مخالف فساد پھوٹ پڑے۔ لنکا شائر میں یہودیوں کی دکانوں پر حملے کیے گئے اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اگست 1947ء میں لیورپول میں 180 افراد نے جو قصاب خانے میں کام کرتے تھے۔

یہودیوں کے لیے گوشت بنانے سے انکار کردیا۔ دی ٹائم اخبار کے مطابق، ان افراد نے اعلان کیا کہ جب تک فلسطین میں یہودیوں کی طرف سے شروع کی گئی منظم دہشت گردی ختم نہیں ہوتی اور ذمہ داران کو انگریزی قانون کے مطابق ویسی ہی سزا نہیں دی جاتی جیسی پچھلی جنگ میں جرمن مزاحمت کاروں کو دی گئی تھی، یہودیوں کے لیے گوشت بنانے کا بائیکاٹ جاری رہے گا۔

یہود مخالف احتجاج صرف برطانیہ میں ہی نہیں تھا بلکہ مشرقِ وسطیٰ میں جاری یہودی شر پسندی کے سبب 1946ء میں پولینڈ کے شہر کائیلسی میں بھی یہود مخالف مظاہرے شروع ہو گئے تھے۔ پولینڈ کا یہ مقام جغرافیائی اعتبار سے ہولوکاسٹ اور موت کے مبینہ کیمپوں کے انتہائی نزدیک تھا۔ ایسے ہی ایک واقعے میں روسی یہودیوں کا ایک گروہ فلسطین کی طرف جا رہا تھا کہ اس پر مقامی پولز باشندوں نے حملہ کردیا اور انہیں قتل کرڈالا۔ ایسا ان افواہوں کے ردعمل میں ہوا، جن کے مطابق الزام تھا کہ یہودیوں نے کیتھولک فرقے کے پیروکاروں کے بچوں کا ایک مخصوص رسم کے تحت قتل کیا تھا۔

آزاد اسرائیل

بالآخر فروری 1947ء میں برطانوی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ مئی 1948ء میں فلسطین پر اپنا قبضہ چھوڑ دیگی۔ فلسطین میں برطانوی پالیسی کی وجہ سے امریکی عوام کی رائے اس کے مخالف تھی مزید یہ کہ مالی اخراجات کے بوجھ تلے دبے نظر آ رہا تھا کہ برطانیہ فلسطین میں قابض فوج رکھنے کی پوزیشن میں نہیں رہے گا اور نہ ہی برطانوی فوجوں کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ وہ عربوں اور یہودیوں کے درمیان ادلے کا بدلہ جیسی کارروائیوں کے متحمل ہوسکیں۔ فلسطین کو اس کے ''جلتے جسم'' کے ساتھ اقوام متحدہ کو سونپ دیا گیا جس کا قیام 1945ء میں لایا جا چکا تھا۔

29 نومبر 1947ء کو اقوام متحدہ (UN) نے جنرل اسمبلی میں ووٹنگ کے ذریعے فلسطین کو یہودی اور عرب علاقوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہودیوں کے ایک سرکردہ رہنما ڈیوڈ بن گوریان نے یہودی ایجنسی کے چیئرمین کی حیثیت سے اس منصوبے کو تسلیم کرلیا لیکن عربوں نے اسے مسترد کردیا۔ 14 مئی 1948ء کے مقررہ دن، برطانیہ نے فلسطین سے فوجیں نکال لیں۔ یہ ویسے ہی تھا جیسے کوئی ڈاکٹر رستے زخم (Bleeding wound) کو پٹی کیے بغیر چھوڑ دے۔ اب یہ زخم پر منحصر ہوگا کہ وہ کتنے عرصے میں بہتر ہو۔ کچھ ایسی ہی صورت حال فلسطین کی تھی۔ یہودیوں اور عربوں کو لڑنے کے لیے میدان جنگ دیکر کھلا چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ اسلحہ اور گولہ بارود برطانیہ اور امریکہ سے خریدیں اور ایک دوسرے کا خون بہائیں۔ یہ خونی کھیل آج بھی جاری وساری ہے۔ ایسا ہی ایک ادھورا علاج ہندوستان کی تقسیم کے وقت کشمیر کی ریاست جنت نظیر کے ساتھ کیا گیا جس کے منصفانہ بٹوارے کی تلاش میں ہندو پاک کئی جنگیں لڑ چکے ہیں اور کروڑوں کا اسلحہ ''تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ ممالک'' سے خرید کر دونوں اطراف کے سینکڑوں انسان مروا چکے ہیں۔ تاریخ کے قاری کو نتیجہ نکالنے میں دیر نہیں لگے گی۔

بہرحال جیسے ہی برطانوی فوجوں نے فلسطین کا قبضہ چھوڑا۔ عربوں اور یہودیوں کے درمیان کھلی جنگ کو ٹالنے والا کوئی نہ تھا۔ ایک طرف مصر، اردن اور شام کی عرب ریاستوں کی افواج تھیں اور دوسری طرف یہودی جن کو اتحادی طاقتوں کی پشت پناہی اور آشیرباد حاصل تھی کیونکہ یہود کے پاس اسلحہ سازی کا کوئی خودکار (Indigenous) انتظام تو ہرگز نہ تھا، ان کی حالت تو قبضہ گروپ کی سی تھی۔ امریکہ اور برطانیہ یہودیوں کی پشت

پناہی کے الزام سے بچ نہیں سکتے۔ یہودیوں نے اتحادی طاقتوں کی شہ پر ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا ان میں وہ علاقے بھی شامل تھے جو انہیں اقوام متحدہ نے دیئے تھے۔ 1947ء میں 9 لاکھ عرب فلسطین میں آباد تھے۔ 1948 کے آخر تک، 7 لاکھ فلسطینی فرار ہو کر ملحقہ عرب ریاستوں میں مہاجر بن کر پناہ لے چکے تھے تب سے آج تک ان کی کئی نسلیں انہی مہاجر کیمپوں میں پل کر جوان ہوئی ہیں۔ اسرائیل گاہے بگاہے انہی کیمپوں پر بلا اشتعال بمباری (Unprovoked bombing) کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ فلسطینیوں کے پاس نہ اسلحے کی کوئی فیکٹریاں ہیں اور نہ ہی فضائی فوج ہے۔ فلسطینیوں کی یہ نسلیں سینے میں یہودیوں کے خلاف نفرت لے کر پیدا ہوئی ہیں اور نفرت پر مبنی یہ ورثہ علاقے میں آج تک موجود ہے اور تب تک موجود رہے گا جب تک تاریخ کا پہیہ پھر الٹا چلے اور قابضین پھر اسی چکی میں دوبارہ پیس دیئے جائیں اور زمین پر انصاف کا بول بالا ہو۔ ان حالات میں یہودیوں پر پہلا فرض یہ بنتا ہے کہ وہ مقامی عربوں کے ساتھ انصاف کریں اور ان کی زمینوں کا ناجائز قبضہ ختم کر کے خود بھی صلح و آشتی سے رہیں اور ان کو بھی جینے کا حق دیں تا کہ مبینہ ہولوکاسٹ کبھی دوبارہ دہرایا نہ جا سکے۔

ہولوکاسٹ کے اسرائیل پر اثرات

ہولوکاسٹ کی تلخ یادوں نے بلاشبہ جنگ کے بعد کی اسرائیلی پالیسی کو متاثر کیا خاص طور پر قومی سلامتی کے شعبے میں فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ یہودیوں کو (بقول یہود) نازیوں کے ہاتھ لاکھوں کی تعداد میں قتل کیا گیا اور دنیا کے کان پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔ سابقہ تجربے کی بنیاد پر اسرائیل کا دفاع اس کی اپنی ذمہ داری ہوگی اور وہ ''آنکھ کے بدلے آنکھ'' اور ''دانت کے بدلے دانت'' کی بائبل پالیسی اختیار کریگا۔ اس پالیسی نے بلاشبہ عرب اسرائیل تعلقات کو پراگندہ کیے رکھا اور علاقے میں دوستانہ تعلقات کے بجائے دشمنی اور نفرت کو ہوا دی۔ مثال کے طور پر 1967 میں اسرائیل جسے یہ ''یقین'' تھا کہ اس پر عرب ریاستوں کی طرف سے حملہ متوقع تھا۔ اسی خیالی حملے کے نفسیاتی دباؤ تلے اس نے ممکنہ حملہ آوروں کے خلاف پہلے ہی حملہ کرنے کی پالیسی بنائی۔ اردن اور مصر کے خلاف پیش بین حملے (Pre-Emptive Strikes) کیے گئے اور چھ دن چلنے والی جنگ میں واضح فتح حاصل کر لی۔ مغربی کنارے، سینائی کے ایک بڑے حصے، پرانے یروشلم، گولان کی پہاڑیوں اور غزہ کی پٹی پر قبضہ کر لیا گیا۔ کئی سالوں تک اسرائیل اقوام متحدہ کی ہر اس قرارداد کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا رہا جس میں اس سے مصر، شام اور اردن کے چھینے علاقے واپس کرنے کے لیے کہا جاتا۔ بات اگر صرف اسرائیل کی قومی سلامتی کی ہوتی تو بات مختلف تھی لیکن اسرائیلی قیادت انتہا پسند یہودی گروہوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی اور بین الاقوامی قوانین کا مذاق اڑا رہی تھی بیگن کی لیکوڈ (Likud) پارٹی نے 1977 میں اسرائیل میں منعقد ہونے والے عام انتخابات میں انتہائی غیر مصالحت پسندانہ رویہ اپنایا اور عربوں سے چھینی زمینوں پر یہودی آباد کاروں کو آباد کرنے کی جارحانہ پالیسی کو اپنایا۔ اس پالیسی نے علاقے میں تشدد کو ہوا دی اور انسانی خون ناحق بہایا گیا۔ فلسطینیوں نے کسمپرسی کے باوجود شجاعت اور جذبے کی لازوال تاریخ رقم کی ہے جس کی بدولت 1980 اور 1990 کی دہائیوں میں اسرائیل میں ایک سیکولر کلچر پر زور دیا گیا جس پر خاطر خواہ عمل نہیں کیا جا سکا۔ 1933 کے اوسلو معاہدے میں اسرائیل کی لیبر پارٹی کے وزیراعظم یذاک رابن نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کچھ علاقے کا کنٹرول فلسطینیوں کو دیدیں گے لیکن یہ وعدہ 2006ء تک تو ایک خواب ہی رہا۔

اس سرزمین پر اسرائیلی دعوے کے دو محرکات نظر آتے ہیں۔

1- ہولوکاسٹ کے نفسیاتی اثرات

2- بائبل کے دور کا حوالہ

لیکن اس مطالبے نے اسرائیلی معاشرے میں ایک گہری تقسیم قائم کر دی تھی اور معاشرہ دو طبقوں میں بٹ گیا تھا (1) مذہبی یہودی (2) سیکولر یہودی 1995 میں دائیں بازو کے قدامت پسند یگال امیر نے وزیراعظم رابن کو گولی ماردی۔ قاتل کا دعویٰ تھا کہ اوسلو معاہدے پر دستخط کر کے رابن نے یہودیوں کے ساتھ غداری کی تھی اور یہودیوں کا حق ان کی زمین کسی اور کو دیدی تھی۔ اس نے فلسطینی عربوں پر نازیوں کی طرح کے جرائم کے ارتکاب کا الزام عائد کیا۔ 1960 اور 1970 کی دہائی میں علاقے کھو جانے پر فلسطینیوں نے تحریک مزاحمت شروع کر دی جس سے اسرائیل پر قومی سلامتی کا دباؤ مزید بڑھ گیا۔ دوسری جانب دائیں بازو کی قدامت پسند یہودی تحریک یتن یا ہو کی حکومت پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ مقبوضہ عرب علاقوں میں یہودیوں کو آباد کر دیا جائے۔ یہودی تحریک کا موقف تھا کہ ہولوکاسٹ کے ہولناک تجربات اور قدیم مقدس کتب سے ثابت ہے کہ یہودی آباد کاروں کو پھیلا کر اسرائیلی علاقے کو مزید وسعت دی جائے۔ ایسے فیصلوں کی مزاحمت کرنے والوں کو وہ نسل پرست یا عربوں کے حمایتی فاشسٹ کہتے تھے۔

غیر یہودی دنیا پر ہولوکاسٹ کے اثرات

ہولوکاسٹ سے متاثر افراد کے ساتھ ساتھ ان سے وابستہ واقعات بھی دنیا بھر میں پھیلتے چلے گئے جن سے ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ ہوتی گئیں خاص طور پر امریکہ میں۔ فرانس میں بھی جنگ کے دوران فرانسیسی مزاحمتی تحریک میں یہودی مزاحمت کاروں کے کارناموں نے سیاسی رہنماؤں کو بہت متاثر کیا۔ انہی واقعات کے تاثر میں فرانس نے نئی اسرائیلی ریاست کو بھرپور فوجی امداد دی۔ امریکہ کی طرف سے بھی اسرائیل کو مالی اور فوجی امداد کثیر تعداد میں دی گئی تھی امریکہ میں موجود یہودی لابی اس قدر مضبوط تھی کہ ہولوکاسٹ کے پھیلائے اثر کو کسی صورت کم نہ ہونے دیتی تھی۔

امریکہ کے برعکس دوسری سپر پاور روس کا رویہ ماسوائے 1947 اور 1948ء کے درمیانی کچھ عرصے کے اسرائیل کی طرف جارحانہ تھا اور یہ رویہ 1991ء میں اس کی رخصتی تک ویسے ہی رہا۔ بلاشبہ ایک بات پراسرار ہے کہ روس نے 1947ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے کرائی جانے والی ووٹنگ میں یہودی ریاست کے حق میں ووٹ کیوں دیا تھا کیونکہ روس مسلسل صیہونیت کی مخالفت کی پالیسی اپنائے ہوئے تھا۔ آنے والے سالوں میں روسی آمر جوزف سٹالن (جس کا انتقال 1953ء میں ہوا تھا) بھی کٹر یہود مخالف تھا۔ اس بات کا امکان ظاہر کیا جاتا رہا تھا کہ برطانیہ دشمنی میں اس نے شاید اسرائیل کی حمایت کی ہو یا مشرق وسطی میں روسی اثر رسوخ بڑھانے کے اسرائیل کو مضبوط اتحادی کی نظر سے دیکھا ہو یا ابتداء میں اسرائیل پر لیبر حکومت تھی جس کا جھکاؤ شاید کمیونسٹ روس کی طرف رہا ہو۔

بہرکیف یہودی ریاست کے قیام کی قرارداد کی حمایت کرنے کے پس منظر میں روسی ادارے جو بھی رہے ہوں، بعد میں وہ مستقلاً اسرائیل مخالف پالیسی پر گامزن رہا، اسرائیل کے دشمن عربوں کو ہتھیار سپلائی کرتا رہا اور 1970ء اور 1980ء کی دہائی میں روس کے اندر یہودیوں کو کچلنے کی پالیسی اپنائے رہا۔ ہزاروں روسی یہودیوں کو اسرائیل کی طرف نقل مکانی کرنے سے روکا گیا اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ روس کی ریاستی پالیسی میں ہولوکاسٹ کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔

یہی پالیسی ان ریاستوں میں بھی ویسے ہی اپنائی گئی جو روسی ریچھ کے پنجے تلے تھیں۔ مثال کے طور پر چیکوسلواکیہ میں یہودی کمیونسٹ رہنما روڈولف سلینسکی کو 1951ء میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا۔ پولینڈ میں 1970ء کی دہائی میں ریاستی سطح پر یہود مخالف تحریک کی سرپرستی کی جاتی رہی تھی۔ یہودیوں پر عرصہ حیات اس قدر تنگ کر دیا گیا تھا کہ اگر انہیں کمیونسٹ ممالک میں آگے بڑھنا ہوتا تھا تو انہیں یہودی شناخت چھپانا پڑتی تھی۔ صیہونیت اور صیہونی ازم ناقابل قبول تھے۔ یاد رہے کہ صیہونی ازم اور علیحدہ یہودی ریاست کا نظریہ 19ویں صدی میں (1866-1904) تھیوڈور ہرزل کی طرف سے پیش کیا گیا تھا۔

ایک شرمناک واقعہ جرمنی کے شہر ڈریسڈن پر جنگ کے آخری ایام میں اتحادی فوجیوں کی وہ تباہ کن بمباری تھی جس میں ہیروشیما یا ناگاساکی دونوں شہروں سے زیادہ آبادی موت کا شکار ہوئی تھی۔

ڈریسڈن میں مصوری اور ثقافتی اہمیت کے حامل اشیاء کے خزینے تھے۔ یہ خوبصورت شہر فن و علم کا مرکز تھا۔ اس کی کوئی فوجی اہمیت نہیں تھی۔ جنگ تقریباً اختتام کو پہنچ چکی تھی مگر ایک ہی حملے میں ایک لاکھ سے زائد افراد کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ لاشوں کے تعفن سے وبائیں پھیلیں حتیٰ کہ ہزاروں لاشوں کو اجتماعی طور پر آگ کے بڑے بڑے الاؤ دہکا کر نذر آتش کرنا پڑا۔

اگر یہودیوں کی موت کا المناک حادثہ یعنی ہولوکاسٹ ایک جنگی جرم تھا، غیر اخلاقی اور غیر انسانی عمل تھا جس کیلئے نیورمبرگ عدالت تو کیا جاپان کے شہروں پر ایٹم بم گرانا اور ڈریسڈن کو بلاوجہ نذر آتش کر دینا جنگی جرائم کے زمرے میں نہیں آتا۔ کیا یہ شرمناک واقعات غیر اخلاقی اور غیر انسانی نہیں ہیں؟ جرمنی کے شہروں میں معصوم عوام پر بم برسا کر چھ لاکھ سے زائد مردوں عورتوں اور بچوں کو ہلاک کرنا جو جنگ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ اس کو کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ آج اقوام متحدہ معصوم شہریوں پر بم برسانے کو انسانیت کے خلاف جرم قرار دیتی ہے مگر تب؟ وہ کون سے حیوان تھے جنہوں نے اپنی بہیمیت سے بچوں تک کو معاف نہیں کیا تھا اگر کسی دہشت گرد تنظیم کی مذموم کارروائی میں بچے ہلاک ہو جائیں تو حکومتیں دہشت گرد کو سزائے موت دیتی ہیں جبکہ ہیروشیما ناگاساکی، ڈریسڈن اور دوسرے شہروں میں بچوں کی ہلاکت کے ذمہ دار افراد کو تمغے دیے گئے۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں ہے؟

جنگ کے خاتمہ کے بعد کئی ماہ تک اتحادی افواج نے لاکھوں جرمن شہریوں کے لیے جو راشن کی مقدار مقرر کی تھی وہ زندہ رہنے کیلئے ناکافی تھی نتیجتاً ان مہینوں میں بھوک، ننگ اور بیماری کے باعث لاکھوں جرمن شہری ہلاک ہوئے تھے۔ سوویت افواج نے جرمنی کے مشرقی علاقے میں دسیوں لاکھوں افراد کو گھر چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ جنگ کے مصدقہ اصولوں اور جینوا کنونشن کے برخلاف جنگی قیدیوں کو ایک طویل عرصے تک قید

میں رکھا گیا تھا غذا کے فقدان، رہائشی سہولت کے غیر مناسب ہونے اور بیماریوں کے باعث کئی لاکھ قیدی فوجی چل بسے تھے۔ یہ سب کچھ جنگ کے بعد ہوا جب کے مرنے والوں کے نزدیک ہی اتحادی فوج کے گودام غذا اور ادویات سے بھرے ہوئے تھے۔

ایک امریکی یہودی تھیوڈور این کاف مان نامی نے اپنی کتاب ''جرمنوں کو برباد ہونا ہی چاہیے'' کے دیباچے میں لکھا تھا:

''جرمن قوم کی تباہی اور جرمن نسل لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا ایک منصوبہ پراز جزئیات درج تھا۔ ساتھ ہی ایک نقشہ بھی تھا کہ جرمنی کے خطوں کو کس طرح بانٹ کر تقسیم کیا جانا چاہیے۔''

یاد رہے یہ کتاب 1941ء میں شائع ہوئی تھی۔ ٹائم میگزین اور اخبار نیویارک ٹائمز دونوں میں ہی اس کتاب پر تبصرہ شائع ہوا تھا لیکن نہ تو مبصر حضرات اور ہی قارئین کے کان پر اس نسل کشی کے خلاف جوں تک رینگی تھی مگر آج اگر کوئی شخص ''یہودیوں کو برباد ہونا ہی چاہیے'' نام کی کتاب لکھ دے تو پہلی بات تو یہ کہ جو شور غوغا بلند ہو گا الامان والحفیظ اور دوسری بات یہ کہ مصنف کی نسل کے ساتھ اخلاق گراوٹ منسوب کر دی جائے گی۔

تاثرات

مبینہ ہولوکاسٹ میں زندہ بچ رہنے والے ایک شخص پال راسی نیر نے ہولوکاسٹ سے منسوب قصوں کو سراسر جھوٹ قرار دیا ہے۔ یہ شخص ایک فرانسیسی سیاسی کارکن تھا جو نازیوں کے خلاف تھا اور ظاہر ہے اسے اس سلسلے میں بھگتنا بھی بہت پڑا تھا۔ وہ جرمنوں کے کئی کیمپوں میں قید رہا تھا لیکن اس نے کہیں بھی انسانوں کو ہلاک کرنے والے نہ تو گیس چیمبرز دیکھے اور نہ ہی یہودیوں کو فنا کرنے کے کسی پروگرام سے اسے واسطہ پڑا تھا جب اس نے رہائی کے عرصہ بعد اس قسم کے رونگٹے کھڑے کرنے والی داستانیں پڑھیں تو اسے وہ ساری ہی جھوٹی لگیں گرچہ اسے جرمنوں سے کوئی بھی ہمدردی نہیں تھی مگر اس نے اپنا اخلاقی فرض جانا کہ دنیا بھر کے اخبارات میں چھپنے والے مبالغہ آمیز جھوٹے قصوں کی تردید کرے جو جرمن کنسنٹریشن کیمپوں کے بارے میں تھے۔

اپنے تجربات اور مشاہدات کے علاوہ جنگ کے بعد اس نے اس سارے سلسلے میں تحقیق شروع کی اور ثابت کیا کہ قیدیوں کے کیمپوں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد مبینہ تعداد سے نہ صرف کہیں کم تھی بلکہ اکثر اموات کی وجہ کیمپوں میں برے حالات کے باعث پیدا ہونے والی امراض تھیں نہ کہ گیس چیمبر اور خراب حالات کی وجہ جنگ کے نقصانات اور بربادی تھے۔ اس نے گیس چیمبرز کو خالصتاً جنگی پروپیگنڈہ قرار دیا تھا جس کی کوئی بھی ٹھوس بنیاد نہیں تھیں۔ اس سچے بیان پر اسے نتائج بھی بھگتنا پڑے تھے۔

ایک کتاب کا دنیا بھر میں بہت چرچا ہوا تھا جس نے بھی اسے پڑا وہ دکھی ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا اور وہ کتاب آج بھی خاصی پڑھی جاتی ہے۔ کتاب کا نام ''این فرانک۔ ایک دوشیزہ کی ڈائری'' ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک یہودی بچی نے جرمن کیمپوں میں اپنی اسیری کے دوران لکھی تھی۔ کیمپوں سے رہائی کے بعد یہ ڈائری کتاب کی شکل میں شائع کی گئی تھی۔ اس کتاب میں گیس چیمبرز کے ہولناک واقعات درج ہیں جبکہ مصنفہ بذات خود گیس کا شکار ہونے سے بچ گئی تھی۔ جنگ کے آخری ایام میں اسے بہت سوں کے ساتھ اوز وچ سے دوسری جگہ منتقل کر

دیا گیا تھا وہاں وہ ایک مہلک وبا کا شکار بن کر فوت ہوگئی۔ اس کی بہن مارگو اور اس کی ماں کو بھی گیس چیمبر میں نہیں جھونکا گیا تھا بلکہ وہ بھی اسی کی طرح مہلک وبا کا شکار ہوئی تھیں۔ این کا باپ آشوٹز کیمپ میں بیمار پڑ گیا تھا مگر کیمپ کے ہسپتال میں اس کا علاج کیا گیا تھا جس سے وہ صحت یاب ہو گیا تھا۔ جنگ کے خاتمے کے قریبی دنوں میں جرمنوں نے اسے ایک دوسرے کیمپ میں منتقل کر دیا تھا جہاں سے اسے رہا کروایا گیا تھا۔ اوٹو فرینک نے ان سب واقعات کی بذات خود تصدیق کی تھی جہاں تک مذکورہ کتاب کا تعلق ہے اس کے بارے میں ایک روشن خیال پروفیسر رابرٹ فاریسن، جو فرانس کی معروف لیون یونیورسٹی میں ادب کے شعبے کے محقق تھے، نے انتہائی اعتماد سے رائے دی تھی کہ ایک کم سن بچی ایسی ڈائری لکھ ہی نہیں سکتی جیسی کہ طبع شدہ کتاب ہے۔

فلموں اور کتابوں میں آشوٹز (Auschwitz) کو ایسے ظاہر کیا جاتا ہے جیسے یہ بس موت کا کارخانہ تھا اور مال گاڑیوں کے چھکڑوں سے نکلتے ہی جرمن صحت مند لوگوں کو علیحدہ کر کے بیگار پر بھیج دیتے تھے اور بچوں اور بیماروں کو سیدھے گیس چیمبر میں دھکیل کر موت کی نیند سلا دیتے تھے پھر این اور اس کی بہن کیسے بچ رہی تھیں جو ایسے وقت میں وہاں پہنچی تھیں جو بقول شخصے گیس کے ذریعے قتل کرنے کا دور تھا۔

این فرانک کے باپ کی طرح سے بچ نکلنے والا ایک بڑا یہودی کاہن علائی وائزل بھی تھا جس کو اُس کی تحریروں پر نوبل پرائز بھی دیا گیا تھا۔ وہ اپنی خودنوشت ''رات'' میں لکھتا ہے کہ اوزوٹز کے کیمپ ہسپتال میں جنوری 1945ء میں اس کے پاؤں میں پیپ پڑنے پر جراحی کی گئی تھی اور ڈاکٹر نے دو ہفتے کے آرام کیلئے کہا تھا چونکہ روسی فوجیں پہنچنے ہی والی تھیں تو جرمنوں نے تمام لوگوں کو کہا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو کیمپ میں رہ سکتے ہیں تا کہ روسی آ کر انہیں رہا کروالیں اور اگر چاہیں تو ان کے ساتھ جا سکتے ہیں۔ بحث و مباحثہ کے بعد وائزل اور اس کا باپ اپنے مبینہ قاتلوں کے ہمراہ چلے گئے تھے۔

اسی طرح اس کیمپ کے ایک اور بچ رہنے والے یہودی سیمن وائزنتھال جو بعد میں ہولوکاسٹ کا بڑا مبلغ بن گیا تھا نے بتلایا کہ اسے بھی کیمپ کے ہسپتال سے واسطہ پڑا تھا کیونکہ اس نے کلائیوں کی رگیں کاٹ کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی مگر جرمنوں نے اسے بچا لیا تھا۔

ان سب واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ اگر جرمن اتنے حیوان اور خونخوار تھے کہ وہ یہودیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا عزم کیے ہوئے تھے پھر انہوں نے اوٹو فرینک اور وائزل کا علاج کیوں کیا؟ خودکشی کی سعی کرنے والے وائزنتھال کو زندگی کیوں بخشی؟ روسیوں کے ہاتھوں آزاد ہونے کی بجائے یہودی مذہبی عالم نے یہود مخالف جرمنوں کے ساتھ جانے پر کیوں اتفاق کیا؟

> ''دلچسپ بات یہ ہے کہ جنگ عظیم دوئم کے گزرنے کے ایک مدت بعد تک لکھے گئے مفصل مضامین میں جہاں ہٹلر کے سیاہ کارناموں کا ذکر تھا وہاں یہودیوں پر ہونے والے مظالم کا نہ تو ذکر تھا اور نہ ہی کوئی خاص اصطلاح استعمال کی گئی تھی۔ ایک معروف یہودی مورخ جیکب مارکس لکھتا ہے کہ اپنی مخصوص نازی سوچ کے تحت یہودی مسئلے کے حل کی خاطر یہودیوں کو ان کے مقام رہائش سے نکال کر دوسرے مقامات پر بھیجنے کا ایک سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا۔ یہ یہودی اکثر مشرقی یورپی تھے۔ جن کو تمام یورپی ریاستوں میں تہہ و بالا کیا جا رہا تھا۔ مردوں کو بیویوں سے اکثر جدا کر دیا جاتا تھا اور والدین کو بچوں سے دور

اور ہزاروں کی تعداد میں انہیں پولینڈ یا مغربی روس بھیج دیا جاتا تھا جہاں یا تو انہیں کیمپوں میں رکھا جاتا تھا یا پھر وسیع وعریض باڑوں میں یا گروہوں کی شکل میں دلدلی علاقوں اور سڑکوں پر محنت کرنے کیلئے لے جاتے تھے۔ بے تحاشا افراد ان غیر انسانی حالات کی وجہ سے جن میں ان سے مشقت لی جاتی تھی موت کی گھاٹی میں اتر گئے جب دنیا میں یہود بنا چھت بے ٹھکانہ تھے تب امریکہ کی یہودی برادری مصیبت زدہ یہود کی امداد کے لیے اُٹھی۔''

مذکورہ مضمون جنگ کے اختتام کے گیارہ برس بعد شائع ہوا تھا جب نیورمبرگ کی عدالت میں اہم ترین معاملات بھی نمٹائے جا چکے تھے۔

اگرچہ اس مضمون میں انتہائی اذیت ناک حالات کو تفصیل سے درج کیا گیا تھا مگر نہ تو مرنے والوں کی تعداد کے ساٹھ لاکھ ہونے کی تائید تھی اور نہ ہی گیس چیمبرز کا تذکرہ چہ جائیکہ لفظ ہولوکاسٹ استعمال کیا جاتا مگر اس کے برعکس اسی مضمون میں اسی عنوان کے تحت یہ درج کیا گیا تھا کہ جرمنوں نے یورپ کے تمام یہودیوں کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ کہ گولی مارنے یا پھانسی کے گھاٹ اتارنے سے کہیں موثر اور معاشی طور پر کہیں ارزاں طریقہ اختیار کیا گیا تھا یعنی زہریلی گیس، گیارہ برس کے بعد یہ قلابازی کچھ چبھتی ہے پھر دسیوں لاکھوں یہودیوں نے جنگ کے بعد معاوضہ بھی طلب کیا تھا آخر وہ سب کیسے بچ رہے؟ جنگ کے عروج کے زمانے میں وسیع اور پیچیدہ گیس چیمبر بنانے، یہودیوں کو گاڑیوں میں بھر کر لانے، رکھنے، کھلانے پلانے آخر اس سارے تردو کی تب ضرورت ہی کیا تھی جب مارنا مقصود تھا تو خندقیں کھود کر ٹکے ٹکے کی گولیوں سے یہ کام آخر کیوں نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ کیمپوں کے وسیع پیمانے پر انتظام، انصرام کی کیا ضرورت تھی؟

ظلم آخر ظلم ہے کسی طور لائق تحسین نہیں انسانی اقدار کی پامالی کو کوئی ذی ہوش اور حساس شخص خوشی سے نہیں دیکھ سکتا مگر مبالغہ آرائی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ ایسی ایسی کہانیاں گھڑی گئیں کہ رونگٹے کھڑے ہونے کے ساتھ تشویش بھی ہونے لگتی ہے کہ آیا ایسا ہو سکتا ہے مثلاً انسانوں کی کھال سے لیمپ شیڈ بنانا یا انسانی چربی کو صابن سازی کیلئے استعمال کرنا۔ اپنی آپ بیتی لکھ کر نوبل انعام حاصل کرنے والے یہودی نے ایسے ایسے افسانے گھڑے تھے جنہیں عقل تسلیم کرنے پر تیار نہ تھی۔ اس نے لکھا کہ یہودیوں کو اجتماعی طور پر بھڑکتی ہوئی آگ سے بھری خندقوں میں زندہ دھکیل کر جلا دیا جاتا۔ یہ بات کسی اور نے نہیں کہی اور بابی یار بستی میں یہودیوں کے قتل عام کے بارے میں وہ لکھنے پر مُصر ہے کہ مہینوں تک زمین کانپتی رہی اور بار بار اس زمین سے خون کے فوارے پھوٹتے رہا کرتے تھے ایسی داستان آرائی تو وہاں نہیں کی گئی جہاں واقعتاً ظلم ہوا تھا۔

ہولوکاسٹ کی خیالی تصویر میں رنگ بھرنے والوں میں نیورمبرگ کی جنگی جرائم کی عدالت بھی شامل تھی معروف ریپلکن سینیٹر رابرٹ ٹافٹ نے ایک معزز شخص کی حیثیت سے اخلاقی طور پر نیورمبرگ کے مقدمات کی مخالفت کی تھی جس کی قیمت اسے اپنی عمر بھی کی اس محنت سے ہاتھ دھو کر چکانی پڑی تھی جو وہ امریکہ کا صدر بننے کیلئے کرتا آیا تھا۔ اس کے خلاف مخالفت کا ایک آتش فشاں پھٹ پڑا۔ یہودیوں کے زیر اثر ذرائع ابلاغ نے ٹافٹ کے خلاف معاندانہ مہم شروع کر دی لیکن سینیٹر ٹافٹ نے پھر نیورمبرگ کی عدالت کی صحت کا سوال اٹھایا۔ اُس نے زور دے کر کہا کہ یہودی میڈیا کے شور وغل کے باوجود، یہ عدالت مغرب کے پابندی قانون کے سلسلے میں روشن مثال نہیں ہے۔ انہوں نے سینیٹ کی ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی جس کے سامنے بہت سے امریکیوں نے گواہی دی کہ جرمن قیدیوں پر وسیع پیمانے پر تشدد کیا گیا تھا۔ سینیٹر نے واشگاف انداز میں کہا کہ فاتحین کی قائم کر

وہ عدالتیں اور مقدمات غیر جانبدارنہ انصاف نہیں دے سکتیں بلکہ یہ انتقام کی آگ سرد کرنے کا آئینی طریقہ کہا جا سکتا ہے۔ اس نے اس طریقہ کار کو اینگلو سیکسن زریں ورثے سے روگردانی قرار دیا۔

سینٹر ٹافٹ کے ان خیالات کا ذکر سابق امریکی صدر جان ایف کینیڈی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "Profiles of Courage" میں بھی کیا ہے۔

یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ کم از کم یہودیوں کی حد تک ہولوکاسٹ کبھی نہیں بھلایا جائے گا۔ انسانی حقوق اور آزادی کا مستقبل میں بھی دفاع کیا جائے گا۔ لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ 20 ویں صدی میں انسانی نسل کشی کے دوسرے واقعات بھی ہوئے ہیں لیکن ان پر کم توجہ دی گئی ہے۔ جیسے پہلی جنگ عظیم میں آرمینیز کا عثمانیہ ترکوں کے ہاتھوں قتل عام، 1970ء کی دہائی میں کمبوڈیا میں قتل عام، حال کے دور میں بوسنیا اور روانڈا اور اکیسویں صدی کی "War on Terror" جو ابھی جاری ہے اس کے نتائج سے تاریخ خود پردہ ہٹائے گی۔

ایک تحقیق کے مطابق ولادت مسیح سے قبل یہودیوں کا اصل وطن فلسطین ہی تھا۔ یونان کے تخت پر بیٹھنے والی کسی حکومت اور حتیٰ کہ اہل یونان نے انہیں چین سے جینے نہ دیا، ان پر عرصہ حیات اس قدر تنگ کر دیا گیا کہ انہیں اپنا وطن چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ شومئی قسمت انہیں کسی ملک کی سر زمین نے قبول نہ کیا۔ برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے انہیں رہنے کی اجازت تو دیدی تھی لیکن انہیں وہ شہری حقوق حاصل نہ تھے جو مقامی شہریوں کے پاس تھے۔ یہودیوں کو زمین خریدنے اور اسے اپنی ملکیت بنانے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ عیسائیت کے ہاتھوں ٹھوکریں کھانے کے باوجود انہوں نے شاطرانہ ذہن کو بروئے کار لاتے ہوئے کاروبار اور مالیاتی شعبے کو اپنائے رکھا اور تاجر بن گئے اس کے علاوہ وہ سود پر رقوم کا لین دین بھی کرتے تھے۔ ہر قوم کی معیشت کا دارومدار مالیات کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ رفتہ رفتہ وہ مالیات کو گھن کی طرح چاٹ کر اپنے قابو میں کر لیتے تھے۔ یہی سب کچھ جب جرمنی میں ہوا تو ہٹلر جیسے قوم پرستوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ جب تک ہٹلر اقتدار سے دور تھا وہ اندر ہی اندر سلگ رہا تھا جیسے ہی اسے اقتدار حاصل ہوا اس نے 12 اکتوبر 1914ء کے بعد جرمنی میں آنے والے تمام یہودیوں کو دیس نکالا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

رائخ کا زوال

ہتھیار ڈالنے کے جرمنی کے غیر مشروط فیصلے نے تیسری رائخ کا خاتمہ کر دیا۔ اتحادیوں نے جرمنی کو جنگ سے قبل کی سرحدوں تک محدود کر دیا اور مشرق کی سمت کا بہت سا علاقہ پولینڈ کو دیدیا۔ جرمنی کو چار قابض زونوں میں تقسیم کر کے جنگی جرائم کے مقدمات چلائے گئے، فیکٹریاں توڑ دی گئیں۔ جرمنی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ برطانیہ، امریکہ اور حتیٰ کہ فرانس جرمنی کی ازسرِنو تعمیر چاہتے تھے تاکہ اسے مغربی یورپ کی بڑی طاقت کے طور پر سوویت یونین کی بڑھتی طاقت کے سامنے کھڑا کیا جاسکے۔ 1948 میں انہوں نے تمام زونوں کو ایک بڑے علاقے میں تبدیل کر دیا۔ ایسا امریکی امداد کے بغیر ممکن نہ تھا۔ جرمنوں کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ جمہوری نظام رائج کیا جائے۔ سوویت یونین نے دوسری طرف کمیونسٹ جرمن حکومت تشکیل دی یہ حکومت مشرقی جرمنی میں تھی۔ 1949ء میں جرمنی کے حصے بخرے کرنے کے عمل کو اس وقت قانونی شکل دیدی گئی جب جرمنی کو مشرقی اور مغربی دو ریاستوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

تقسیم شدہ جرمنی

جرمنی اور اس کے دارالحکومت برلن کی تقسیم کولڈ وار کی علامت اور اس کا نتیجہ تھا۔ فیڈرل ریپبلک آف جرمنی (FRG) نے امریکہ اور مغربی یورپ کے ساتھ اتحاد کر کے نیٹو اور یورپین کمیونٹی (جواب یورپین یونین ہے) میں شمولیت اختیار کر لی۔ جرمن ڈیموکریٹک ریپبلک (GDR) نے روس کے ساتھ اتحاد کر کے سوویت یونین کے زیرِ اثر وارسا پیکٹ اور مشترکہ معاشی امداد کی کونسل میں شمولیت اختیار کی۔

FRG نے ایک مستحکم سیاسی نظام اور ابھرتی معیشت کے ساتھ ایک پارلیمانی جمہوریت کا نظام وضع کیا GDR سوویت شکنجے میں تھا، ماسکو کے تعاون کے ساتھ اس نے بھی معاشی ترقی کی کوشش کی لیکن FRG سے آگے نہ بڑھ سکا۔ معاشی ترقی کے واضح فاصلے اور دونوں ملکوں میں لوگوں کے معیارِ زندگی میں فرق نے مشرقی جرمنی کے باشندوں کو مغربی برلن کی طرف بھاگنے پر اکسایا وہاں سے مغربی جرمنی کی طرف کھسک جاتے تھے۔ نقل مکانی کی اس لہر کو روکنے کے لیے جرمن ڈیموکریٹک ریپبلک کی حکومت نے 1961ء میں مغربی اور مشرقی جرمنی کو تقسیم کرنے والی لائن کے ساتھ ساتھ کنکریٹ کی ایک مضبوط دیوار تعمیر کی جسے تاریخ میں ''برلن وال'' کہا گیا۔ جنگ عظیم دوئم کے اختتام پر جرمنی پر ہونے والا قبضہ دو علیحدہ جرمن ریاستوں کی شکل میں سامنے آیا۔ یہ نقشہ اس وقت تک جوں کا توں رہا جب 1980ء کے آواخر میں کمیونزم کے خاتمے پر جرمنی دوبارہ ایک قوم میں ڈھل گیا۔

جنگ عظیم اول کے بعد فضا میں سکوت تھا، امن و آشتی کا ایک نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ روایتی نظریات اور فلسفوں کے خلاف علمی اور ادبی ردِعمل سامنے آیا تھا۔ avant-grade نے نئے خیالات اور تکنیک کو بروئے کار لا کر عوام کے پرانے خیالات سے کنارہ کشی کی۔ ادب نے وائیمر دور میں ترقی اور فروغ پایا جبکہ نازیوں کے دور میں یہ دب رہا۔ بہت سے اداکار اور فلاسفر ریاستی دباؤ سے بچنے کے لیے ملک چھوڑ گئے تھے۔ جنگ عظیم دوئم کے بعد، جرمن ثقافت آہستہ آہستہ بحالی کی طرف لپکی۔

ادب اور موسیقی

قریباً 1900ء میں جرمن اور آسٹرین ماہر تعمیرات اور ڈیزائیزز نے ویاناSezession تحریک میںJugendstil کے بنائے خوبصورت پھولوں کے دائروں کو شامل کیا۔ پیٹر بیرنز جے ایم اولبرچ (1867-1908)اور والٹر گروپیس کے کام میں نئی چیزیں اور سانچہ تھا۔ مشن کے دور میں اخلاقیات کو اپنانا 1919ء میں وائیمر میں گروپیس کے قائم کردہ باوہاس سکول آف ڈیزائن کا طرہ امتیاز بنا۔ اس سکول کے تیار کردہ ڈیزائنوں کے اصول یورپ اور نئی دنیا بھر میں پھیل گئے۔

جرمن expressionist کی پینٹنگز نے بیرونی دنیا کی مقصدیت اجاگر کرنے کی بجائے فنکاروں کے احساسات پر زور دیا۔ ایسے پینٹرز ای ایل کرچنر، ایمل نولڈ، فرینز مارک، ویسلی کینڈینسکی، ایک روسی پینٹر اور ایک سوئیس پال لی نے ڈارک کلرز اور مڑے تڑے خاکے استعمال کیے۔

موسیقی میں رچرڈ سٹراس اور کارل اورف نے نئی سوچ پر مبنی پروگرام تیار کیے۔ ٹھیک اسی وقت ارنلڈ شوئنبرگ اور اس کے شاگردوں انٹون وان ویبرن اور البان برگ نے 12 دھنوں والی انقلابی موسیقی تیار کی جس نے روایتی دھنوں کی جگہ لے لی۔ اس دور میں موسیقی، تعلیم اور فنکاری بام عروج پر رہی۔

چرچل کی سیاسی بصیرت

1930ء میں ونسٹن چرچل نے محسوس کرلیا تھا کہ ہٹلر کی بڑھتی ہوئی طاقت دنیا کو دوسری جنگ عظیم کی طرف لیجا رہی ہے۔ انہوں نے دنیا کو بار بار اس خطرے سے آگاہ بھی کیا۔ اکثر لوگوں نے اس پر توجہ نہ دی۔ لیکن بالآخر چرچل کی پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی اور ان کے پیشرو مسٹر چیمبرلین کی امن پسندی اور ہٹلر کو رام کرنے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کرکے دوسری عالمگیر جنگ کا آغاز کردیا۔ چرچل کو بحریہ کا وزیر بنادیا گیا۔ کچھ دنوں بعد سیاسی بحران کے نتیجے میں انہیں برطانیہ کا وزیراعظم بنادیا گیا۔ سر ونسٹن چرچل آزاد حکومت کی قدیم روایت کا حصہ تھے، وزیراعظم کا یہ منصب ڈکٹیٹر کا منصب نہ تھا بلکہ روایاتی حدود اور شائستگی کا پابند تھا۔ سر ونسٹن نے ان حدود کو تسلیم کیا شائستگی کے پابند رہے محض ضرورتاً نہیں بلکہ اس لیے کہ یہ ان کے نزدیک درست تھیں اور اپنے ملک کے خطرناک لمحہ میں حفاظت کی ذمہ داری قبول کرنے کا واحد طریقہ ملکی قوانین کی پاسداری تھا۔ انہوں نے یہ بات ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کی کہ دارالعلوم سے انہیں اختیارات ملے ہیں۔ عوام کے تفویض کیے ہوئے اختیارات، اور عوام کو وہ نہ صرف فتح کے حصول کے لیے بلکہ سرزمین برطانیہ کی قدیم آزادیوں کے تحفظ و بقا کے لیے جواب دہ تھے۔ کیا تیسری دنیا خصوصاً مسلم ممالک چرچل کی اس قائدانہ سوچ سے کچھ سبق حاصل کرنا پسند کریں گے؟ انہوں نے اپنی فراست معاملہ فہمی اور وسائل رسی سے جلد ہی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور جرمنی کی پیش قدمی کرنے والی فوجوں کو تقریباً ہر محاذ پر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

1940ء میں جب جرمنوں کی پیش قدمی جاری تھی اور چرچل جرمنوں پر کاری ضرب لگانے کے منصوبوں کو جتنی تیز رفتاری سے ممکن تھا

بروئے کار لا رہے تھے۔ چنانچہ مارچ کے مہینے میں جب انگلستان نے اپنا پہلا طیارہ بردار بحری جہاز سمندر میں اتارا تو اسی شام نازیوں کے لیبر فرنٹ کے لیڈر نے اعلان کیا کہ وہ کوشش کر رہا ہے کہ جرمن مزدور اپنے چھٹی کے دن انگلستان کے جنوبی ساحل کے تفریحی مقامات پر گزاریں اور یہ اس بات کی دلیل تھی کہ ہٹلر کو پورا اعتماد تھا کہ وہ 1940ء کے موسم بہار میں برطانیہ کو فتح کر لے گا۔ اس کی اطلاع جب چرچل کو پہنچی تو چرچل نے کہا کہ وہ برطانیہ کے دفاع کے لیے زبردست جدوجہد کریں گے۔ ''اور اگر میں بھی ہٹلر ہوتا تو یہی کرتا'' پھر ہٹلر نے اپنا کوٹ اتار کر ہولسٹر میں سے پستول نکالا اور کہا ''اور اگر انہوں نے کوشش کی تو اس سے پہلے کہ وہ مجھے گرفتار کریں میں ان کے چند آدمیوں کو ضرور لے مروں گا۔''

اس سے اگلے ماہ چیمبرلین نے چرچل کو سروس کمیٹی کا سربراہ بنا دیا جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ جنگی کابینہ کو مشورہ دے اور ان کی رہبری کرے۔ چرچل چیمبرلین کا قطعی وفادار تھا اور وہ ہر ذمہ داری سے پورے طور پر عہدہ برآ ہوتا تھا۔ لیکن چیمبرلین میں ایک کمی یہ تھی کہ اس دور میں وہ عوام کو ایسی قیادت نہ دے سکا جو ان کی ہمتوں کو جوان اور عزائم کو بلند کر سکتی۔

اچانک ہٹلر نے ناروے اور ڈنمارک کو فتح کر لیا۔ ونسٹن نے بحری بیڑہ کو حرکت میں آنے کا حکم دیا اور ایک فوج ناروے کے عوام کی مدد کے لیے روانہ کی۔ لیکن کیوں کہ اس فوج کے ساتھ فضائیہ نہ تھی اس لیے اس مہم کے نتائج پرامید نہ تھے۔ اسی بناء پر چیمبرلین کو استعفیٰ دینا پڑا سوشلسٹ نمائندوں نے ان پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے فوج کی قیادت صحیح اور موثر طریقہ پر نہ کی تھی۔

10 مئی 1940ء کو جبکہ جنگ کی ابتداء ہوئے نو ماہ گزر چکے تھے ایک شام چرچل کو برطانیہ کا وزیر اعظم بنایا جا چکا تھا۔ اسی رات چرچل نے اپنی یادداشت میں تحریر کیا کہ ''رات کو تین بجے جب میں سونے کے لیے لیٹا تو میں نے خود کو بے حد مطمئن پایا۔ اب مجھے تمام اختیارات حاصل ہیں میں جنگ کے پورے منظر پر مکمل طور پر اپنی مرضی کے مطابق ہدایات جاری کر سکوں گا۔''

چرچل اپنے سیاسی عقائد میں پختہ تھے۔ 1940ء میں انہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ ''فرانس اور برطانیہ اب دو قومیں نہیں رہیں گی بلکہ وہ برطانوی اور فرانسیسی یونین ہوں گی۔'' اسی پیش گوئی کی بنیاد پر اس نے بعد ازاں فرانس کو پیش کش کی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب نازی جرمنی کی فوجوں نے فرانس کو تخت وتاراج کر ڈالا تھا بہر حال چرچل کی پیشکش ایک آخری اور ناکام کوشش تھی کہ فرانس کو جرمنوں سے صلح کرنے سے باز رکھا جائے۔ یونین کا نظریہ ان کا اپنا نظریہ نہ تھا لیکن انہوں نے بطور وزیر اعظم اس پیشکش کی اجازت دی۔ ان کی منظوری کے بغیر کیسے اسے فرانسیسی حکومت کے سامنے رکھا جا سکتا تھا؟

سر ونسٹن چرچل کی قیادت روما کے قدیم آمرانہ عہد کی مانند تھی اس لیے کہ قدیم رومی ڈکٹیٹر کی طرح مسٹر ونسٹن چرچل نے عہد کر رکھا تھا کہ دولت مشترکہ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔

ان کی قیادت کی ایک اور خصوصیت ان کا بے لاگ پن تھا انہوں نے ''خون پسینہ اور آنسوؤں'' کے سوائے کسی اور چیز کا وعدہ نہیں کیا۔ نہ ہی ایسی فتح کا جو آسانی سے حاصل ہو جائے۔ انہوں نے اطاعت اور فرمانبرداری کی بجائے ہمت اور دلیری کا پیغام سنایا اور لوگوں نے جب ان کی مغلوب نہ ہونے والی آواز سنی تو بزدلوں تک کے دل نئی قوت، نئے عزم سے بہرہ مند ہوئے۔ یہ کوئی حاکمانہ قیادت کا معاملہ نہ تھا یہ مشترکہ جدوجہد،

مشترکہ ہمت وجرأت اور مشترکہ عزم صمیم کا معاملہ تھا۔ یعنی:

"یہ مشترکہ دلیری ہمت کہ کسی کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے یا ہار نہیں مانیں گے اور کسی سے مغلوب نہ ہوں گے۔"

لندن کے ایک حصہ کو بمباری سے سخت نقصان پہنچا تھا۔ اس علاقہ میں وزیر اعظم کا دورہ ایک مشہور واقعہ تھا بمباری سے متاثرہ لوگوں کی جرأت وہمت سے وزیر اعظم اشک بار ہو گئے۔ عظیم راہنما کو فتح کی قیمت کا بھی خیال تھا، عوام کے صبر وضبط اور ان کی ابتلا وآزمائش پر بھی ان کی نگاہ تھی۔ بہر حال یہ ایک آزاد ملک اور ایک آزاد قوم کی راہنمائی تھی۔ اسی اولوالعزمی اور عظیم مقصد سے وفا شعاری کی بدولت سر ونسٹن نہ صرف برطانوی عوام اور دولت مشترکہ بلکہ دنیا کی آزاد اقوام کے راہنما بنے۔

یہ ہمت واستقلال یہ مشترکہ اعتماد پیدا کرنے میں سر ونسٹن بطور مقرر اپنی تمام تر فہم وفراست اور خوش تدبیریوں کو بروئے کار لائے۔ کسی اور جمہوری راہنما نے ان سے پہلے اس جیسی قوت سے لاکھوں لوگوں سے کبھی خطاب نہ کیا ہوگا۔ ان میں یورپ کی مطیع عوام کے لاکھوں لوگ اور اوقیانوس پار کے ان گنت لوگ شامل تھے۔ جن کے نزدیک ان کی باتوں میں زریں اقوال اور محاوروں سے کہیں زیادہ اہم چیز پنہاں تھی۔

وہ (لیگ آف نیشن کے نظریے) کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے ایک بین الاقوامی پولیس کے نظریہ کو مقبول عام بنانے میں اپنا اثرورسوخ استعمال کیا۔ اسی نظریہ کی لارڈ ڈیویز بڑھ چڑھ کر وکالت کر چکے تھے۔ عالمی حکومت کے نظریہ سے انہوں نے کبھی پہلوتہی نہیں کی اقوام متحدہ اور یورپی اتحاد کی سرگرم حمایت کو شعار بنایا۔ وہ خود کو اٹلانٹک برادری کے نظریہ کے زیادہ قریب پاتے تھے کیوں کہ "اس برادری" میں مغربی یورپ کے ممالک اور اوقیانوس پار دو عظیم طاقتوں کے درمیان اتحاد قائم رہ سکتا تھا۔ ویسے بھی بنیادی طور پر یہ سب جمہوری ممالک تھے۔

انہوں نے کبھی بھی یہ بات تسلیم نہیں کی کہ دنیا پر یورپی اقوام کے تسلط اور اثر واقتدار کا نظریہ فرسودہ ہو چکا ہے۔ وہ برصغیر پاکستان و بھارت کے لوگوں کے ان مطالبات کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ انہیں بھی یورپی اقوام کے برابر حقوق حاصل ہوں۔ اس سے کہیں کم وہ افریقیوں کے مطالبات کو تسلیم کرتے تھے۔ بہر حال جب پاکستان وبھارت نے آزادی حاصل کر لی تو انہوں نے اس صورت حال کو دل وجان سے قبول کر لیا۔ اور نہ ہی دولت مشترکہ کے نئے ممبروں کی حکومتوں سے تعاون کرنے میں کبھی پس وپیش کیا۔

سر ونسٹن جامع صفات تھے ان کی یہ بھی ایک صفت تھی کہ وہ قومی نفرت وحقارت روا رکھنے پر یقین نہیں رکھتے تھے چنانچہ جوں ہی جرمنوں کو پسپا کر دیا گیا وہ دوبارہ ان کے ساتھ کام کرنے پر تیار ہو گئے۔ وہ سٹالن کے ساتھ بھی کام کرنے پر آمادہ رہتے تھے لیکن شرط یہ تھی کہ سٹالن ہوس اقتدار سے دستبردار ہو جائیں۔ انہوں نے آزاد اقوام پر مشتمل ایک دنیا کا تصور پیش کیا جو قاعدے قانون کی پابند ہو البتہ مضبوط ومستحکم اقوام یقیناً اس کے معاملات کی نگران ہو۔

دسمبر 1941ء کو برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل نے اپنی ایک تقریر میں جنگ کی فتح کا تذکرہ کرتے ہوئے ہاتھ سے "V" کا نشان بنایا۔ جو بعد میں دنیا بھر میں مقبول ہوا۔ بالآخر دوسری عالمگیر جنگ ختم ہوگئی اور چرچل کو اس جنگ کا سب سے بڑا ہیرو تسلیم کر لیا گیا۔ مگر جنگ کے خاتمے کے بعد برطانوی قوم نے قدامت پسند چرچل کی بجائے لیبر پارٹی کے مسٹر ڈاٹلی کو وزیر اعظم بنا دیا۔ کچھ عرصے بعد چرچل عملی سیاست سے

علیحدہ ہوگئے اور برطانوی حکومت نے ان کی قومی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں ''سر'' کے معزز خطاب سے نوازا۔

ہٹلر نے زور دیکر کہا تھا کہ آنے والے دور میں وہی ریاست شمالی امریکہ کے سامنے تن کر کھڑی ہوگی جو اس تاریخی حقیقت کو جالے گی کہ اپنی قوم کی نسلی اہمیت کس کس طرح اجاگر کرنا ہے۔قوم کی نسلی اہمیت کو منوانے کے لیے، ہٹلر نے کہا کہ یہ نیشنل سوشلسٹ تحریک کا بنیادی فرض ہے کہ اس مقدس کام کی تکمیل کے لیے مادر وطن کو مضبوط کریں اور منتشر قوم کو ایک بنادیں۔ ہٹلر نے مختلف اقسام کے ہوائی جہاز اور بحری جہاز تیار کرنے کے منصوبے بنائے تاکہ وہ اس کے جارحانہ عزائم پورا کرسکیں۔اس سے ایک بات طے ہے کہ اس نے امریکہ فتح کرنے کی کوششوں کو ترک نہیں کیا تھا۔

یوں لگتا ہے جیسے جنگ عظیم اول سے ہٹلر نے جنگ کا ایک ہی مقصد مراد لیا اور وہ تھا ''زندہ انسانوں کے رہنے کے لیے مزید جگہ'' کی کشمکش اور یہی مقصد مستقبل کی جنگ کا پیش خیمہ ہوسکتا تھا۔زمین حاصل کرنے کی اس پالیسی پر عمل درآمد کیلئے یورپ میں صرف ایک علاقہ یا ملک تھا اور وہ تھا ''روس'' یہ جنگ کا ایک ایسا اکلوتا مقصد ہوسکتا تھا جو تمام جرمنوں میں زندگی کی لہر دوڑا سکتا تھا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے دی گئی قربانیوں کا دفاع کرسکتا تھا۔اس عظیم مقصد کے لیے دی جانے والی قربانیوں کے بدلے میں جرمن دستوں سے ایک ہی وعدہ کیا جاسکتا تھا کہ فتح کی صورت میں ہزاروں کلومیٹر کے علاقے میں ہراول دستوں کو زمین کی ملکیت دیدی جائے گی یا جرمنوں کو ایک کالونی مل جائے گی۔

1941ء میں روس پر حملے کے وقت ہٹلر نے کم وبیش ایسا ہی کیا۔اس جنگ کا نتیجہ ایک نئی جرمن فوج کی شکل میں ہوگا، اپنی دوسری کتاب میں ہٹلر اس بات کا حوالہ دیتا ہے کہ وہ وائیمر ریپبلک کے ایک لاکھ جوانوں کو عظیم نئی فوجی مشین تیار کرنے کے لیے استعمال کرے گا۔اس کے لیے دنیا بھر سے جبری فوجی بھرتی کی جاتی۔ 1935ء تک ہٹلر نے اس منصوبے پر کام شروع کردیا اور اپنی SA تنظیم کو متبادل فوجی تنظیم کے طور پر ڈھالنے کی کوشش شروع کردی، اس کے ساتھ ہی اس نے جبری فوجی بھرتی کا اعلان کردیا جو ورسیلز معاہدے کی کھلی خلاف ورزی تھی۔

نسلی تعصب ہٹلر تک محدود نہ تھا

1936ء کی اولمپک گیمز میں ہٹلر ایک سیاہ فام امریکن ایتھلیٹ کے ساتھ ملاقات سے بچنے کے لیے جلدی سٹیڈیم سے نکل گیا تھا۔واقعہ یوں ہے کہ اولمپک کے پہلے دن ایک افریقین امریکن ایتھلیٹ کارنیلیس جانسن نے امریکہ کے لیے سونے کا پہلا تمغہ جیتا تھا اور اسے مہمان خصوصی یعنی ہٹلر کے ہاتھوں یہ انعام وصول کرنا تھا لیکن ہٹلر سٹیڈیم سے جلدی نکل گیا۔اپنی روانگی سے قبل ہٹلر جیتنے والے کافی کھلاڑیوں سے مل چکا تھا۔اس صورت حال میں اولمپک انتظامیہ نے ہٹلر کو کہا کہ مستقبل میں وہ جیتنے والے تمام کھلاڑیوں سے ملے یا پھر کسی سے بھی نہ ملے۔ہٹلر نے کسی سے نہ ملنے کا فیصلہ کیا۔ پہلے دن کے بعد اس نے کسی کھلاڑی کی کارکردگی کی تعریف نہ کی۔جیسی اور سیاہ فام امریکی نے دوسرے دن کئی فتوحات حاصل کیں لیکن تب ہٹلر موجود نہ تھا۔

بدقسمتی سے اوونز کے ساتھ حقیقی بدسلوکی اس کے اپنے صدر کی طرف سے کی گئی۔ حالانکہ نیویارک اور کلیولینڈ کے شہروں میں اوونز کے استقبال میں استقبالی جلوس نکالے گئے تھے۔صدر فرینکلن ڈی روز ویلٹ نے کبھی عوامی سطح پر اوونز کی کارکردگی کی تعریف نہ کی حالانکہ اوونز نے 100 میٹر میں سونے کا تمغہ، 200 میٹر ریلے دوڑ اور لانگ جمپ کے مقابلوں میں کامیابی حاصل کی تھی۔اوونز کو نہ وائٹ ہاؤس مدعو کیا گیا اور نہ ہی

اسے صدر کی طرف سے مبارک باد کا خط موصول ہوا۔

دو دہائیاں گزرنے کے بعد دوسرے امریکن صدر آئزن ہاور نے 1955 میں اووینز کو "کھیلوں کا سفیر" کے لقب سے نوازا۔

ہٹلر کا انجام

ہٹلر کی تمام زندگی کسی ڈرامے سے کم نہ تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر دنیا ہٹلر کا انجام جاننا چاہتی تھی لیکن کسی کے پاس مصدقہ خبر نہ تھی۔ ہٹلر کی شادی اور لاش کا جلائے جانا، یہ خبر اتحادیوں اور روسیوں کے پاس موجود تھی لیکن وہ اسے ہٹلر کا ڈرامہ قرار دیتے تھے۔

کئی مورخین اس امر پر اصرار کرتے ہیں کہ روسیوں نے منگر شاسن (ہٹلر کے ذاتی ملازم) اور ڈاکٹر برک کی نشاندہی پر ہٹلر کی ادھ جلی نعش برآمد کر لی تھی اور اسے روس لے گئے تھے جہاں انہوں نے اسے غائب کر دیا تاکہ مردہ فیوہرر جرمنوں کی دوبارہ بیداری کا سبب نہ بن جائے۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ انگلستان پر فوجیں اتار سکنے اور اسے تسخیر کرنے کی امید سے مایوس اور برہم ہو کر ہٹلر نے "آپریشن باربروسہ" کے منصوبے کے تحت 22 جون 1941ء کو روس پر حملہ کر دیا۔ انہیں امید تھی کہ روس کو فتح کرنے میں کوئی دیر نہ لگے گی، اس لیے انہوں نے بے شمار فوج روس میں داخل کر دی اور اسے موسم سرما کی وردیاں اور سردی سے بچنے کا کوئی سامان تک نہ دیا۔ انہوں حکم دیا:

"روسی شہروں کو زمین سے ہموار کر دو اور روسیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔"

روسیوں کو بموں، توپوں کے گولوں اور مشین گنوں کا چارہ بنایا گیا۔ لاکھوں کو قید کر کے نظر بندی کیمپوں میں بیگار پر لگایا گیا۔ جب دنیا میں روسیوں کے قتل عام پر شور بلند ہوا تو ہٹلر نے اس کا جواب اپنی نشری تقریر میں یہ دیا کہ:

"اگر جرمنوں کے قیمتی اور مقدس خون کی قربانی دی جا رہی ہے تو اس کا انتقام ہر جرمن کے بدلے ہزار ہا غیر جرمنوں کے خون ہی سے لیا جائے گا۔"

اُسے فوجی ماہر ہونے اور جنگی چالوں کو سب سے بہترین سمجھ سکنے کا اتنا زعم ہو گیا تھا کہ اُس نے جرمن جنرل سٹاف کے ہر مشورے کو ٹھکرا دیا اور کہا نازی سپاہی کہیں نہیں رکیں گے لیکن نازی فوجوں سے نہ سٹالن گراڈ فتح ہو سکا، نہ ماسکو اور نہ لینن گراڈ۔

اٹلی، جرمنی اور جاپان فوجی معاہدے کے تحت جاپان بھی جنگ میں کود چکا تھا اور امریکہ اتحادیوں کا حلیف بن چکا تھا۔ جرمنی کی افواج نے اتحادیوں پر کاری ضربیں لگائیں اور پے در پے شکستوں سے دوچار کر دیا۔ جنگ ختم ہونے سے چند ماہ پہلے اچانک جنگ کا پانسا پلٹنے لگا آخر کار 20 اکتوبر 1944ء کو اتحادیوں نے جرمن کے پہلے شہر آخن پر قبضہ کر لیا اور جرمنوں کو شکست پر شکست ہونے لگی۔ امریکی اور برطانوی فوجوں نے شمالی افریقہ کے محاذ سے مارشل رومیل کو مار بھگایا۔ اس کے بعد اٹلی نے ہتھیار ڈال دیے روسیوں نے پیش قدمی شروع کر دی۔ اب ہٹلر بار بار گوئبلز سے شکوہ کرنے لگا کہ "نازی جرنیل سچ نہیں بولتے وہ سب بد دیانت ہیں اور نیشنل سوشلزم کے دشمن ہیں، میں ان سے بیزار ہو گیا ہوں۔"

1944ء میں جب امریکی جنرل آئزن ہاور کی سپریم کمانڈ کے تحت دوسرا محاذ کھل گیا تو ہٹلر کے دل و دماغ پر اوس پڑ گئی۔ وہ اپنی خیالی دنیا

کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھ کر ساری دنیا کو بھک سے اڑا دینا چاہتا تھا۔ اس کی دماغی حالت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ وہ سوتے میں چلا چلا کر پوچھتا کہ ''پیرس جل رہا ہے یا نہیں؟'' جب روسیوں نے پولینڈ سے بھی جرمنوں کو مار مار کر پسپا کرنا شروع کر دیا تو ہٹلر نے چیخ چیخ کر حکم دیا کہ ''وارسا (پولینڈ کا دارالحکومت) کو نیست و نابود کر دو'' نازی جرنیل ہالڈر کا کہنا تھا کہ ان دنوں ہٹلر بالکل پاگل ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی اور یوں محسوس ہوتا کہ وہ ساری انسانیت کا خون چاہتا ہے۔

جب برلن میں امریکی اور برطانوی بمباروں سے بچنا دوبھر ہو گیا تو ہٹلر نے اپنا ہیڈ کوارٹر برلن سے باہر قائم کر لیا انہوں نے مغربی محاذ پر مارشل فان کو حکم دیا کہ شکست کو فتح میں بدل ڈالو۔ انہوں نے ایک فوجی گروہ کو اس لیے مغربی محاذ پر امریکی وردیوں میں ملبوس کر کے بھیجا کہ وہ جنرل آئزن ہاور کو تلاش کر کے قتل کر دیں۔ حتیٰ کہ وہ دن بھی آ گیا کہ یکم جولائی 1945ء کی سہ پہر کو تین بجے کے قریب برلن میں ہر آدمی کسی نہ کسی خلاف معمول کام میں مصروف تھا۔ ہاری ہوئی قوم کا ڈکٹیٹر ایڈولف ہٹلر اس وقت پستول کی نالی اپنی کنپٹی پر رکھے گھوڑا دبانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اور اس کی داشتہ ایوا براؤن زہر کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لیے رضامند ہو چکی تھی۔

ہٹلر عموماً کہا کرتا تھا ''مجھے عورتیں اس لیے پسند نہیں کرتیں کہ میں فاتح اعظم ہوں یا جرمنی کا ڈکٹیٹر ہوں یا میرا نام ہٹلر ہے۔ بلکہ میں محض اس لیے پسند کیا جاتا ہوں کیونکہ میں کنوارہ ہوں لہٰذا خوبصورت اور ذہین عورتیں میری طرف مائل ہونے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ مگر ہر ظریف طبع اور حسین عورت کو یہ بات کان کھول کر سن لینی چاہیے کہ مجھے ایسی عورتوں سے شدید نفرت ہے۔ خدا جانے ہٹلر کے ان الفاظ نے صنف نازک کے جذبات پر کیا قیامت ڈھائی ہوگی۔ ہٹلر کے اقتدار کے اولین دور میں کئی عورتیں اس کی زندگی میں دبے پاؤں داخل ہوئیں مگر وہ اس شخص کے قلب و نظر میں نہ سما سکیں اور جلد ہی ٹھکرا دی گئیں۔

ہٹلر کی موت

ہٹلر کی موت کا افسانوی پہلو اس کی داشتہ ایوا براؤن تھی۔ جس سے اس نے موت سے چند گھنٹے پیشتر باقاعدہ طور پر شادی کر لی تھی۔ موت سے پہلے وہ ہٹلر کی ایک گمنام اور پراثر داشتہ تھی اس کو برلن آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہٹلر نے اس کے لیے برسٹن گارڈن کی قیام گاہ مخصوص کر رکھی تھی۔ لیکن جب برلن چاروں طرف سے محصور تھا اور آمد و رفت کے تمام راستے بند تھے۔ ایوا اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہٹلر کے ساتھ شادی کرنے اور اس کے ساتھ مرنے کی خواہش لے کر برلن آ پہنچی۔ ہٹلر نے واپس بھیجنے کی کوشش کی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔

یہ تقدیر کی کس قدر ستم ظریفی ہے کہ 1945ء کے اس سوگوار دن جب برلن کا محاصرہ تنگ کیا جا چکا تھا اور جرمنی شکست کے آخری زینے پر کھڑا لڑکھڑا رہا تھا ہٹلر نے ایوا کو طلب کیا اور کہا:

''آج ہماری زندگی کا آخری دن ہے کل کا سورج ہمیں نہیں دیکھ سکے گا۔ افسوس شکست ہمارا مقدر بن چکی ہے دشمن شہر میں داخل ہو چکا ہے۔ میں اپنی زندگی کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں مگر زندگی کا چراغ گل ہونے سے پہلے اس چراغ کی لو کو بھڑکتا دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیوں کر؟ ایوا نے پھٹی پھٹی نگاہیں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے پوچھا۔''

وہ اس طرح کہ موت سے چند ساعتیں پہلے ہم تم شادی کر لیں......فوراً......اسی وقت اور پھر......زندگی کی ادھوری خواہش بھی پوری ہو جائے۔

سارے برلن میں روسیوں کی بندوقیں ان دونوں کو تلاش کر رہی تھیں اور یہ دونوں اپنی شادی کی رسومات میں مصروف تھے۔ایک سرکاری افسر نے ان کی شادی کی رسومات ادا کیں۔ پھر اس شادی کی خوشی میں ایک مختصر سی دعوت کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔آخر میں ایوا نے اپنے خدمت گاروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب تم بلاجھجک مجھے اے۔بی کے بجائے بیگم ہٹلر کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو۔پھر یہ دونوں حجلا عروسی میں چلے گئے۔

ہٹلر کو سب سے زیادہ خوف اس بات کا تھا کہ اگر روسیوں نے اسے زندہ یا مردہ گرفتار کر لیا تو وہ اسے ماسکو لے جا کر اس کی نمائش کریں گے۔اس نے اپنے وفادار ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس کی لاشیں جلادی جائیں اور انہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگنے دیا جائے۔ پہلے ایوا براؤن اور پھر ہٹلر نے زہر پیا۔ان کی لاشیں پوشیدہ طور پر تہہ خانے میں لے جائی گئیں۔ چادروں میں لپٹی ان کی لاشوں پر پٹرول کے کئی ڈبے ڈالے گئے اور انہیں آگ دکھادی گئی۔ پھر ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ان کو دوبارہ آگ دکھائی گئی۔ یہ عمل کئی بار دوہرایا گیا۔

مارچ 1939ء میں ''ہٹلر کی حیران کن موت'' کے عنوان سے ایک کتاب منظر عام پر آئی۔کتاب میں یہ الزام لگایا گیا کہ ہٹلر کو میونخ کانفرنس سے کچھ عرصہ قبل زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔کتاب کے گمنام مصنف نے دعویٰ کیا کہ ہٹلر سے مشابہہ چار افراد میں سے ایک نے فوراً ہٹلر کی جگہ لے لی تھی۔ چونکہ 1945ء تک ہٹلر زندہ سلامت نظر آتا تھا، یہ کتاب ''بیوقوف بنانے کی ایک کوشش تھی۔ 1938ء میں اس کی موت کی خبر کے پس منظر میں جو افواہیں پھیلی تھیں، وہی 1945ء کے بعد اس کے زندہ ہونے کے دور میں گردش میں تھیں۔

آج اگرچہ ہٹلر ہم میں موجود نہیں ہے۔مگر جب تک انسان کا وجود اس کرہ ارض پر باقی ہے اور جب تک تاریخ کی حکمرانی اور فضیلت باقی ہے یہ شخص جنگ عظیم اور تاریخ کا یہ بہت بڑا کردار کسی نہ کسی صورت میں ضرور یاد رکھا جائے گا۔ وہ ظالم تھا، سفاک تھا، احسان فراموش تھا، مطلب پرست تھا، جو کچھ بھی تھا، دنیا کی تاریخ مرتب کرتے وقت اس کی مقناطیسی شخصیت کو نظرانداز کرنا ناممکن ہوگا۔آج بھی اس کے نظریات کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں اپنائے جا رہے ہیں۔

ہٹلر کا سیاسی فلسفہ

ہٹلر تو دنیا سے چلا گیا لیکن اس کا فلسفہ آج بھی زندہ ہے چاہے اس پر کوئی کھلم کھلا عمل کرنے کا اقرار نہ کر پائے اور در پردہ اسی پر رہے۔ ہٹلر نے چونکہ زندگی کو قریب سے دیکھا تھا چنانچہ اس کے جذبات، احساسات ہر دور میں پروان چڑھتے چلے گئے جن کی منزل طاقت کا حصول تھا وہ بلاشبہ ایک سیاسی شعبدہ باز تھا۔

ہٹلر کے سیاسی فلسفے کی بنیادی خصوصیات

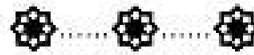
☆ ہٹلر کے نزدیک طاقت ہی مسائل کا حل تھا۔

☆ وہ شخصی اور عقلی برتری کی بجائے نسلی برتری کا قائل تھا۔

☆ حضرت عیسیٰ کی جگہ پیغمبریت کا دعویٰ کر کے انسانیت کا نجات دہندہ بن کر نئے جرمن مذہب کی بنیاد رکھنے کا خواہاں تھا۔ اگر اسے دوسری جنگ عظیم میں حتمی فتح حاصل ہو جاتی تو اہل جرمنی کے لیے اس کا مقام اتاترک جیسا ہو جاتا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ جنگ کے بعد کے سیٹ اپ میں انسانی سوچ پر مبنی نئے مذہب کو ہٹلر ایک ہی حکم کے ذریعے نافذ کر دیتا اور جرمنی اور مفتوحہ ممالک کے پاس تابعداری کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا۔

☆ ہٹلر ایک قوم پرست تھا۔ طبعاً حساس طبیعت ہونے کے سبب وہ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست پر نہایت دل گرفتہ تھا۔ اس شکست نے اخلاقی، معاشی، معاشرتی، سیاسی غرضیکہ ہر شعبے میں جرمن قوم کے تار پود بکھیر دیے تھے۔ جرمنی کے ٹکرے ٹکرے کر دیے گئے تھے۔ قوم ابتری اور بدحالی کا شکار تھی۔ بیروزگاری زوروں پر تھی۔ جرمن کرنسی کی زری اہمیت زمین پر تھی۔

تاوان جنگ نے انہیں اپنی نظر میں ذلیل ہونے جیسے تجربے سے دوچار کیا تھا اور معاشی اعتبار سے چولیں ہلا دیں تھیں۔ ان حالات میں ایک عام انسان انگڑائی لیکر اٹھا، اس کے سینے میں ایک جوالا مکھی تھا۔ جو اس کے لیے آگے بڑھنے کے لیے پاور ہاؤس (Motivational Force) کا کام دے رہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ خود کو سپر مین (Ubernensch) قرار دیتا تھا۔



بطور فیوہرر اقدامات



ہٹلر کی جوانی کی ایک تصویر

چرچ کی اصلاح

فیوہرر نے بائبل کو نازی ازم کے اصولوں کی روشنی میں از سرِ نو مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا، وہ خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانشین کے طور پر سامنے لانا چاہ رہا تھا۔ اس نے کیتھولک چرچ کی اصلاح کا پروگرام بنایا۔ اس کا نزلہ پروٹسٹنٹ چرچ پر گرا، پروٹسٹنٹ چرچ بند کر دیے گئے اور انتظامیہ محبوس کر دی گئی۔ اس نے سرکاری پادریوں کا ایک طبقہ تیار کیا جنہوں نے نومبر میں 1933 میں عوامی سطح پر جلوس نکال کر مطالبہ کیا کہ بائبل میں موجود مویسٹوں کے تارجوں والی کہانی ختم کر دی جائے اور اسے نازی ازم کی روشنی میں ترتیب دیا جائے۔ انہوں نے چرچ میں نسلی برتری کے تقدس کے موضوع پر لیکچر دینے پر زور دیا۔ ہٹلر کا پروگرام تھا کہ تمام چرچوں میں سے صلیب، مسیح علیہ السلام کی مورتیاں اور حضرت مریم کی شبیہ ہٹا کر اس کی جگہ اس کی کتاب "میری جدوجہد" اور تلوار رکھی جائے۔ نازی اعلیٰ حسب، نسب اور برتر خون کا پرچار کرتے تھے جو عیسائیت سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔ کچھ سنجیدہ مذہبی حلقوں نے ہٹلر کو ایک یادداشت پیش کی کہ وہ مذہبی معاملات سے دور ہی رہے تو یہ سب کے لیے بہتر ہے۔ اس کا جواب ہٹلر نے یوں دیا کہ عرضداشت پر دستخط کرنے والے تمام پادری مروا دیے۔ ہٹلر کا منصوبہ تھا کہ اگر وہ اپنی مذہبی اصلاحات نافذ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو عیسائیوں کی صلیب کی جگہ سواستیکا کا نشان نصب کرے گا۔

صرف نازی ازم باقی تمام نظریات نذرِ آتش

جرمن تاریخ میں برلن کی ایک رات کبھی نہ بھلائی جا سکے گی جب آگ کے آلاؤ نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ اس سے قبل جرمنوں نے پارلیمنٹ میں لگی آگ کے شعلے دیکھے تھے جن میں ان کی جمہوریت جل گئی تھی اور جمہوریت کی راکھ سے آمریت نے جنم لیا تھا۔ اب کی بار آگ کا آلاؤ جرمنی کی دھرتی پر پھلنے پھولنے والے نظریات کو بھسم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ نازیوں کے اکسانے پر برلن یونیورسٹی کے سامنے نازی طلبا کی ایک تعداد نے کتابوں پر کتابیں پھینک کر ان کو آگ لگا دی۔ ان کتب میں دنیا بھر کے مصنفین کی کئی شہرہ آفاق کتب شامل تھیں جیسے یہودی مصنف آئین سٹائین (جسے نازی طنزاً دوائیں بیچنے والا کہتے تھے) ایچ بی ویلز، فرائیڈ، ہیولاک ایلس وغیرہ

ہٹلر نے قانون پاس کیا کہ وزیر پروپیگنڈا کی پیشگی اجازت کے بغیر کوئی کتاب شائع نہ کی جا سکے گی۔ اس امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس ملک میں کوئی نئی کتاب نہ چھپے اور لازوال کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔ اس کا مطلب تھا کہ حاکم وقت علم کے پودے کی آبیاری نہیں کرنا چاہتا تو پھر کیا کرنا چاہتا تھا۔ ہٹلر نے ریفرنڈم کروایا جس میں 90% جرمنوں نے ہٹلری احکام کی تائید کر دی صرف 10% افراد نے مخالفت میں ووٹ دیا۔ اب 45 سالہ ہٹلر کے سامنے میدان صاف تھا۔ تمام ملک اس کے پیچھے تھا اور تمام دنیا اس کے آگے تھی۔ اس کا پہلا ٹارگٹ جرمنی کا معاشی استحکام تھا تا کہ جرمن قوم خوشحالی کی زندگی بسر کر سکے۔ اس کا دوسرا ٹارگٹ یورپ کو فتح کرنا تھا تا کہ جرمن سر اٹھا کر چل سکے۔ اس کا سیاسی نعرہ (Political Slogan) ''نسلی برتری'' تھا۔

وہ خود کو آریز کی چھوڑی عظیم وراثت تصور کرتا تھا۔ ایشیا کو بندر نما انسان اور باقی دنیا کو جرمنوں سے کم تر تصور کرتا تھا۔ سیاسی نعرہ کسی بھی سیاست دان کی مجبوری ہوتی ہے لیکن اگر یہ نعرہ سیاسی حقائق کی روشنی میں ہو تو اس سے حاصل ہونے والے نتائج قومی ترقی کے لیے آکسیجن کا کام کرتے ہیں۔ جیسے برٹش انڈیا میں قائداعظم محمد علی جناح کی آئینی جدوجہد جس میں انگریز سرکار کو قائداعظم کو ایک دن بھی گرفتار نہ کرنا پڑا اور نہ قائد نے قتل و غارت کا سہارا لیا۔ انہوں نے کروڑوں مسلمانانِ ہند کو ایک سیاسی فلسفہ اور فکر دی۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ نیلسن منڈیلا کی آئینی جدوجہد اور سیاسی نعرہ ہی ''نسل پرستی کا خاتمہ'' تھا۔ ہٹلر کے شخصی خدوخال بھی کسی طرح آرین (Aryan) سے اِس کی نسلی وابستگی کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ آرین سے متاثر ہونا اور ان کے فلسفے کی پیروی ایک علیحدہ جواز (Justification) ہے اگر ہٹلر کے آرین فلسفے کو درست مان لیا جائے تو برصغیر پاک و ہند کے خطے میں بسنے والے لوگ بھی خود کو سکندر اعظم، آرین تیمور اور احمد شاہ ابدالی وغیرہ کی وراثت کے امین کہلانے میں حق بجانب ہیں۔ ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ ہندوستان کے باشندے خود کو آرین کی وارثت کے امین کہلانا پسند نہیں کرتے۔ بہرکیف جرمنوں کا ماضی اب قصہ پارینہ بننے کو تھا اور ایک نیا ازم (نظریہ) جنم لے چکا تھا اور وہ تھا ہٹلر ازم یا نازی ازم۔

ہٹلر ازم ایک مخصوص سوچ اور نظریاتی کیفیت کی غمازی کرتا تھا جس کی بنیاد نسلی برتری پر تھی اس میں دوسری اقوام سے اختلاط شامل نہ تھا تا کہ بقول ہٹلر ایک خالص اور برتر جرمن قوم تیار کی جا سکے۔ آنے والے حالات اور واقعات نے اس تجزیے کو درست ثابت کر دیا۔ ہٹلر نے اس مقام تک پہنچنے کے لیے کئی دوست اور کئی دشمن قربان کر دیے تھے، اس نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے جائز اور ناجائز ہر طریقہ استعمال کیا تھا اب وہ ہر

صورت میں اس موقع سے فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔ ہٹلر کو وراثت میں شورش اور سیاسی ابتری ملی تھی۔ فوج کی طرف سے بے اطمینانی یہ تھی کہ مبادا ہٹلر براؤن شرٹ تنظیم کو فوج میں ضم نہ کر دے۔ دوسری طرف براؤن شرٹ تنظیم کی طرف سے دباؤ تھا کہ اسے فوج کا حصہ بنایا جائے اور اعلیٰ عہدے دیے جائیں۔ ہٹلر کے دیرینہ ساتھی روہیم کی طرف سے بھی ہٹلر پر دباؤ تھا۔ ہٹلر کے سامنے وسیع تر قومی مفاد تھا۔ گلیوں میں دنگا فساد کرنا ایک بات تھی اور ملکی دفاع کے لیے لڑنا ایک قطعی دوسری بات تھی۔ فوج کسی بھی قوم کی کریم تصور کی جاتی ہے کچرا نہیں۔ ہٹلر نے قانون بنایا کہ کسی فوجی پر سول عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا جا سکے گا۔ اس نے فوجی افسروں سے وعدہ کیا کہ فوج کو بہتر سے بہتر اسلحے سے لیس کیا جائے گا۔ سمندری فوج کو مزید فعال بنایا جائے گا کیونکہ ہٹلر جانتا تھا کہ جرمن نیوی کو سمندروں کی ملکہ یعنی برطانیہ سے مستقبل قریب میں مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس کے مذکورہ اعلان سے فوج میں اس کے بارے میں ایک اچھا تاثر قائم ہوا لیکن روہیم مایوس ہوگیا۔ براؤن شرٹ آوارہ گردوں کی طنابیں ڈھیلی ہو رہی تھیں اور وہ قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ ان کے گرما گرم بیانات اور تقریریں ہٹلر کے کانوں تک پہنچ رہیں تھیں۔ حالات خراب سے ابتر ہوتے جا رہے تھے۔ زبان بندی، غیر یقینیت اور خوف، ہراس کے اس ماحول میں صدر ہنڈبرگ نے ہٹلر کو کہا کہ اگر وہ حالات پر قابو نہ پا سکا تو ہنڈبرگ ملک میں مارشل لا لگا کر ملک کو فوج کے حوالے کر دیگا۔ اس دن کے بعد ہٹلر نے آخری دھکا دینے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے ایک سازش کی جھوٹی خبر پھیلا کر روہیم اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لیا۔ روہیم کو ہٹلر نے جیل بھیجنے کا حکم دیا اور ایک بھرا پستول اس کے پاس رکھنے کا حکم دیا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ خودکشی کر لے دوسرے لفظوں میں روہیم جیسا قابل بھروسہ دوست ہٹلر کی ضرورت نہ رہا تھا۔ روہم نے خودکشی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ایک عینی شاید کے مطابق دو افسروں نے اس پر پستول تانے۔ روہیم ایک دلیر شخص تھا۔ وہ سینہ تان کر کھڑا رہا۔ ان دونوں نے پستول کی تمام گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔ اس طرح ایک دوست کے خون کا داغ بھی ہٹلر کے ماتھے پر لگ گیا۔ روہم بلاشبہ ہٹلر کا محسن تھا۔ چنانچہ ہٹلر اقتدار اور طاقت کے نشے میں محسن کش بھی بن گیا۔ روہیم کے ساتھیوں کو پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ روہم کی موت کے بعد سینکڑوں منتخب براؤن قمیضوں کو چن چن کر مار ڈالا گیا۔ یہ کام گورنگ اور ہملر کی نگرانی میں سرانجام دیا گیا۔ وسیع پیمانے پر قتل عام کیا گیا۔ مرنے والوں کی صحیح تعداد تو متضاد بیانوں میں چھپ گئی۔ سرکاری بیان 400 جبکہ غیر سرکاری ذرائع ایک ہزار سے زائد بتاتا تھا۔ نئے پرانے ہر دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ وائس چانسلر پاپن کی جان بچ گئی لیکن وہ اپنے پرسنل سٹاف کو نہ بچا سکا۔ سٹریسر کو قید میں ڈال دیا گیا۔ کاہر جس نے ہٹلر کی شراب خانے والی بغاوت (1923) کو ناکام بنایا تھا اور ہٹلر کے ساتھ ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ ہٹلر اس شکست کو بھولا نہ تھا۔ مبینہ بغاوت کو کچلنے کے آپریشن کے دوران کاہر کو گھر سے گھسیٹ کر مار ڈالا گیا۔ حتیٰ کہ اس پادری کو بھی نہ بخشا گیا جو ہٹلر اور اس کی محبوبہ گیلی کے عشق اور اس کے انجام کو جانتا تھا۔ اس قتل عام نے جس میں کئی معصوم بھی مارے گئے، خوف و ہراس کی ایک فضا قائم کر دی تھی جس میں ہٹلر کی زبان سے نکلا لفظ ہی قانون کا درجہ رکھتا تھا اس کی بات سے انکار یا حکم کی عدم تعمیل کی سزا صرف موت تھی۔

اس کریک ڈاؤن کے نتیجے میں ملک میں سیاسی خاموشی چھا گئی، کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ حکومت وقت کے خلاف خیالات کا اظہار کرتا۔ عوامی رائے کے اظہار کا ہر پلیٹ فارم بند کر دیا گیا تھا صدر ہنڈبرگ نے ہٹلر کو امن و امان کی بحالی پر مبارک باد دی۔ اس شریف النفس اور محب وطن انسان کو حالات کی وہ تصویر دکھائی جا رہی تھی جس کی روشنی میں قتل عام بھی ملک کے خلاف بغاوت فرو کرنے کی تدبیر ہی لگتی تھی۔

ہٹلر براؤن شرٹ والی تنظیم کا زور توڑنے میں کامیاب رہا تھا جبکہ دوسری طرف اس نے کالی قمیض والوں کو بلہ شیری دی تھی۔ اس پالیسی سے وہ فوج کے ٹاپ کنٹرولرز کو یہ باور کروانے میں کامیاب ہوگیا کہ فوج کو اس کو مزید اختیارات دینے کی حمایت کرنی ہوگی۔ بوڑھا ہنڈ برگ اب امور ریاست چلانے کے قابل نہ رہا تھا۔ اس نے اپنی وصیت میں ہٹلر کی تعریف کی لیکن ساتھ ہی اسے معاملات آئینی طریقے سے چلانے کی نصیحت بھی کی۔ ہٹلر نے یہاں بھی چال بازی دکھائی اور ہنڈ برگ کی تعریفی وصیت کو شائع کردیا جبکہ نصیحت کو اس کا اپنے نام ذاتی خط قرار دیکر رکھ لیا۔

ہنڈ برگ کی وفات کے دن، ہٹلر کی کابینہ نے فیصلہ کیا کہ صدر اور چانسلر کے عہدے یکجا کردیے جائیں۔ چانسلر "فیوہر" کہلائے گا۔ وہ مسلح افواج کا کمانڈر انچیف بھی ہوگا۔ روایتی فوجی سیلوٹ تبدیل کر کے مخصوص سٹائل کا نازی سیلوٹ جس کا اشارہ سامنے والے کو نیچا دکھانا جیسا تھا، رائج کردیا گیا۔ ہٹلر نے افواج جرمنی سے نیا حلف لیا۔ حلف کے الفاظ میں جہاں جرمنی کے ساتھ عہد وفا کا اظہار تھا وہاں فیوہر کے ساتھ بھی اظہار اطاعت کے الفاظ شامل کیے گئے تھے۔ اب جبکہ ملک بھر کے مقتدر حلقے دبائے جا چکے تھے۔ مزدوروں کی انجمنوں یعنی ٹریڈ یونینز کا معاملا ہنوز باقی تھا۔ یہ ایک نازک اور پیچیدہ مسئلہ تھا۔ ایک ہلکی چنگاری شعلہ بھڑکا سکتی تھی۔ ہٹلر نے یہ معاملہ بھی مکاری سے حل کرلیا۔ یوم مئی کے موقع پر مزدوروں اور مزدور رہنماؤں کو تعظیم کے ساتھ آسمان پر اٹھایا گیا، محنت کی عظمت اور مزدور کی عزت پر طویل تقاریر ہوئیں، مزدور ہٹلر کی طرف سے اطمیان کا سانس لے ہی رہے تھے کہ اسی رات مزدور یونینوں کے دفاتر پر کریک ڈاؤن کیا گیا۔ تمام مزدور رہنما پابند سلاسل کردیے گئے۔ لیبر ٹرسٹ کے نام سے ادارہ قائم کیا گیا جو مزدوروں کے مفادات کی نگرانی کرے گا۔ مزدوروں کے بارے میں ایک نیا ضابطہ اخلاق جاری کیا گیا جس کے مطابق وہ ہڑتال کرنے کا حق کھو چکے تھے۔ اس فیصلے سے ہٹلر نے کارخانہ داروں اور صنعت کاروں کا اعتماد حاصل کرلیا۔ مکاری اور تدبر سے اس نے ایک سلگتے مسئلے پر قابو پالیا۔ سارا ملک اس کے تابع تھا اب اس نے خارجی محاذ پر توجہ مرکوز کی۔

ہٹلر کو اپنے وقت کے سیاست دانوں میں سے بلاشبہ جھوٹوں کا بادشاہ کہا جاسکتا ہے۔ پارلیمنٹ کے سامنے مئی 1933ء کی ایک تقریر اس بات کا بین ثبوت ہے۔ اس تقریر میں اس نے دنیا کو امن کا پیغام بھیجا اور دنیا سے مہلک ہتھیاروں کے خاتمے کی بات کی۔ اس نے خصوصی طور پر امریکی صدر روز ویلٹ کی کوششوں کی تعریف کی۔ اس نے جرمنی کو ان کوششوں میں سب سے آگے رہنے کا عندیہ دیا جس کا دنیا بھر میں ملا جلا ردعمل سامنے آیا۔ لیکن ان الفاظ نے جرمن عوام کو متوجہ کرلیا۔ وہ یہ سمجھے کہ ان کا فیوہر ساری توجہ ملک کی اندرونی حالت سدھارنے پر مرکوز کرنا چاہتا ہے جس کے لیے وہ اقوام عالم کی برادری میں جرمنی کی خراب شہرت کو سنبھالا دیگا۔ ہٹلر کی تقریر کو دنیا بھر میں مختلف زاویوں سے پرکھا گیا۔ اس میں ہٹلر کو روز ویلٹ کی طرف جھکتے دیکھا گیا، جس سے دنیا میں ایک نئی سوچ اور فکر کے ظہور کا تاثر لیا گیا، لیکن یہ ایک سراب تھا۔ وہ دنیا کے لیے ایک ہی منشور لے کر آیا تھا کہ وہ جرمنی کے دشمنوں سے بدلہ لے گا۔ اس کے لیے اس نے ڈبل ماسکنگ کی پالیسی اپنائی تھی یعنی امن کا ماسک پہن کر جنگ کی تیاری کرنا جرمن یہودیوں کا قصور صرف یہ نہ تھا کہ جرمنی میں زیر گردش سرمائے میں سے بیشتر یہودیوں کی ملکیت تھا اور وہ سرمائے پر کمر توڑ شرح سے سود وصول کرتے تھے بلکہ جرمنی کی معیشت کو کمزور کرنے میں ان کے مختلف ہتھکنڈے منظر عام پر آئے تھے۔ اقتصادی کساد بازاری اور جرمن تحریک کے خلاف اپنے ملکیتی اخبارات کے اداریوں کے ذریعے کیچڑ اچھالنے کا کام ایک مدت سے کر رہے تھے۔ آبادی میں اپنے قلیل تناسب کے لحاظ سے

انہوں نے زیادہ حقوق حاصل کر رکھے تھے۔ انہوں نے جرمن کرنسی مارک کی بدتر ویلیو کو بہتر بنانے کے لیے کوئی کردار ادا نہ کیا اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے طاقت کا کوئی انجکشن نہ لگایا جو جرمن باشندے ہونے کی حیثیت سے ان کا اولین فرض تھا۔ یہودیوں نے مارکس ازم اور کمیونزم کو قد آور رہنما فراہم کیے جبکہ یہ نظریات جرمن مخالف تھے۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کیے۔ کتاب کے اگلے صفحات میں اس موضوع پر دوبارہ سیر حاصل بحث شامل ہے۔

اقتدار میں آنے کے بعد جہاں زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں تبدیلی نظر آئی وہاں محکمہ پولیس پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ اہل افراد کو آگے لایا گیا۔ پولیس کو عوام کے لیے صحیح معنوں میں ''محافظ'' محکمہ بنانے کے اقدامات کیے گئے۔ یہ کام جنرل گورنگ کی براہ راست نگرانی میں کیے گئے۔ ہٹلر نے گورنگ کو ایک اور ذمہ داری یہ سونپی کہ وہ قومی ایئر لائن کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرے۔ ورسیلز معاہدہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ ہٹلر نے ورسیلز معاہدہ توڑنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ وہ طاقت پر یقین رکھتا تھا جو عمل سے حاصل ہوتی ہے باتوں سے نہیں۔ اس نے اسلحہ تیار کرنے اور ورسیلز معاہدے کی دھجیاں بکھیرنی تھیں لیکن اس کے لیے وہ موزوں وقت کا منتظر تھا۔ بیرونی محاذ پر آگے بڑھنے سے قبل، اسے اندرونی محاذ کی صفائی کرنا تھی۔ وسیع پیمانے پر کیمونسٹوں کے خلاف کریک ڈاؤن کیا گیا۔ سینکڑوں گرفتار کر لیے گئے۔ ہزاروں زیرزمین چلے گئے۔ بہت سے ملک سے بھاگ گئے۔ نازی پارٹی شارک بن کر چھوٹی مچھلیاں نگل رہی تھی۔ بوہریا میں کیتھولک پارٹی کی حکومت کو ٹھوکر مار کر ہٹا دیا گیا۔ سینٹر پارٹی، کیتھولک پارٹی اور پیپلز پارٹی نے حالات کی سنگینی کو بھانپ کر خیریت اسی میں جانی کہ سیاست سے اپنا بوریا بستر سمیٹ لے۔ ہٹلر نے قانون بنایا کہ جرمنی میں صرف ایک سیاسی پارٹی نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز (نازی) پارٹی ہوگی۔ جس کا مطلب ون مین شو اور ون پارٹی سسٹم یعنی ہٹلر کے منہ سے جو نکلے وہی قانون، وہی حرف آخر اور وہی علم کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ ہر اعتبار سے افسوس ناک تھا کیونکہ اس کے منہ سے نسلی برتری اور جنگی برتری جیسے الفاظ کے علاوہ کچھ کم ہی برآمد ہوتا تھا۔ اس فاشسٹ پالیسی کا دوررس نتیجہ یہ نکلا کہ جرمن یونیورسٹیوں میں طلبہ کی تعداد کم ہوگئی، جرمن سائنس دانوں، انجینئروں اور ڈاکٹروں کی تعداد میں نمایاں کمی ہوگئی تھی جس نے جرمنی کے مفادات کو شدید نقصان پہنچایا۔ جرمنی کی ظالمانہ پالیسی کی بدولت کئی مصنفین اور سائنس دان جرمنی چھوڑ کر امریکہ چلے گئے تھے۔ ان سائنس دانوں میں البرٹ آئین شٹائین کا نام بھی شامل تھا۔ آئین شٹائین سے امریکہ سمیت دنیا بھر میں علمی اور تحقیقی فائدہ اٹھایا گیا جبکہ اس پر جرمنی کا حق تھا جو حق جرمنی نے ہٹلر کی بدولت کھو دیا تھا۔

1933ء میں ہی ہٹلر نے ایک اور قانون کا نفاذ کیا جس کے تحت کوئی یہودی کسی ملازمت میں نہیں لیا جائے گا، یہودیوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں امتیازی سلوک کیا جائے گا۔ انہیں سٹاک ایکسچینج میں آنے اور خرید و فروخت کی ممانعت کر دی گئی۔ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں انہیں گھسنے نہیں دیا جاتا۔ 5 سال کے اندر اندر کوئی یہودی وکیل یا ڈاکٹر اپنی پرائیویٹ پریکٹس نہیں کر رہا تھا۔

ہٹلر نے اٹھارہ سال کے ہر لڑکے اور لڑکی کے لیے فوجی ٹریننگ لازمی قرار دیدی تھی۔ ہٹلر کے اقتدار میں آنے سے قبل اس کی آپ بیتی ''میری جدوجہد'' کوئی خاص مقبولیت حاصل نہ کر سکی تھی لیکن 1933ء کے بعد یہ کتاب جرمنوں کے لیے مقدس بائیبل کا درجہ اختیار کر گئی۔ ہر نئی نویلی دلہن کو یہ کتاب تحفے میں دی جاتی تھی۔ اس طرح نوخیز لڑکے لڑکیوں کے لیے جو حلف نامہ تیار کیا گیا تھا اس میں جرمنی سے وفادار رہنے کی تلقین کے

ساتھ ساتھ فیوہرر کے ساتھ وفادار رہنے کی تلقین زیادہ کی جاتی تھی۔

لڑکیوں اور لڑکوں پر ایک سال مضافات میں لیبر کرنا لازمی تھا۔لڑکے کھیتوں اور لڑکیاں دیہاتوں میں گھروں میں کام کرتی تھیں۔کم سن لڑکے لڑکیوں کے آزادانہ اختلاط سے ایک نئی قباحت نے جنم لیا۔دوسرے لفظوں میں جب گھی کو آگ کے نزدیک لایا جائے گا تو وہ یقیناً پگھلے گا۔ لڑکیاں حاملہ ہونا شروع ہوگئیں تھیں۔تحریک کی خواتین کا استدلال تھا کہ جرمنی کے لیے بچے جنے جائیں۔ہٹلر کی اس پالیسی نے صدیوں سے موجود کلاس سسٹم میں دڑاڑیں ضرور ڈال دیں تھیں۔ماں باپ کی براہ راست تربیت سے محروم رہنے کے سبب وہ بھلے برے کی تمیز کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔

معاشی شعبے کی بہتری کے لیے ہٹلر کی پہلی ترجیح خزانے کو بھرنا تھا جس کے لیے اس نے یہودیوں کے سرمائے کو ضبط کر کے یہ انتظام کیا دوسری طرف اس نے روایتی کرنسی نوٹ کی جگہ سٹیٹ بینک کے جاری کردہ ''میفوبل'' کو رائج کیا۔ان مطبوعہ نوٹوں کی ضمانت حکومت نے دی تھی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ جاری کردہ میفوبل کی اصل تعداد کہیں بھی درج نہ کی جاتی تھی جس کی بدولت ہٹلر نے زیرزمین اسلحے سازی کی ایک بہت بڑی صنعت قائم کر کے اخراجات ان مطبوعہ نوٹوں کے ذریعے پورے کیے۔کہا جاتا تھا کہ گارمنٹس بنانے والی فیکٹری کے اندر یہ ضروری نہ تھا کہ کپڑے ہی بن رہے ہوتے بلکہ اندر اسلحہ تیار ہو رہا ہوتا جبکہ باہر بورڈ گارمنٹس فیکٹری کا لگا ہوتا۔اس ضمن میں ایک لطیفہ تاریخ کا حصہ ہے۔سائیکل تیار کرنے والی ایک فیکٹری کے نزدیک ایک غریب میاں بیوی رہتے تھے،وہ اپنے بچے کی نئی سائیکل کی فرمائش پوری کرنے کے قابل نہ تھے۔اتفاق سے اس شخص کا کسی شناسائی کے حوالے سے اس فیکٹری کے اندر جانا ہوتا تھا،وہ روزانہ ایک پرزہ چھپا کر گھر لے آتا،اس کو امید تھی کہ اس طرح وہ چند روز میں اپنے بیٹے کے لیے ایک عدد سائیکل ان مسروقہ پرزوں کو جوڑ کر بنا لے گا لیکن وہ کئی مرتبہ کی کوشش کے بعد بھی ایسا نہ کر سکا،جب بھی کوشش کرتا ''مشین گن'' ہی بنتی۔ہٹلر نے فوڈ انڈسٹریز کے قیام کے سوال پر کہا قوم کو مکھن کی نہیں بندوق کی ضرورت ہے تا کہ قومی حفاظت کی جا سکے۔

1934ء میں ہٹلر نے ہملر کو خفیہ پولیس کا سربراہ بنا دیا۔ اس خفیہ پولیس گسٹاپو نے اپنے مظالم کے ذریعے تاریخ میں ایک بدنام نام کمایا۔ وہ قیدیوں اور سیاسی مخالفین کو پکڑ کر کیمپوں میں رکھتے۔ ان کیمپوں کو "نگرانی یا مشقتی کیمپ" (Concentration Camps) کہا جاتا تھا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ جو اس کیمپ میں جاتا شاید ہی زندہ واپس لوٹ پاتا۔

ہٹلر ڈکٹیٹر شپ میں اس حد تک آگے چلا گیا تھا کہ سپریم کورٹ کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ پارلیمنٹ فائر کیس میں سپریم کورٹ نے چار کمیونسٹ گرفتار شدگان میں سے تین کو عدم ثبوت کی بناء پر آزاد کر دیا تو ہٹلر نے غصے میں آ کر ایک "نئی عدالت" کی تشکیل کا حکم دیا۔ یہ عدالت "عوامی عدالت" کہلائی لیکن یہ بظاہر عوامی عدالت سپریم کورٹ کی اتھارٹی کو چیلنج تھا اور من مانے فیصلوں کے عمل درآمد کا پلیٹ فارم تھا۔ اس عدالت کی کارروائی ان کیمرہ (کاروائی جس میں پریس اور میڈیا کوریج شامل ہو) ہوتی تھی، جس سے عوام پر اس کا رعب بیٹھ گیا تھا اور یہ کسی بھی آمر کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔ Concentration کیمپوں کا قیام، سپریم کورٹ کے مقابلے میں متوازی Parrallel عدالتوں کا قیام، یہودیوں پر مظالم، ہٹلر ازم کو ملک کے بنیادی قانون کا درجہ دینا، نئے سوشل آرڈر کا قیام، مزدور کی چھری آجر کے گلے پر اور آجر کی چھری مزدور کی گردن پر جیسے انتہا پسند خیالات کے حامل شخص آلڈوف ہٹلر کا مذہب ہی نرالا تھا، وہ ضمیر کی قید سے آزاد شخص تھا، وہ اپنے ہر کام اور حکم سے دوسروں کو پیغام دیتا اور اپنا الو سیدھا کر لیتا تھا۔

ان تمام منفی ہتھکنڈوں کے باوجود اس نے بیروزگاری ختم کر کے معیشت کو سنبھالا دیا تمام قوم کو فوجی نظم و ضبط کے تحت لا کر ایک نئی قومی سوچ پیدا کی، اقتدار کی مرکزیت قائم کی۔ اس کی تمام تر توجہ جرمن قوم کو ایک اعلیٰ اور برتر قوم ثابت کرنے کی تھی، اس کے لیے وہ بڑی فوج تیار کر کے اس برتر قوم کے لیے مزید علاقے اور ملک حاصل کرے۔ اس کام کے لیے اس نے پروپیگنڈا مشینری کو ملک کے اندر اور باہر فعال بنایا۔

ابھی تک ہٹلر نے ایک ہاتھ میں امن کی بیل تھام رکھی تھی اور دوسری میں گن۔ بیرونی دنیا کو وہ امن کی بیل دکھا کر رام رکھتا جبکہ اندرون ملک وہ خفیہ طور پر ممکنہ جنگ کی تیاریوں کے لیے قوم کو متحرک رکھ رہا تھا کیونکہ وہ وارسا پیکٹ کی کھلی خلاف ورزی کر رہا تھا۔ اس نے بحری فوج کے لیے جنگی جہاز تیار کروائے، فوج کی تعداد بڑھائی۔ لوہے کی صنعتوں کو فروغ دیکر بھاری اسلحے کی تیاری کی راہ ہموار کی، عام سے کارخانوں میں جہاز تیار کروائے گئے اور غیر محسوس طریقے پر ہوابازوں کی ایک بڑی تعداد کو تربیت دیکر ہوابازی کے قابل بنایا گیا۔

اب جبکہ ہٹلر کی زیر زمین جنگی تیاریاں نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھیں وہ اتحادیوں کا ردعمل جاننا چاہتا تھا۔ اس کے حکم پر ایک تجرباتی غبارہ فضا میں چھوڑا گیا، ایسا ایک مستعد اور فعال ہوائی فوج کے بغیر ممکن نہ تھا۔ یہ وارسا پیکٹ کی پہلی خلاف ورزی تھی ممکنہ ردعمل کے لیے ہٹلر پہلے ہی تیار تھا۔ اس کے بعد ہٹلر نے زمانہ امن کے لیے فوج کی تعداد بڑھانے کا اعلان کر دیا، یہ یکطرفہ طور پر کی جانے والی دوسری خلاف ورزی تھی۔ وارسا پیکٹ کے تحت جرمنی پر لازم تھا کہ وہ ایسا کرنے سے قبل معاہدے میں شریک دوسرے ممالک کو باضابطہ اطلاع دیں گے اور اجازت لیں گے لیکن ہٹلر نے ایسے کسی اقدام کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اتحادیوں نے شور تو خوب مچایا لیکن عملی طور پر کچھ نہ کیا حتیٰ کہ فرانس کی طرف سے معاشی پابندیاں لگنے کے مطالبے کو زیادہ پذیرائی نہ مل سکی۔ ہٹلر نے پے در پے دو بڑی خلاف ورزیاں کر کے وارسا پیکٹ کو پرزے پرزے کر دیا۔ جرمنوں کے لیے یہ ایک اہم

موقع تھا۔ انہیں عظمت رفتہ کی بحالی کے اسباب ظاہر ہوتے نظر آرہے تھے۔

اب ہٹلر کی نظر رائین لینڈ پر تھی۔ یاد رہے کہ رائین لینڈ جرمنی کا صنعتی علاقہ تھا جو جنگ عظیم اول میں فرانس کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ رائین لینڈ کے گرد فرانس کی فوج کی کثیر تعداد موجود تھی اور ایک مختصر نوٹس پر حملہ کر سکتی تھی۔ ہٹلر کی نظر فرانس کی اندرونی چپقلش پر تھی ہٹلر نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا تھا کہ ''خاموشی اور سرعت کے ساتھ رائین لینڈ میں گھسنا ہے۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ فرانس حملہ نہیں کرے گا لیکن اگر حملہ ہو گیا تو اتنی ہی تیزی سے واپس پلٹنا ہے۔'' چنانچہ جرمن فوجیں اشارہ پاتے ہی رائین لینڈ میں داخل ہو گئیں اور فرانس کو خبر ہی نہ ہوئی۔ دو گھنٹے بعد ہٹلر بڑے فخر سے پارلیمنٹ سے خطاب کر رہا تھا اور ممبران خوشی سے پھولے نہ سمارہے تھے۔ انہوں نے نعرے لگا لگا کر پارلیمنٹ کی چھت ہلا دی تھی۔ ہٹلر نے واضح طور پر اعلان کیا کہ وہ یورپ میں کسی علاقے پر حق نہیں جتاتے اور امن کے خواہش مند ہیں، لیکن جرمنی کے وقار کی بحالی کے لیے متحد ہیں اور کسی طاقت سے نہیں ڈرتے ہٹلر کی اس دورخی پالیسی پر اس کے جرنیل زیرلب مسکرار ہے تھے۔ اگر فرانس فوری جوابی حملہ کرتا تو جرمنی کو پیس کر رکھ سکتا تھا لیکن فرانسیسی حکومت نے کچھ نہ کیا۔ اس کا کریڈٹ ہٹلر کی لیڈرشپ اور اس کے چلائے پروپیگنڈے کو جاتا ہے کہ طاقتور ہونے کے باوجود اس کے حریف فرانس کو کوئی اقدام لینے کی جرات نہ ہو سکی۔ برطانیہ نے بھی ہٹلر کی اس چال کو یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا کہ یہ کوئی شاندار فتح نہیں ہے۔ جرمنی نے اپنے ہی ملک کا باغ واپس لیا ہے۔ رائین لینڈ کی فتح نے ہٹلر پر نصرت اور کامرانی کے دروازے کھول دیے۔ اس موقع پر جب لوہا گرم تھا اور عوام جوش میں تھے، اس نے لوہار کی چوٹ لگائی اور ملک میں ریفرنڈم کروانے کا اعلان کر دیا۔ 98.8 فیصدی لوگوں نے ہٹلر کے فیصلے کو درست قرار دیا۔ ان نتائج نے نہ صرف قوم کو ایک نقطے پر متحد کر دیا بلکہ ہٹلر کو وہ سرٹیفکیٹ دیا جس نے اس کو مستقبل کے لیے زبردست حوصلہ دیا۔ ہٹلر آسٹریا اور جرمنی کو ایک ہی زمین کے دو ٹکڑے تصور کرتا تھا۔ آسٹریا کے وزیراعظم ڈاکٹر ششنگ نے بھرپور کوشش کی کہ ہٹلر کو ہر صورت میں رام رکھے لیکن ہٹلر کے مسلسل دباؤ اور شرمناک شرائط نے اس کے ناک میں دم رکھا تھا۔

ہٹلر کے وزیر پروپیگنڈا گوئبلز کا قول تھا کہ ''ہر پروپیگنڈہ خواہ وہ کتنا ہی جھوٹا کیوں نہ ہو عام فہم ہونا چاہیے تاکہ کم سے کم سمجھ والے لوگوں کے دلوں میں بھی اتر جائے اور پھر اسے بار بار دہرایا جائے۔ حتیٰ کہ دنیا اسے حقیقت سمجھنے لگے۔''

ہٹلر آمر مطلق بن جانے کے بعد اپنی تقریروں میں یہ کہنے سے نہیں ہچکچاتا تھا:

''ہم پر الزام دھرا جاتا ہے کہ ہم غیر محتاط اور بے جھجک ہیں: جی ہاں ہم واقعی بے جھجک اور بے خوف ہیں۔ ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہم وحشی اور بربریت پسند ہیں: جی ہاں ہم وحشی اور بربریت پسند ہی رہنا چاہتے ہیں ہم اپنے لیے ان الزامات کو حقیقی اور تعریفی سمجھتے ہیں کیوں کہ ہمیں دشمنوں کا مقابلہ کرنا ہے۔''

1936ء میں ہٹلر نے آسٹریا کے نازیوں سے آسٹریا کے چانسلر ڈولفس کو قتل کرایا مگر نازی آسٹروی حکومت پر قبضہ نہ کر سکے کیوں کہ مسولینی نے آسٹروی حکومت کی مدد کے لیے اطالوی فوج سرحد پر بھیج دی تھی۔ ہٹلر نے پھر مسولینی سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کی تو مسولینی نے جواب دیا۔

''جرمنوں میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ وہ کلچر کا احترام نہیں کرتے۔''

اس کے جواب میں ہٹلر نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

''وہ کلچر کو روتے ہیں اور یہاں میرا عالم یہ ہے کہ میں کلچر کا لفظ سنتا ہوں تو ریوالور نکال لینے کو جی چاہتا ہے۔''

چند ہفتوں میں اٹلی، جرمنی اور جاپان کا فوجی معاہدہ قائم ہو گیا۔ اس معاہدے کی خفیہ شقوں میں روس کی طرف سے ممکنہ حملے کی صورت میں آپس میں صلاح مشورے کرنا شامل تھا۔ جس کے بعد ہٹلر اور مسولینی نے سپین میں جنرل فرینکو کی مدد کے لیے اپنی رضا کار فوجیں بھیجنا شروع کر دیں تاکہ جنرل فرینکو سپین پر قبضہ کر کے وہاں کا ڈکٹیٹر بن جائے۔

فروری 1938ء میں ہٹلر نے آسٹریا پر قبضہ کر لیا اور وہ ایک فاتح کی حیثیت سے اسی وی آنا میں داخل ہوا جس میں اُس نے فاقوں پر فاقے کیے تھے۔ آج ہزاروں لوگ اُس کے استقبال کے لیے موجود تھے جو جرمن کے ساتھ الحاق کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ ایک سال کے بعد باوجود اس کے کہ میونخ میں برطانوی وزیر اعظم چیمبر لین نے ہٹلر کو خوش کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن اُس نے چیکوسلوا کیہ میں فوجیں بھیج کر اسے جرمنی میں ضم کر لیا۔ اس موقع پر جرمنی کے وزیر دفاع اور جرمن فضائیہ کے سربراہ ہرمن گوئرنگ نے فقرہ کسا تھا۔

''چیکوسلوا کیہ ہماری انتڑیوں میں اپنڈکس جیسا ناسور تھا، اس کا نکالنا ہی اس کا واحد علاج تھا۔''

ہٹلر کی کامیابیاں اب اس کو دیوانہ بناتی چلی جا رہی تھیں وہ سارے یورپ کی تسخیر اور دنیا بھر پر غلبے کا خواب دیکھنے لگا چنانچہ اس کا اگلا وار یکم ستمبر 1939ء کو پولینڈ پر ہوا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے برطانیہ اور فرانس سے دوستی کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ ہٹلر کو اطمینان تھا کہ جمہوری طاقتیں اس وقت تک میدان میں نہیں کودیں گی جب تک ان پر براہ راست حملہ نہ ہو۔ لیکن جب نازی ٹینک روس کی سرحد تک پہنچ گئے تو روس کا ردعمل کیا ہو گا؟

برطانیہ اور فرانس نے پولینڈ سے دوستی کے ایک معاہدے کے تحت 3 ستمبر 1939ء کو جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ کیمونزم کے ازلی دشمن یعنی جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر نے جب سٹالن کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش کی تو اسے سٹالن نے جھٹ مان لیا اور اسی سے ہٹلر کو پولینڈ پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی۔ جب نازی جرنیلوں نے ہٹلر سے پولینڈ پر حملے کا جواز پوچھا تو جواب ملا ''جواز کی فکر مت کرو کوئی سا بہانہ اور عذر بھی ٹھیک ہو گا۔ فاتح قوم کو بعد میں کوئی یہ نہیں پوچھا کرتا کہ فلاں ملک پر آپ کے حملے کا کیا جواز تھا؟''

نازی جرمنی کا ہالینڈ پر قبضہ ہو چکا تھا۔ فرانس کی نام نہاد میجینو لائن (فرانس اور جرمنی کی سرحد پر بزعم فرانس اس کے ناقابل تسخیری (دفاعی مورچے) بھی ٹوٹ چکی تھی۔ ہٹلر نے برطانیہ پر جرمن فضائیہ کے تابڑ توڑ حملوں کا حکم دے دیا تاکہ انگلستان پر فوجیں اتارنے کے لیے زمین ہموار کر لی جائے۔ لیکن ونسٹن چرچل جیسے وزیر اعظم کی قیادت و سیادت میں انگریز قوم کے حوصلے اور ہمت ناقابل تسخیر بن گئے۔ گوئرنگ کی فضائیہ رائل ائر فورس کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ بلکہ جوں جوں جرمن فضائیہ کی بمباریاں زیادہ قہر و غضب ڈھاتی گئیں انگریز اتنا ہی زیادہ نازیوں کا تمسخر اڑانے لگے۔ اخبار میں یہ کارٹون تک شائع ہوا کہ ایک بڑھیا لندن میں اپنے مکان کے کمرے میں بیٹھی سویٹر بن رہی ہے، کانوں سے بہری ہے، صحن میں جرمن بم گڑ کر پھٹا ہے، کھڑکیاں اور دروازے دھماکے سے زور زور کے ساتھ بجتے ہیں اور وہ سر ہلائے بغیر بڑے اخلاق سے کہتی ہے

"Come in" پھر جرمن مقبوضہ ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں ایک اخبار فروش بڑھیا اس الزام میں پکڑی گئی کہ وہ یہ شہ سرخی پکار پکار کر اخبار بیچ رہی تھی:

"گزشتہ رات لندن پر پانچ سو جرمن طیاروں کا حملہ، چھ سو جرمن طیارے صحیح سلامت اپنے اڈوں پر واپس آ گئے۔"

ابھی تک نازی فوجوں نے یونان اور یوگوسلاویہ کو فتح کر لیا تھا، بلغاریہ، ہنگری اور رومانیہ کی گلیوں میں نازی فوجی پھر رہے تھے، مشرقی پولینڈ سے روسی سرحد تک جرمن فوج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ اس بات کا قومی امکان تھا کہ اب روس کی باری تھی۔ خود جرمن وزیر خارجہ نے روس کو 8 ہفتوں کی کارروائی قرار دیا تھا۔ ہٹلر نے روس کے خلاف پروپیگنڈا اور پہلے ہی شروع کر رکھی تھی، جس کے تحت روس پر جرمن روس معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام تھا۔

جنگ عظیم اول نے یورپ کے بہت سے مسائل کو حل کیے بغیر چھوڑ دیا تھا۔ جرمنی طاقت کے بل بوتے پر مسائل حل کرنے پر مُصر نظر آتا تھا جبکہ دوسرے ممالک تصادم سے گریزاں تھے۔ اسی ایک نقطے نے جنگ عظیم دوئم کو جنم دیا۔

لمحہ بہ لمحہ جنگ کی طرف

ہٹلر نے بڑی طاقتوں کو دھمکانے اور دھوکے پر مبنی منضبط منصوبے کے تحت جرمنی کی سرحدوں کی دوبارہ حد بندی کے مسائل کو چھیڑا۔ بہت سے مفکرین اور دانشور ہٹلر کے بنیادی مقاصد جرمنوں کے اتحاد اور ان کے لیے مزید سرزمین (Lebensraum) کے حصول کو غلط تصور نہیں کرتے تھے، یہ تمام اہل فکر اس بات پر متفق تھے کہ ورسیلز معاہدہ ناانصافی پر مبنی تھا۔ اس اعتبار سے ہٹلر کا کوئی ایک مطالبہ بھی اصولوں سے ہٹ کر نہ تھا۔

جرمنی نے 1933ء میں اقوام کی لیگ کو چھوڑ دیا، بین الاقوامی طور پر اس فیصلے کی کوئی خاص مخالفت نہ کی گئی جس کے نتیجے میں ہٹلر نے 1935ء میں جرمنی کو دوبارہ مسلح کرنے کی مہم کا آغاز کر دیا۔ 1936ء میں رائین لینڈ پر دوبارہ قبضہ کر لیا، کیمونسٹ مخالفت پر جاپان کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور فاشسٹ اٹلی کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ اس طرح سیاسی طور پر روم، برلن ٹوکیو پر مبنی تین رکنی اتحاد وجود میں آیا۔ 1938ء میں جرمنی نے آسٹریا کے ساتھ یونین (Anschluss) کا اعلان کر دیا۔ اسی سال میونخ میں برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے چیکوسلوواکیا کے جرمن آبادی والے علاقے سوڈنٹ لینڈ پر ہٹلر کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ جرمنی اس سیاسی کامیابی پر مطمئن تھا۔

مارچ 1937ء میں، اپنے ہی سابقہ الفاظ کی نفی کرتے ہوئے، ہٹلر نے باقیماندہ چیکوسلواکیہ پر قبضہ کر لیا۔ اگست میں اپنی سابقہ کیمونسٹ پالیسی سے ڈرامائی طور پر قلابازی کھاتے ہوئے، اس نے سوویت یونین کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ سائن کیا۔ اس معاہدے میں ایک خفیہ شق پولینڈ کی تقسیم پر مشتمل تھی۔ ہٹلر پولینڈ کی سرزمین میں ڈانگ (Danzing) کے علاقے کی حوالگی کا مطالبہ بار بار داغ رہا تھا۔ ہٹلر سے خوف کھا کر پولینڈ نے برطانیہ کے ساتھ دفاعی معاہدہ کر لیا تاکہ بوقت ضرورت اسے بھی تحفظ مل سکے۔ یکم ستمبر کو جب جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا تو برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کے خلاف فی الفور اعلان جنگ کر دیا۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔

چند ہی ہفتوں کی آگ اگلتی جنگ (blitzkrieg) میں میکانکی لحاظ سے برتر جرمن ڈویژنوں نے ناکافی ہتھیاروں پر مشتمل پولش دستوں

پر قابو پا کر مغربی پولینڈ پر قبضہ کر لیا۔ سوویت یونین نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پولینڈ کے مشرقی حصے پر قبضہ کر کے اپنی فوجیں داخل کر دیں۔ اس کامیابی نے ہٹلر کی حوصلہ افزائی کی اور 1940ء میں جرمنی نے ڈنمارک، ناروے اور ملحقہ سرزمین کو نگل لیا۔ اس کے بعد اس نے کوئی موقع دیے بغیر فرانس پر بلہ بول دیا جو غیر متوقع طور پر جلد ہی ڈھیر ہو گیا۔ اس کامیابی نے برطانیہ کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔ برطانوی اور فرانسیسی دستوں کو جلدی سے ڈنکرک سے نکال کر برطانیہ پہنچایا گیا۔ ہٹلر نے سمندری آبدوزوں کی مدد سے برطانیہ کی سمندری ناکہ بندی کر دی اور اپنی نئی ہوائی فوج کے ساتھ اس ملک پر بمباری کی۔ اس نے اٹلی اور جاپان جو اہم مغربی طاقتیں تھیں، کے ساتھ دس سالہ فوجی معاہدے کیے 1941 میں ڈگمگاتی اطالوی فوجوں کو مصیبت سے نکالنے کے لیے، اس نے یونان شمالی افریقہ اور یوگوسلاویہ میں فوجی دستے روانہ کیے۔ زرعی طور پر زرخیز مشرقی یورپ میں روسی اغراض و مقاصد کا راستہ روکنے کے لیے، اس نے اچانک روس پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ جیسے ہی روسی مشرق کی طرف پسپا ہوئے جرمن فوجوں نے معدنیات سے مالا مال یوکرائن کو گھیرے میں لے لیا۔

اس موقع پر ہٹلر براعظیم یورپ کا بلاشرکت غیرے آقا تھا۔ 1942ء میں برطانیہ مدافعت کر رہا تھا اور جاپان کی طرف سے ایک حملے کے بعد امریکہ بھی جنگ میں شریک ہو کر برطانیہ اور سوویت یونین کو پرزوں اور ضروری جنگی سامان کی سپلائی کر رہا تھا۔ ہٹلر نے ہر قسم کے دستیاب انسانی اور مشینی وسائل کو بروئے کار لانے کا حکم دے رکھا تھا۔ یورپ بھر میں، سلواک اور یہودیوں جیسے مفتوح لوگوں کو یا تو پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا یا جرمن جنگی کارخانوں میں زبردستی بیگار پر مجبور کیا جاتا تھا جبکہ دوسرے ممالک میں خوراک اور راشن کی شدید کمی واقع ہوتی جارہی تھی۔

1943ء میں تاریخ نے پھر کروٹ لی۔ سوویت یونین میں سپلائی کا نظام پھیل جانے پر جرمن مغرب کی جانب نکل گئے۔ شمالی افریقہ میں اتحادی افواج کو جنرل رومیل کے ہاتھوں شکست ہوئی اور اٹلی پر حملہ کر دیا گیا۔ 1942ء کے بعد سے جرمنی کو بھی وقفے وقفے سے لیکن منظم طریقے سے بمباری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگرچہ شکست یقینی تھی لیکن ہٹلر نے جھکنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ کبھی ہتھیار نہ ڈالے گا۔ 1944ء میں برطانوی اور امریکی مشترکہ فوج نے نارمنڈی پر بلہ بول دیا اور مشرق حصے پر قبضہ جما لیا جبکہ روسیوں نے مغرب کی طرف پیش قدمی کی۔

ہٹلر نے جس برق رفتاری سے پولینڈ، ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ اور بلجیئم کو فتح کیا اُس نے دنیا کو انگشت بدنداں کر دیا۔ فرانس اور برطانیہ کی اتحادی افواج کو شکست دے کر اس نے پیرس کے مشہور زمانہ آئیفل ٹاور پر سواستیکا لہرا دیا۔ وہ اپنی قوم کا سپرمین بن چکا تھا۔ ہٹلر نے اُس فرانسیسی یادگار کو بارود سے اُڑا دیا جس پر یہ الفاظ کندہ تھے کہ "جرمنی کا غرور آج خاک میں ملا دیا گیا" اُس دن ہٹلر نے ٹھیک اُسی مقام پر رسوا زمانہ ورسیلز کا بدلہ لے لیا تھا۔ اُس نے فرانس پر ویسی ذلت آمیز شرائط ٹھونسیں جیسی جرمنی پر تھونپی گئی تھیں۔ ان شرائط میں ہٹلر نے جو وعدے فرانس سے کیے تھے انھیں حسب عادت توڑا۔ ہٹلر نے وعدہ کیا تھا کہ ہم فرانسیسی جنگی بیڑے کو فوجی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کریں گے اور جنگ کے اختتام پر ان پر قبضہ نہیں جمائیں گے۔ ہٹلر نے ان وعدوں پر کوئی عمل نہ کیا۔

اب سمندر ہٹلر اور برطانیہ کے درمیان حائل تھا۔ جرمن مشن "شاہین" شروع ہو چکا تھا۔ جرمن فضائیہ نے برطانیہ اور گرد و نواح کی فضا جرمن طیاروں سے بھر دی تھی ایک نئی تاریخ رقم ہونے جارہی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انسانی غلطیوں، موسم کا ناموافق ہونا، چرچل کی غیر

معمولی قیادت، دونوں اطراف کا زبردست پروپیگنڈا جیسے عوامل تھے جنھوں نے برطانیہ کو ہٹلر کے قہر سے محفوظ رکھا۔

اسی اثنا میں جب ہٹلر مغرب کی فتح میں مصروف تھا، روس جس کے تعلقات جرمنی کے ساتھ دوستانہ تھے، بالٹک ریاستوں کو فتح کرتا جارہا تھا۔ ابھی تک ہٹلر کی توجہ ایک محاذ پر تھی لیکن جب روس نے رومانیہ کو الٹی میٹم دیا تو ہٹلر کے کان کھڑے ہوئے کہ اگر رومانیہ پر روسی قبضہ ہو جائے تو روس جرمنی سے زیادہ نمبرز سکور کر کے جرمنی کو بلیک میل کرسکتا تھا۔ ان حالات میں ہٹلر نے روس پر چڑھائی کا فیصلہ کرلیا۔ اگر ہٹلر کی ہٹ دھرمی، قدرتی آفات اور اتحادیوں میں امریکہ کا شامل ہونا جیسے عوامل آڑے نہ آتے تو ہٹلر کی سرحدیں ہندوستان سے لگ گئی ہوتیں۔

آپریشن سزا

اس آپریشن میں 6 اپریل 1941ء کو جرمن فوج نے ہٹلر کے حکم پر یوگوسلاویہ پر حملہ کردیا اور بلغراد کو ملبے کا ڈھیر بنادیا۔

ایکروپولس

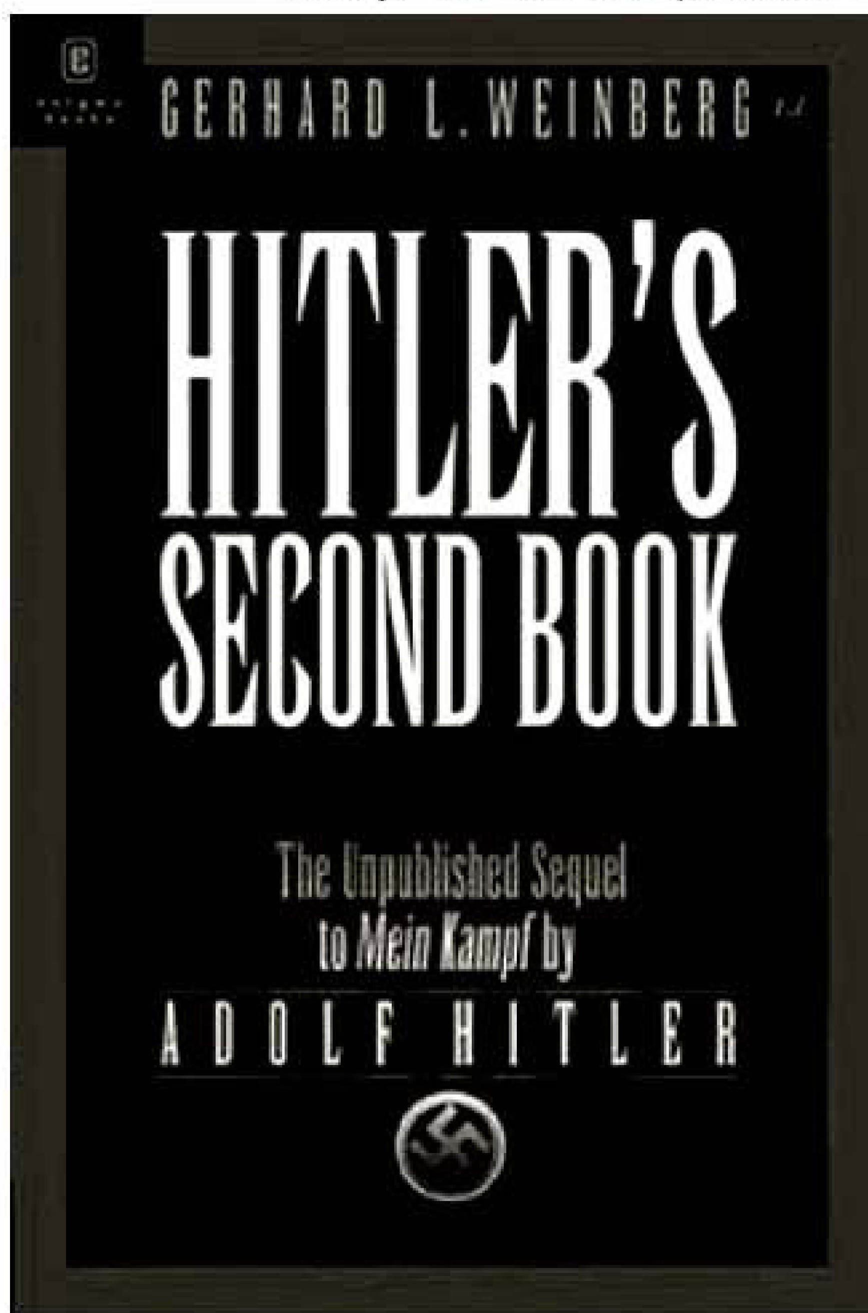
یونان کے خاص شہر، دنیا کی قدیم تہذیب اور جمہوریت کے اولین گہوارے پر جرمن سواستیکا کا جھنڈا لہرادیا گیا۔

آپریشن ڈیزرٹ فاکس

مردانہ وجاہت سے بھرپور جرمن جنرل رومیل کے ہاتھوں برطانوی افواج کو پہنچنے والی شکست برطانویوں نے اسے ڈیزرٹ فاکس کہا۔



ہٹلر کی دوسری کتاب اس کی زندگی میں نہ چھپ سکی۔ جولائی 1928ء میں گرہارڈ وائین برگ نے دعویٰ کیا کہ مذکورہ کتاب اُس نے تحریر کی چونکہ ہٹلر کی پہلی کتاب ''میری جدوجہد'' فروخت کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ رہی تھی۔ اس لیے دوسری کتاب کی اشاعت ملتوی کر دی گئی تھی۔ جب ہٹلر چانسلر منتخب ہوا تو ''میری جدوجہد'' تمام زمانوں میں فروخت کے اعتبار سے زبردست تھی۔ دوسری کتاب کو اس وجہ سے بھی روک دیا گیا کہ یہ کتاب ہٹلر کی خارجہ پالیسی کے بارے میں کچھ ''غیر ضروری'' انکشاف کرتی نظر آ رہی تھی۔



ہٹلر کی دوسری کتاب کا عکس

اس کے بعد سے اس کتاب کو تالے میں بند کر دیا گیا جس کی چابی 1958ء میں وائین برگ کے ہاتھ لگی۔ تین سال بعد یہ کتاب جرمن زبان میں شائع کی گئی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ 1962ء میں منظر عام پر آیا لیکن یہ ایڈیشن ناقابل اعتماد اور چوری شدہ تھا۔ دنیا کے لیے اس

کتاب کا مطالعہ یوں بھی اہم تھا کہ تیسرے رایخ کے بارہ اہم ترین سالوں میں فیوہرر دنیا کو کیا باور کروانا چاہتا تھا۔ جب ہٹلر نے اسے تحریر کیا یا کروایا تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ اپنے منصوبوں اور عزائم کو حقیقت میں تبدیل کر بھی سکے گا یا نہیں۔ زیادہ تر کا خیال تھا کہ ہٹلر نے اس کتاب میں وہی کچھ لکھا ہوگا جو وہ میری جدوجہد میں لکھ چکا ہے، کسی نے یہ زحمت گوارا نہ کی کہ اس کتاب پر نظر دوڑاتا یا اُس کی دھواں دھار تقریروں کے الفاظ پر غور کرتا کہ کہیں یہ بیان بازی پالیسی میں تو تبدیل نہیں ہونے جارہی۔ عام خیال تھا کہ طاقت میں آنے کے بعد ہٹلر سفارت کاری کی حقیقتوں، رایخ کے قومی مفادات اور جرمن طاقت کی حدود کو نظرانداز نہیں کر سکے گا۔

لیکن یہ ایک سنگین غلط فہمی ثابت ہوئی۔ آج دنیا جانتی ہے کہ جو ہٹلر نے کہا وہ کیا۔ ہٹلر نہ پاگل تھا نہ کم عقل اور نہ بیوقوف۔ چند دہائیاں قبل A.G.P.Taylor نے لکھا تھا کہ دنیا کو فتح کرنا اور انسانوں کی نسل کشی جیسے منصوبوں اور پالیسیوں کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا تھا کہ ہٹلر پاگل یا مجرمانہ ذہنیت رکھنے والا انسان تھا لیکن 1930ء میں جس طرح اُس نے اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے ڈپلومیسی کا استعمال کیا وہ بلاشبہ ایک نارمل انسان کی طرح تھا۔

اپنے دوسرے ہم عصرین کی طرح ہٹلر خالی اور کھوکھلے نعروں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔

میری جدوجہد سے اقتباس

☆ تاریخ کے بارے میں اس کا علم، اس کے نفسیاتی مشاہدات اور سیاسی حریفوں پر اُس کی تنقید اپنے وقت اور دور کے اعتبار سے یکتا تھے۔

☆ ہٹلر بین الاقوامیت کا سختی سے مخالف تھا وہ اسے دنیا پر قبضہ کرنے اور اعلیٰ نسلوں کو پراگندہ کرنے کی یہودی سازش قرار دیتا تھا۔

☆ ہٹلر کا کہنا تھا کہ امن، انسانی دوستی اور ہمدردی تب ہی ممکن ہے جب زمین پر انہی نظریات کی حکومت ہو اور کوئی اور نظریہ ان کا حریف نہ ہو۔ ایسا ممکن نہیں چنانچہ امن اور بھائی چارے کے حصول کے لیے طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔

☆ کسی ملک کے ماحول کا اس کے باسیوں پر گہرا اثر پڑتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ اثر مختلف نسلوں پر ایک ہی ہو۔ اگر ایک نسل کے لیے کوئی بنجر خطہ جفاکشی اور مشقت کا تقاضہ کرتا ہے تو دوسری نسل کے لیے فاقہ کشی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

☆ زندہ رہنے اور اپنا وجود منوانے کے لیے لڑنا پڑتا ہے جو لڑ نہیں سکتا وہ عزت سے جی نہیں سکتا۔ یہ فطرت کے قانون کے خلاف ہے۔ سستی کاہلی ترقی کا اُلٹ ہے جو قومیں ترقی نہیں کرتیں وہ ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتی ہیں جہاں سے نکلنے کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔

☆ تہذیب کا دارومدار انسان ہے اور انسان کی ترقی تہذیب کو پروان چڑھاتی ہے۔ یہ کام اعلیٰ نسل لوگ ہی کر سکتے ہیں اور وہ آرین ہیں مغرب کی تکنیکی ترقی آرین کے علوم، فنون کی سرپرستی کی بدولت ہوئی جس سے فائدہ مشرق والوں نے اُٹھایا۔ وہ اس سلسلے میں جاپان کی ترقی کی مثال دیتا ہے جس کے سرچشمے مغرب سے پھوٹتے ہیں۔ اگر مغرب کے چشمے خشک ہو جائیں تو جاپانی ترقی کچھ ہی سالوں میں قصہ پارینہ بن جائے گی۔

☆ انسان کی ترقی اس کی ذات میں نہیں بلکہ ماحول میں پوشیدہ ہے۔ تکلیف کی گھڑیوں میں جب انسانوں کی اکثریت مایوس ہو کر بیٹھ جاتی ہے۔ وہیں چند ایسے بھی ہوتے ہیں جو غیر معمولی قابلیت، عزم اور ہمت کے سہارے کارہائے نمایاں کر ڈالتے ہیں۔

☆ فلسطین کی یہودی ریاست دھوکہ بازی اور دھوکے کا عالمی شاہکار ہے جہاں پر ساری دنیا کے یہودی ٹھگ پناہ لے کر پوری دنیا میں تخریب کاری کا سامان تیار کریں گے۔ یہ برائی کا بین الاقوامی اڈہ ہوگا۔ یہودیوں نے (عیاری اور مکاری کے) اپنے تاریخی کردار سے سادہ لوح فلسطینیوں اور غیر یہودیوں کو ایسے ٹریپ میں الجھایا ہے جس سے وہ صدیوں باہر نہ نکل سکیں گے۔

☆ شکست جنگ میں نہیں لڑنے والے انسان کی ذہنیت میں ہے۔ ہر شکست میں کسی فتح اور نئے عروج کی جھلک ہوتی ہے۔

☆ کسی ملک کا سرکاری نظام اس کے رہنے والوں کے طرزِ زندگی، دماغی سوچ اور روحانی کیفیت کا ترجمان ہوتا ہے۔ شوقِ جہاد قوم کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے۔ اگر جذبۂ جہاد ماند پڑ گیا تو قوم کی کشتی ڈانواں ڈول ہو جائے گی۔ نظام کی تبدیلی نیک نیتی میں پنہاں ہے۔ بدفطرت قوم کا علاج معالجہ کیا کریں گے۔

☆ دنیا کمزور کا قبرستان ہے۔ کمزور کا اسلحہ بیکار ہے کیونکہ اس کے پاس چلانے والا حوصلہ نہیں جبکہ بہادر کے ہاتھ میں ایک معمولی غلیل بھی کام کر جاتی ہے۔ قوم کی کھوئی طاقت کی بحالی کے لیے جذبہ چاہیے اور جذبے کی بیداری کے لیے محرکات کا ہونا ضروری ہے۔ ہٹلر برطانیہ اور برطانوی عوام کے جذبۂ حمیت کا ذکر کرتا ہے۔

☆ بیرونی فتوحات سے قبل اندرونی فتوحات ضروری ہیں۔ اندرونی اتحاد کے بغیر بیرونی اقتدار ناممکن ہے۔ اندرونی شیرازہ بکھرا ہو تو بیرونی وقار حاصل کرنا ممکن نہیں ہوسکتا۔ داخلی خودمختاری اور قومی اتحاد ہی ترقی کا زینہ ہوسکتا ہے۔ غلامی میں ترقی کسی اور کی ترقی کہلائے گی۔

☆ قومی ترقی کے لیے اقتصادی ترقی ضروری ہے۔ اقتصادی ترقی کے لیے انسان کی قدر و قیمت ضروری ہے۔ محنت کش کو بھی وہی فوائد ملنے چاہیے جو باقی قوم کو حاصل ہوں۔

☆ عوامی سوچ انتہا پسند ہوتی ہے۔ انتہا پسندی کو اعتدال پسندی میں بدلنے کے لیے عوام کا دل جیتنا ضروری ہے۔

☆ حکومت کیا ہے؟ حکومت قوم کی تنظیم کا انڈیکس ہے۔ قوم ادنیٰ اور اعلیٰ سب پر مشتمل ہے اسی طرح حکومت میں بھی قوم کے ہر طبقے کی نمائندگی ہونی چاہیے۔

☆ کوئی قوم اصول پرستی کے بغیر طاقت حاصل نہیں کر سکتی۔ اصول پرستی ایک ایسا معیار ہے جس کے حاصل ہوتے ہی ذہانت اور تخلیقی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں جو انسانی تہذیب کو جلا بخشتی ہیں۔ اگر اصول پرستی کمزور ہو جائے تو طاقت کی جگہ خودغرضی اور بیوقوفی لے لیتی ہے۔ جس سے معاشرے کے تار پود بکھرنے لگتے ہیں۔ اصول پرستی سے انحراف انسان کو جنت سے دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔

☆ آریائی اگر برتر نسل ہیں تو یہودی فطرتاً خودغرض، سازشی اور مکار ہیں دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی قوم ہو جو برگزیدگی کے مرتبے سے گر کر عیاری کے اس مقام پر فائز ہوگئی ہو۔ یہودیوں نے زمانے کے بڑے بڑے انقلاب دیکھے ہیں اور اپنی نسل بھی برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ ہزار ہا سال کی گردشِ زمانہ نے ان کی تربیت اس طرح کی ہے کہ وہ دوسروں کے کیڑے نکالنے کے ماہر ہیں۔ انھوں نے خود کوئی

تہذیب اور تمدن قائم نہیں کیا۔

☆ یہودی صرف دولت کی زبان جانتا اور سمجھتا ہے۔ایک مرتبہ دنیا یہودیوں کی عالمگیریت کا شکار ہوگئی تو تمام دنیا کو یہی زبان بولنا پڑے گی۔

☆ کوئی قوم کسی اور کی زبان بول کر نیا ذہن حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ہی نیا جنم ممکن ہے۔

☆ یہودی بظاہر نفیس ہے لیکن اندر سے نقیب ہے۔کبھی وہ فری میسن تنظیم کا لبادہ اوڑھ کر آیا لیکن اس ہتھیار کو کم مفید پا کر اخبارات کا سہارا لیا۔اب وہ صحافت کے ذریعے رائے عامہ کو ہموار کرتا ہے اور اپنے مخصوص نظریات کی آبیاری کرتا ہے۔

☆ مزدور جو ہاتھ کی کمائی پر یقین رکھتا ہے، زمانے کی بے یقینیت سے بے نیاز معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتا ہے، وہ نہ اَمن پرست ہے اور نہ شورش پسند۔نہ اُس نے کبھی سرمایہ داری کے خلاف آواز اُٹھائی ہے۔آج تک سرمایہ داری کے خلاف آواز اُٹھانے والے بھی سرمایہ دار ہی رہے ہیں۔یہودی نے مزدور کے دماغ میں خلل پیدا کرنے کے لیے معاشرتی انصاف کا شوشہ چھوڑا یہیں سے ''مارکس اِزم'' کے فلسفے کی اختراع کی گئی۔



جن اتحادی افواج کے 617 نمبر کے اسکوارڈن نے جرمن ڈیموں کو اپنا نشانہ بنایا

اس سبق کو اس کتاب میں شامل کرنے کا مقصد اتحادی افواج کی بہتر حکمت عملی، بہادری اور قومی جذبے کی نشاندہی کرنا ہے جس کی بدولت انھوں نے ہٹلر جیسے دشمن کو شکست دی۔

یہ ایک نیا اسکوارڈن تھا۔ اس اسکوارڈن کو ایک مخصوص آپریشن کی سرانجام دہی کے لیے قائم کیا گیا تھا جب تک اس اسکوارڈن کو نمبر 617 کے نام سے نوازا گیا تھا اس وقت تک اس اسکوارڈن کو "X" Squadron Raf کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

مختلف اسکوارڈن کے لیے مختلف اہداف مقرر تھے۔ لیکن 617 اسکوارڈن کا کام ڈیموں پر بمباری کر کے انہیں تباہ کرنا تھا۔ بمبار طیارے پرواز کیلئے تیار کھڑے تھے۔ یہ 16 مئی 1943ء کا دن تھا۔ جہازوں کے عملے کو اسی دوپہر چار بجے بریفنگ دی گئی تھی۔ ہر جہاز کا عملہ سات افراد پر مشتمل تھا۔ اس آپریشن کی تیاری کیلئے کئی ماہ سے تیاریاں جاری تھیں۔ محض ایک شام پیشتر ہی ہوائی عملے کو منصوبے سے آگاہ کیا گیا تھا۔

بریفنگ مکمل ہو چکی تھی۔ نو طیاروں نے اپنے مشن پر روانہ ہونا تھا۔ ان طیاروں نے تین ٹکڑیوں میں پرواز سرانجام دینی تھی۔ ہر ٹکڑی میں تین تین طیارے تھے۔ پہلی ٹکڑی کی کمان اسکوارڈن کمانڈر گبسن کے ہاتھ میں تھی۔ دیگر ٹکڑیوں کی کمان ہوپ گڈ اور مارٹن نے سرانجام دینی تھی۔

ان نو طیاروں نے جرمنی کے عظیم موہان ڈیم پر حملہ آور ہونا تھا جو روہر کے مقام پر واقع تھا اور اگر یہ ڈیم تباہ کر دیا جاتا تو جرمنی کا ایک بڑا علاقہ زیرِ آب آ جانے کی توقع تھی اور یہ تمام تر علاقہ صنعتی تھا۔ اس طرح نہ صرف اس کی صنعتیں تباہی و بربادی کا شکار ہو کر رہ جاتیں بلکہ بچ جانے والی صنعتوں کو پانی کی قلت کا بھی سامنا کرنا پڑتا۔

پہلے نو طیاروں نے اس ڈیم پر بمباری کرنے کے بعد واپس پلٹ آنا تھا اور طیاروں کی ایک اور فارمیشن نے ایڈورڈ ڈیم کو اپنا نشانہ بنانا تھا۔ اگر یہ دونوں فضائی حملے کامیاب ہو جاتے اور دونوں ڈیم تباہی و بربادی سے ہمکنار ہو جاتے تب جرمنی کا جنگی نقصان اس قدر زیادہ ہونا تھا کہ اس کا تخمینہ لگانا مشکل ہوتا۔

لیکن یہ کام اس قدر آسان نہ تھا...... اپنے ہدف تک پہنچنا...... بموں سے لوڈ طیاروں میں جرمنی کی فضائی حدود سے گزرنا...... ہدف کو نشانہ بنانے کیلئے 60 فٹ کی بلندی تک آنا اور بم برسانا...... یہ سب کچھ اس قدر آسان امر نہ تھا۔ اس کے بعد واپس گھر لوٹنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ مشن ناکام ہونے پر ''ڈیم فول مشن'' کہلانا تھا۔

طیاروں کی ایک دوسری فارمیشن جو پانچ طیاروں پر مشتمل تھی اس نے ایک تیسرے ڈیم کو نشانہ بنانا تھا...... اس ڈیم کا نام سورپ ڈیم تھا۔

طیاروں کی ایک تیسری فارمیشن جو دوسرے پانچ طیاروں پر مشتمل تھی۔ اس نے دو گھنٹوں بعد پرواز کرنی تھی...... یہ ''موبائل ریزرو'' فارمیشن تھی۔ اس نے شمالی سمندر کے اوپر ریڈیو کی وساطت سے مزید احکامات کا انتظار کرنا تھا۔

نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ گبسن نے اپنی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھولا۔ پائلٹ جو گھاس پر دراز موسم بہار کی گرمائش سے لطف اندوز ہو رہے تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے جہازوں میں سوار ہو گئے۔ انہوں نے پیراشوٹ اپنے سامنے پھینک لیے۔

20 منٹ بعد گبسن نے اپنے طیارے کے پاس کھڑے ہو کر اپنی پستول سے ہوائی فائر کیا۔ یہ فارمیشن نمبر 2 کیلئے سگنل تھا کہ وہ اپنی پرواز کا آغاز کر دے۔ وہ شمالی روٹ کی جانب پرواز کر رہے تھے۔ یہ ایک طویل روٹ تھا۔ انہیں اسٹارٹ ہونے کیلئے دس منٹ کا دورانیہ درکار تھا۔

طیارے ایک ایک کر کے رن وے پر دوڑنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے محو پرواز ہو گئے۔ 9 بجکر 25 منٹ پر گبسن کا طیارہ بھی حرکت میں آ گیا۔ اس کے پیچھے مارٹن اور ھوپ گڈ کے طیارے تھے۔ وہ بھی محو پرواز ہو گئے۔

اس دوران پانچ طیارے جرمنی پہنچ چکے تھے۔ ایک طیارہ واپس پلٹ چکا تھا۔ ایک اور طیارہ نقصان زدہ ہو کر واپس پلٹ چکا تھا اور تین طیاروں کو مار گرایا گیا تھا۔

ہوائی پرواز ایک مشکل امر تھا۔ دشمن کو دھوکا دینے کیلئے ایک پیچیدہ روٹ اختیار کیا گیا تھا۔

جلد ہی انہیں چاند کی روشنی میں ڈیم کی سفید کنکریٹ چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ دفاع سرانجام دینے والے بھی چوکنے ہو چکے تھے اور انہوں نے فائر کھول دیا تھا۔

گبسن نے اپنی فارمیشن کو پکارا کہ:۔

''حملے کے لیے تیار ہو جاؤ...... جب تمہیں حملے کے لیے کہا جائے تو اپنی درست ترتیب کے ساتھ حملہ آور ہو جاؤ''

وہ 60 فٹ کی بلندی تک آن پہنچے تھے۔ ڈیم انہیں اب بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ بم گرانے کے احکامات صادر کر دیے گئے تھے بم گرا کر وہ جھیل پر واپس پہنچ چکے تھے۔

بم پھٹ چکے تھے۔ بموں کے دھماکے سنائی دے رہے تھے۔ پانی ڈیم کی چوٹی سے بہہ نکلا تھا۔ لیکن ڈیم مکمل طور پر تباہ نہیں ہوا تھا۔ گبسن نے ھوپ گڈ کو مزید بم برسانے کیلئے کہا۔ ھوپ گڈ کے طیارے کو انٹی ائر کرافٹ کا نشانہ بنایا گیا لیکن اس نے اپنی کارروائی جاری رکھی اور ڈیم کو اس بمباری کا نشانہ بنایا۔ اس کی بمباری سے بجلی گھر بھی تباہ ہو چکا تھا اور کچھ ہی دیر بعد اس کا اپنا طیارہ بھی دھماکے سے پھٹ چکا تھا۔

مارٹن بھی اپنی کارروائی سرانجام دے رہا تھا۔ گبسن کا عملہ یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے طیارے کو بھی بری طرح نقصان پہنچا تھا۔ لیکن اس نے ٹھیک نشانے پر بم گرائے تھے۔ جھیل کی سطح پر پانی ابل رہا تھا۔

لیکن ڈیم ہنوز اپنی جگہ پر موجود تھا۔

بمباری کے نتیجے میں اس وقت تک فضا اس قدر گرد آلود ہو چکی تھی کہ اپنے ہدف کو دیکھنا ناممکن تھا۔ اب گبسن اور مالٹ بائے کی باری تھی۔

مالٹ بائے مطلوبہ بلندی تک پہنچا اور بم گرانے شروع کیے۔

گبسن ایک دوسرے پائلٹ کو احکامات صادر کرنے ہی والا تھا کہ اس کے ائرفون پر مسرت بھری آواز گونجی کہ:۔

''یہ تباہ ہو چکا ہے...... میرے خدا...... ڈیم تباہ ہو چکا ہے...... اس کی جانب دیکھیں...... یہ تباہ ہو چکا ہے۔''

لاکھوں ٹن پانی ڈیم سے بہہ رہا تھا...... اس کا تخمینہ 134 ملین کیوسک لگایا گیا تھا۔ پانی اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جا رہا تھا۔ گاڑیاں...... مویشی...... مکانات...... ریل گاڑیاں...... غرضیکہ وہ سب کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہا تھا۔

اب وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جو طیارے بم گرا چکے تھے گبسن نے انہیں واپسی کی راہ اختیار کرنے کے احکامات صادر کر دیے تھے...... وہ بذات خود بھی بم گرا چکا تھا لیکن اسے باقی ماندہ طیاروں کی قیادت سرانجام دینی تھی جنہوں نے ایڈورڈ ڈیم کا رخ کرنا تھا۔

انہیں اس ڈیم کو ڈھونڈنے میں مشکل پیش آ رہی تھی کیونکہ آسمان پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر اس ڈیم کو بھی ڈھونڈ نکالا۔ اس ڈیم کو ڈھونڈ کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مزید خوشی کا مقام یہ تھا کہ اس ڈیم کے دفاع کے لیے کوئی قابل ذکر تدبیر سرانجام نہ دی گئی تھی۔ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یہ ڈیم ایک مشکل ہدف ثابت ہو سکتا تھا۔

شانون نے ڈیم پر حملہ کیا لیکن حملہ موثر نہ رہا۔ گبسن نے موڈ سلے کو حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ موڈ سلے نے بم برسائے۔ شانون دوبارہ حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ اس کے بم نشانے پر گرے لیکن ڈیم کو کوئی خاص نقصان نہ پہنچا۔

اب نائٹ کی باری تھی۔ وہ دو مرتبہ ناکامی کا شکار ہوا۔ بالآخر اس نے نشانے پر بم گرا دیے۔ ایک دھماکے کے ساتھ ڈیم تباہی سے ہمکنار ہو چکا تھا۔ اس ڈیم سے 200 ملین ٹن پانی بہہ رہا تھا۔ پانی کی دیوار کی اونچائی 50 فٹ تھی۔ پائلٹ اپنے طیاروں سے پانی بہنے کا نظارہ کر رہے تھے اور ڈیم کے اردگرد چکر کاٹ رہے تھے۔

دو ڈیم تباہی و بربادی سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ گبسن نے اس معرکے میں بچ نکلنے والے طیاروں کو واپسی کا سگنل دیدیا تھا۔

فارمیشن نمبر 2 میں محض ایک ہی طیارہ بچا تھا۔

اب فارمیشن نمبر 3 ...... موبائل ریزرو...... جرمن سرزمین کی جانب بڑھ رہی تھی۔ انہیں سورپ ڈیم پر بمباری کرنے کے احکامات صادر کیے گئے تھے۔

19 طیاروں میں سے 10 طیارے باقی بچے تھے...... چھ طیارے گبسن کے 9 طیاروں میں سے باقی بچے تھے۔ فارمیشن نمبر 2 کے پانچ طیاروں میں سے محض ایک طیارہ باقی بچا تھا اور فارمیشن نمبر 3 میں سے تین طیارے باقی بچے تھے۔

جب یہ طیارے کامیابی کی خبر کے ہمراہ واپس پلٹے تو اس کامیاب آپریشن کے لیے جشن کا سماں دیکھنے میں آیا۔ جرمنی کی جنگ کی جدوجہد کو عظیم نقصان سے دوچار کر دیا گیا تھا...... اور یہ نقصان ایک انتہائی مختصر قوت کے ساتھ پہنچایا گیا تھا...... اس مختصر قوت کے ساتھ اس قدر عظیم کامیابی کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ بم ڈیزائنر بارنس والس فضائی عملے کے جانی نقصان پر ملول تھا...... عملے کے 56 افراد لاپتہ تھے۔ موہن اور ایڈورڈ

ڈیم مکمل طور پر تباہ ہو چکے تھے۔ فضا سے لی گئی تصاویر کی اگلے روز نمائش کی گئی تھی۔ یہ ڈیم مکمل طور پر تباہ ہو چکے تھے اور ان کی تعمیر نو پر کئی ماہ صرف ہو سکتے تھے۔ تصاویر قصبوں اور دیہاتوں کی بربادی اور ویرانی کی عکاسی کر رہی تھیں۔ کوئلے کی کانیں پانی سے بھری ہوئی تھیں اور موہن اور ایڈورڈ ڈیم کی جھلیں بے آب ہو چکی تھیں اور خشک پڑی تھیں۔

617 اسکوارڈن زیادہ عرصے تک ایک ایسے واحد اسکوارڈن کی اہمیت کا حامل نہ رہا جو ناممکن اہداف کو نشانہ بنانے کیلئے مشہور تھا۔ جلد ہی دیگر اسکوارڈن بھی ایسے ناممکن اہداف کو اپنا نشانہ بنانے لگے تھے۔

لیکن تاریخ میں 617 اسکوارڈن ''ڈیموں کو نشانہ بنانے والے اسکوارڈن'' کے نام سے ہی مشہور رہا۔

کہا جاتا ہے کہ برطانیہ پر حملہ کرنے اور شاید اسے صفحہ ہستی...... سے مٹانے کا خواب ہٹلر نے ضرور دیکھا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اور ملکہ برطانیہ کے غرور کو خاک میں ملانے کے لیے جرمنوں نے V-II راکٹ کی تیاری کا حکم دے رکھا تھا۔ اس ایجاد کا سہرا عظیم جرمن سائنس دان ویرن وون براؤن کے سر تھا۔ یہ راکٹ کسی بھی سابقہ ایجاد سے بڑا اور قوی تر ہتھیار قرار دیا جاتا تھا۔ اس کی لمبائی 46 فٹ اور وزن 12 ٹن تھا۔

یہ برطانیہ کی خوش قسمتی تھی کہ اس راکٹ کی تیاری سے پیشتر ہی جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وون براؤن اپنی ٹیم کے ہمراہ روسیوں کے چنگل سے جان بچا کر امریکہ آن پہنچا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ روسی اس سائنس دان کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ دونوں ممالک سائنسی ترقی کی دوڑ میں مصروف تھے امریکہ کے ہاتھ ایک بہت بڑا انعام لگ چکا تھا اور روس بھی یہ جانتا تھا کہ اس کے ہاتھ سے کیا کچھ نکل چکا تھا۔

لیکن روس کی فنی اور سائنسی مہارت کی داد دی جانی چاہیے کہ پہلا خلائی جہاز اس نے چاند کی جانب روانہ کیا تھا...... سپٹنک I ...... اور یہ خلائی جہاز 4 اکتوبر 1957ء کو چاند پر بھیجا گیا تھا۔ ایک ماہ بعد سپٹنک II بھی روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس خلائی جہاز میں ایک کتا محو سفر تھا۔ یہ کتا آکسیجن کی کمی کے باعث ہلاک ہو گیا تھا۔ جانوروں سے پیار کرنے والے افراد اس سانحہ پر افسوس کیے بنا نہ رہ سکے تھے لیکن کچھ اہم ترین چیز وقوع پذیر ہو چکی تھی۔ کتے نے جان دے کر بنی نوع انسان کو کئی سوالوں کے جواب دے دیے تھے۔

جرنل براؤکٹس، جنرل ہالڈر اور جنرل مین سکین نے ہٹلر پر زور دیا کہ روس کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے بہتر ہے پہلے حملہ کر دیں۔ فیوہرر نے اس خطرے کا بھرپور جواب دینے کا اعلان کر دیا۔ اس دوران نازی جنگی جہاز کئی مرتبہ روسی فضائی حدود کی خلاف ورزی کر چکے تھے۔ فضائی حدود کی خلاف ورزی پر روسی سفیر ڈیکانوزوف جرمن وزیر خارجہ سے ملاقات کر کے اپنی حکومت کی طرف سے احتجاج ریکارڈ پر لانا چاہتا تھا۔ کیونکہ روس پر حملے کا اصولی فیصلہ ہو چکا تھا صرف مقررہ وقت پر باقاعدہ اعلان ہونا باقی تھا۔ اس لیے جرمن وزیر خارجہ روسی سفیر سے ملنے سے کتراتا رہا۔ بالآخر ملاقات ہونے پر روسی سفیر نے ابھی احتجاج کے لیے لب ہلائے ہی تھے کہ جرمن وزیر خارجہ نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا فیوہرر کی فوجیں اس وقت روسی فوج کی زیادتی کا جواب دے رہی ہیں۔ اب ان باتوں کا کوئی فائدہ یا جواز نہیں۔ روسی سفیر انتہائی مایوسی کے عالم میں کمرے سے نکل گیا۔

جرمن فوجیں تاریخی دریائے نیمن کو پار کر کے روسی علاقے میں داخل ہو چکی تھیں۔ یہ وہی دن تھا جب نپولین کی فوجوں نے اسی دریا کو

عبور کر کے روس پر یلغار کی تھی اور برف میں جھنس کر لقمہ اجل بن گئی تھی۔ ہٹلر نے فتح کی دھن میں اور نا کامی کو برداشت نہ کرتے ہوئے تاریخ کے اس سبق سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ کیونکہ ہٹلر نے اچانک حملہ کیا تھا اور حملہ زوردار تھا اس لیے روسی دباؤ میں پیچھے ہٹتے چلے گئے، جرمنوں نے کئی پل روند ڈالے تھے۔ روسیوں کا بہت نقصان ہوا۔ سینکڑوں قیدی بنا لیے گئے۔ اس ابتدائی کامیابی کے نشے میں ہٹلر نے اپنے جرنیلوں کی رائے پر کان نہ دھرا۔ روس میں جرمن فوجیں تین اطراف سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ فیلڈ مارشل باک کی تیس پیادہ ڈویژن اور پندرہ مشینی بکتر بند ڈویژن ماسکو سے صرف 200 میل دور تھی۔ ابھی تک اس کی فوجوں نے سمولنسک تک 400 میل کا علاقہ زیرنگین کر لیا تھا۔ فیلڈ مارشل لیب اپنی 21 پیادہ اور 6 مسلح ڈویژن کے ساتھ بالٹک ریاستوں کو فتح کرتا لینن گراڈ پر نظر جمائے تھا، جنوب کی سمت میں فیلڈ مارشل رنڈسٹڈٹ کیو کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا، اس کی کمان میں پیادہ اور بکتر بند ڈویژن کے علاوہ چار کوہستانی ڈویژن بھی شامل تھے۔ قدم قدم پر روسی مزاحمت کر رہے تھے، جرمنی فوج بھی بہادری اور اعلیٰ مورال کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ جرمنوں کو اس درجے کی مزاحمت کی توقع نہ تھی پھر روس کی فوجی طاقت کے بارے میں جرمنوں کے پاس صحیح اعداد و شمار نہ تھے۔ ان کے پاس رپورٹیں تھیں کہ روس کے پاس 200 ڈویژن تھے۔ جب لڑائی میں بات آگے بڑھی تو جرمن اس نتیجے پر پہنچے کہ روس کے پاس کم از کم 350 سے زیادہ ڈویژن تھے۔ جیسے ہی وہ چند ڈویژن تباہ کرتے، اتنے ہی اور آ جاتے۔ روسیوں نے ہرگز ہمت نہ ہاری جس طرح پولینڈ اور فرانس کی فوجوں نے دل ہار دیا تھا۔ مزید یہ کہ جرمنوں کو میدانی جنگ میں فضائیہ کی واضح برتری حاصل تھی۔ روس نے جرمن فضائیہ کو مسلسل الجھائے رکھا جس سے وہ اپنی بری فوج کی ممکنہ سپورٹ نہ کر سکے اور اپنے ہوائی اڈوں سے بھی خاصے دور نکل جاتے تھے۔

سیاسی طور پر روس پر حملہ کرتے وقت ہٹلر کی سوچ یہ تھی کہ روس کی داخلی صورت حال بھی جرمنوں کو مدد دے گی۔ ہٹلر کی دہشت سے سٹالن کمزور پڑ جائے گا باقی کام اس کے عوام کر دیں گے۔ بقول ہٹلر ”ہمیں صرف دروازے کو ٹھوکر مارنی ہے اور لرزتی عمارت کا ڈھانچہ گر جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا“ روسی فوجیں ہر طرف سے بھاگ کر ماسکو کے گرد جمع ہو رہی تھیں۔ ماسکو روس کا دماغ تھا، اگر ہٹلر دماغ کنٹرول میں کر لیتا تو روس کا سارا جسم اس کی تعمیل کرتا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ دفاعی ماہرین کا خیال تھا باک کی فوجوں کو جو ماسکو سے صرف 200 میل دور تھیں، ماسکو پر حملہ کر دینا چاہیے تھا لیکن فیلڈ مارشل باک دوسرے اطراف سے جرمن فوجوں کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف ہٹلر نے ماسکو پر کریمیا کو ترجیح دی، اس کی نظریں تیل اور لوہے کی کانوں پر تھی مزید براں وہ لینن گراڈ کے راستے فن لینڈ پہنچنا چاہتا تھا۔

ہٹلر کے حکم پر فوجوں کی نقل و حرکت اور اکھاڑ پچھاڑ جاری تھی۔ فیلڈ مارشل باک کی فوج کا بیشتر حصہ مارشل رنڈسٹڈٹ کی کمان میں بھیج دیا گیا جس نے کیو پر حملہ کر دیا۔ جنگ کیو میں ایک مرتبہ پھر روسیوں کو جرمنوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ 6,65,000 روسی فوجی جنگی قیدی بنا لیے گئے جو ایک ریکارڈ تھا۔ اسی اثنا میں ہٹلر پر دباؤ تھا کہ وہ ماسکو پر حملہ کر دے۔ مارشل باک اپنی فوجوں کے ساتھ دو ماہ سے بیکار بیٹھا تھا۔ چنانچہ ہٹلر نے ماسکو پر حملہ کرنے کا اشارہ دے دیا۔ لیکن شاید دیر ہو چکی تھی مختلف اطراف سے فوجی کمک مارشل باک کی طرف روانہ کی گئی۔ ہٹلر کے منصوبے کے مطابق فوجوں کو ”طوفان برپا“ کرنا تھا۔ جرمن فوجوں نے بہترین جنگی تدبیر اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ وہ روسی دستوں کو روندتے ماسکو سے صرف 40 میل دور رہ گئے تھے۔ اس دوران لاکھوں روسی جرمن قید میں چلے گئے۔

موسم خزاں شروع ہو چکا تھا۔ روسی سرزمین پر ہونی والی بارشیں علاقے کو دلدل میں تبدیل کر دیتی تھیں۔ جرمن فوج کیچڑ اور دلدل میں دھنستی چلی گئی۔ نپولین کے قدموں پر چلتا ہٹلر ماسکو کے دروازے تک آ گیا تھا لیکن اس کی قسمت میں بھی وہی بدقسمتی لکھی تھی جو نپولین اور اس کی لاکھوں سپاہ کا مقدر ٹھہری تھی۔ موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا۔ جرمنوں کی منصوبہ بندی میں روس کے ان دونوں تباہ کن موسموں سے نمٹنے کا سامان موجود نہ تھا۔ گاڑیوں کے انجن سٹارٹ کرنے کے لیے ان کے نیچے آگ جلانا پڑتی تھی۔ فوجیوں کی ایک کثیر تعداد یخ بستہ سردی میں ٹھٹھر کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس کے باوجود کہ حالات جرمن فوجوں کے لیے ناگفتہ بہ تھے، ان کا مورال ہائی تھا۔ ہٹلر کا اصرار تھا کہ ماسکو ہماری توپوں کی زد میں ہے، کسی وقت بھی فال ہو سکتا ہے، فال تو ہوا لیکن روسی فوجوں کا نہیں بلکہ جومنوں کا ہوا۔ جرمنوں کی قبریں روس میں انہیں بلا رہیں تھیں اور وہ کیسے نہ پہنچتے۔ آج کے دور میں بیٹھ کر مختلف زاویوں سے جرمنوں کو شکست کی وجوہات تلاش کرنا تو شاید مشکل نہ ہو لیکن تب اس کا احاطہ کرنا ذرا مشکل تھا۔

جرمنوں کی برق رفتاری، بہادری، لیڈر شپ اور پروپیگنڈا مشینری کو دیکھ کر برٹش انڈیا کے لوگ یہ سمجھنے میں غلط نہ تھے کہ ہٹلر یہاں بھی پہنچ سکتا ہے۔ راقم کے والد مـغـفـرہ برطانوی ہندوستان کے شہر فیروز پور میں ریڈیو سے نشر ہونے والی خبروں اور فضا کی سیر اسیمگی کی بنیاد پر ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ برٹش سرکار کی طرف سے ریڈیو سننے پر پابندی تھی چنانچہ چھپ کر سنا جاتا تھا۔ ہٹلر کا پروپیگنڈا کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں ''برطانیہ خود کو سمندر کی ملکہ کہتی ہے ہم اسے سمندر میں ہی ڈبوئیں گے''

بہر کیف منفی 30°C پر منجمد ہو کر جرمن فوج کو روک دیا گیا، انسان اور مشین دونوں رک گئے۔ ہٹلر کا زیادہ سے زیادہ زمین حاصل کرنے کا خواب چکنا چور ہو چکا تھا۔ ایک روسی مفکر مولپساں کی لکھی کہانی تاریخ کا لازوال حصہ ہے، کہانی کے مطابق ایک شخص کو کتنی زمین کی ضرورت ہوتی ہے، یہ جاننے کے لیے بادشاہ نے ایک شخص سے کہا کہ وہ طلوع آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک جتنا دور تک بھاگ سکتا ہے، بھاگے، وہ ساری زمین جس پر وہ بھاگ کر چکر لگائے گا، اس کی ملکیت میں دے دی جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ زمین کی طلب میں وہ سارا دن پریشان حال رہتا، ایک بڑا چکر اپنی بساط کے مطابق کاٹتا پھر سوچتا ابھی بہت زمین باقی ہے حتیٰ کہ اس کے پھیپھڑے جواب دے گئے پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور سرپٹ بھاگتا رہا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ آخر وہ تھک کر بادشاہ ہی کے قدموں میں آن گرتا ہے۔ بادشاہ اسے زمین کا انعام دینے کے لیے اٹھانا چاہتا ہے لیکن وہ شخص زندگی کی بازی ہار چکا ہوتا ہے۔

بادشاہ اس کے لیے قبر کھودنے کا حکم دیتا ہے اور قبر کی طرف دیکھ کر کہتا ہے کہ ''ایک شخص کو اتنی زمین درکار ہوتی ہے۔'' روسی مصنف موپساں نے یہ پھبتی ہٹلر کی زمین حاصل کرنے کی سوچ پر کسی۔ اگر ہٹلر روس میں حاصل کردہ ابتدائی فتوحات پر اکتفا کرتا تو آج تاریخ مختلف ہوتی۔ روسی فوجوں کو گرم کپڑوں اور ماحول سے مطابقت کا ایڈوانٹیج تھا۔ دسمبر 1941ء میں روسی کمانڈر انچیف جنرل زدکوف نے 100 ڈویژن فوج کے ساتھ جرمنوں کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ایک نئی تاریخ رقم کی۔ ایک کے بعد ایک جرمن جنرل ہٹلر کی طرف سے فارغ کیا جا رہا تھا۔ جنرل گیورڈ ئین جیسے بہادر جرنیل کو بے عزتی کر کے نکالا گیا تھا۔ جرمنوں کی جنگی حکمت عملی میں جدت کے پیچھے جنرل گیورڈ ئین کا ہاتھ تھا۔ اس کی خدمات کا صلہ بے عزتی کی صورت میں دیا گیا۔ اس نے ہٹلر کی اجازت کے بغیر فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا تھا۔ ایسی ہی غلطی پر جنرل ہوپز کی بھی سرزنش کی گئی تھی۔ اسے

وردی پہننے سے روک دیا گیا تھا۔ جنرل سپونک کو کورٹ مارشل کر کے موت کی سزا دی گئی۔ ہٹلر مطلق العنانی کی انتہا پر تھا۔ اپریل 1942ء کے ایک قانون کی رو سے جرمن قوم اب ہٹلر کی غلام تھی۔ وہ اس کی مرضی کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتے تھے۔ صرف جان دے سکتے تھے وہ بھی ہٹلر کے حکم پر۔

دسمبر کے مہینے میں حالات نے پلٹا کھایا۔ جاپان نے امریکی بندرگاہ پرل ہاربر پر ہوائی حملہ کر کے امریکہ کو بھی جنگ میں گھسیٹنے کی کوشش کی۔ ہٹلر نے جاپان کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا، اس نے امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ہٹلر نے صدر روزویلٹ کا کام آسان کر دیا۔ اب برطانیہ، امریکہ اور روس ہٹلر کیخلاف اتحادی تھے۔ اس سے قبل امریکہ برطانیہ کی فوجی، مالی اور معاشی امداد کرتا تھا۔ ہٹلر کی زمینی قوت اتحادیوں کے مقابلے میں کمتر تھی۔ ہٹلر صرف ایک جھنجھلائے شخص کا نام تھا جو ہر حالت میں کچھ کرنا چاہتا تھا۔ روسی محاذ پر ہٹلر اسی جھنجھلاہٹ میں مار کھا گیا۔ آخر میں اس کا یہ فیصلہ کچھ غلط بھی نہ تھا کہ لڑ کر مرتے جاؤ کیونکہ ان کی پشت پر برف تھی جہاں پر منجمد ہو کر مرنے سے میدان جنگ کی موت بہتر تھی، لیکن اگر وہ اپنے جرنلوں کی آرا کو اہمیت دے دیتا تو اس کی فوج اور ساز و سامان بچایا جا سکتا تھا۔ مزید براں ہٹلر نے تمام تر توجہ روس پر مرکوز رکھی تھی اور افریقہ میں جرمن فوج کی کامیابیوں کو کیش نہ کروایا۔

شمالی افریقہ میں جنرل رومیل نے برطانوی فوجوں کو شکست دی تھی اور مصر کی طرف چل پڑا تھا۔ اگر ہٹلر اس محاذ پر رومیل کو جسے فتح تبروک پر فیلڈ مارشل بنا دیا گیا تھا، مزید فوجی کمک بھیج دیتا اور وہ نہر سویز کو کاٹ کر مصر پر قبضہ جما لیتا تو یہ برطانیہ کی شہ رگ پر کاری ضرب ہوتی۔ چرچل نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے۔ اتحادیوں کا خیال تھا کہ رومیل مصر پر قبضہ کر کے تیل کے چشموں پر کنٹرول حاصل کرے گا لیکن ہٹلر کی سوچ اور فکر کا زاویہ صرف روس تک ہی محدود تھا۔ اس کے ذہن میں ایمپیرلزم کا وہ بین الاقوامی نظریہ نہ تھا جو انگریزوں کی پالیسی رہی ہے۔ برسر اقتدار آتے ہی اس نے جرمنوں لیے مزید زمین کی بات کی تھی اور اس کے لیے روس کا انتخاب کیا تھا جہاں وسیع علاقہ اور زیر زمین معدنیات کے وسیع ذخائر بھی موجود تھے۔

1942ء کے آخر تک نازیوں کی علامت سواستیکا کئی ملکوں پر لہرا رہا تھا۔ روس محاذ پر جرمن کامیابیوں کے باوجود جرمنی کی طاقت اندر سے زائل ہو رہی تھی۔ یہی بات جب فیلڈ مارشل رومیل نے ہٹلر کو کہنا چاہی تو ہٹلر نے اسے بیماری کی رخصت پر بھیج دیا۔ اس سے قبل جنرل باک کو وہ پہلے ہی گھر بھیج چکا تھا۔ دراصل ہٹلر کو ناکامی اور کمزوری سے چڑ تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ جرمنی فوجی کو فتح یا موت کے علاوہ کچھ نہیں سوچنا چاہیے۔ ہٹلر کی خوش بختی تھی کہ اس کے پاس قابل جنرلوں کی ایک بیٹری موجود تھی جنھوں نے اس کے لیے اور مادر وطن کے لیے خون پسینہ بہایا، جب ہٹلر نے انہیں فوج سے رخصت کیا تو انہوں نے اف تک نہ کی۔ روس کی مہم جوئی ہٹلر کے زوال کا باعث بنی۔ ماسکو کے محاذ پر ناکامی کے بعد سٹالن گراڈ میں نازیوں کو تباہی اور قتل عام کا سامنا کرنا پڑا۔ 91 ہزار جرمن فوجی جن میں 24 جنرل تھے، روسی قبضہ میں چلے گئے۔ روسی انہیں سخت سردی میں ہانک کر سائبریا لے گئے تھے۔ اس وقت درجہ حرارت $-24^{o}C$ بتایا جاتا ہے۔ ان قیدیوں میں جرمنی فوج کا کمانڈر جنرل پاؤلس بھی شامل تھا۔ ان قیدیوں میں سے صرف 5000 افراد جرمنی زندہ واپس پہنچ سکے باقیماندہ لقمہ اجل بن گئے۔

ہٹلر نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ پرانے وقتوں میں ہتھیار ڈالنے پر کمانڈر خود کو اپنی ہی تلوار پر گرا کر ختم کر لیتے تھے۔ اس شخص

پاؤلس کو اپنی زندگی کا خاتمہ کر کے ابدی سکون حاصل کرنا چاہیے تھا، اب وہ اس سے کسی کاغذ پر دستخط لیں گے اور ریڈیو پر اس سے خطاب کروائیں گے اور عملی طور پر ایسا ہی ہوا۔ پاؤلس کو ریڈیو پر لا کر اس سے جرمن عوام کے نام اپیل کروائی گئی کہ وہ ہٹلر سے جان چھڑائیں۔ ہٹلر نے کہا کہ زندگی قوم سے ہے فرد سے نہیں۔ اگر ایک فرد مر بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن پاؤلس نے جان بچانے کے لیے لاکھوں کی قربانیوں کو رائیگاں کر دیا ہے۔

ان خیالات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہٹلر کے ذہن میں قوم پرستی کا تصور کتنا راسخ تھا اور وہ بے عزتی پر موت کو ترجیح دیتا تھا تا کہ اس کی قوم زندہ رہے۔ جب اس پر ایسا وقت آیا تو اس نے ثابت کر دیا کہ وہ جو کچھ کہتا تھا اس پر عمل کر گزرتا تھا۔ ہٹلر نے تمام یورپ کو فتح کر لیا تھا اور روس کو فتح کرنے کے نزدیک تھا کہ قدرتی آفات اور جنگ میں اتحادیوں کی شرکت نے اس کے خواب کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اس سے قبل طاقت اور دہشت کا توازن ہٹلر کے حق میں تھا۔ اتحادیوں کے جنگ میں کودنے کے بعد ہٹلر کمزور پڑ گیا تھا۔ سٹالن گراڈ میں سب سے بڑی شکست اور شمالی افریقہ سے پسپائی نے جرمن مورال کو زک پہنچائی۔ یاد رہے کہ فیلڈ مارشل رومیل کو واپس بلا لیا گیا تھا جس کی وجہ سے حالات قابو سے باہر ہو گئے۔ ہٹلر نے رومیل کو واپس شمالی افریقہ بھجوا دیا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ برطانوی حکمت عملی جرمن فوج سے زیادہ بہتر تھی۔ ہٹلری افواج کمزور ہوئیں تو نزلہ میسولینی پر گرا۔ بادشاہ ایمنیوئیل نے اسے ایمبولینس میں بٹھا کر گھر بھیج دیا۔ میسولینی کی معزولی کے ساتھ ہی ماڈرن جولیس سیزر کا ایک عہد ختم ہو گیا اور ملک سے فاشزم کا خاتمہ ہو گیا۔

6 جون 1944ء کو اتحادیوں نے یورپ کے ساحل پر دھاوا بول دیا۔ جرمنوں کو امید نہ تھی پھر بھی ہٹلر کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ہٹلر نے نارمنڈی کے ساحل کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات کر رکھے تھے لیکن اتحادیوں کی بے تحاشا بمباری نے جرمنوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ 20 جون 1944ء کو روس نے حملہ کر دیا۔ اب نازیوں کی شکست دیوار پر لکھی نظر آ رہی تھی۔ ہٹلر نے جنرل رومیل کے کم از کم کسی ایک اتحادی یا برطانیہ سے صلح کے مشورے پر عمل نہ کیا۔ ہر محاذ پر جرمن خون بہہ رہا تھا۔ سابقہ جنرلوں اور ریٹائرڈ فیلڈ مارشلوں کی طرف سے دبی دبی آوازیں آ رہی تھیں کہ کسی طرح جنگ بندی کروائی جائے اس کے لیے ہٹلر کا خاتمہ ضروری تھا۔

ہٹلر پر حملہ

1944ء کو راسٹن برگ کے نزدیک جرمنی کے ڈکٹیٹر ایڈولف ہٹلر نے اپنے زیر زمین ہیڈ کوارٹر میں جرنیلوں کی کانفرنس بلائی ہوئی تھی کہ اس دوران کرنل کاؤنٹ وان سٹافن برگ ہال میں داخل ہوا۔ وہ ہٹلر کو نازی سیلوٹ کرنے کے بعد ان سے صرف پانچ فٹ کی دوری پر بیٹھ گیا اور اپنا بریف کیس میز کے نیچے رکھ دیا۔ چند منٹ بعد وہ ٹیلی فون کرنے کے بہانے ہال سے باہر نکل گیا اور اس کی جگہ ایک دوسرے نازی افسر نے لے لی۔ بیٹھے بیٹھے اس کے پاؤں کی ٹھوکر کرنل سٹافن برگ کے بریف کیس کو لگی۔ اس نے بریف کیس کو وہاں سے اٹھا کر ہٹلر کی کرسی سے کافی دور رکھ دیا۔ ٹھیک چار سیکنڈ بعد بڑے زور کا دھماکہ ہوا۔ کانفرس ہال کے پرخچے اڑ گئے۔ چند منٹوں کے اندر اندر مسمار شدہ ہال سے نعشیں اور زخمی اسٹریچروں پر ڈال کر لے جائے جانے لگے۔ ان زخمیوں میں جرمنی کا آمر مطلق ایڈولف ہٹلر بھی تھا۔ یہ خبر آناً فاناً میں دوسرے جرمن جرنیلوں تک پہنچ گئی اور وہ اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کے منصوبے بنانے لگے تا کہ وہ ہولناک جنگ جو ہٹلر نے شروع کی تھی ختم ہو جائے۔

اس حادثے میں ہٹلر زندہ بچ گیا البتہ اس کے چہرے پر کچھ زخم ضرور آئے۔ حادثے کے چند منٹ کے اندر اُس نے حسب معمول چیخ چیخ کر احکام جاری کرنا شروع کر دیئے۔ اگلے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر کئی بڑے فوجی افسروں کو سرعام پھانسی دے دی گئی یا انہیں گولی سے اڑا دیا گیا۔

یہ واقعہ ہٹلر کی خودکشی اور جرمنی کی شکست سے صرف ساڑھے نو ماہ پہلے رونما ہوا۔

ہٹلر نے صحت یاب ہوتے ہی موسولینی جو ہٹلر کی خریت دریافت کرنے گیا تھا، کو بم والی جگہ پر لیجا کر کہا کہ یہ دیکھو بم میری ٹانگوں کے نیچے پڑا تھا لیکن میں بچ گیا۔ اس کا مطلب ہے میں دنیا میں کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں اور میری موت تب تک واقع نہ ہوگی جب تک وہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ اپنے موقف پر اور مضبوطی سے ڈٹ گیا۔

ہٹلر کے ساتھی

ہٹلر کا حلقہ احباب بھی عجیب، غریب تھا، معاشرہ ان کو اچھی نظر سے نہ دیکھتا تھا۔ ہٹلر کے عام پیروکار جو براؤن یا خاکی قمیض پہنتے تھے، جھگڑالو تھے۔ نظریاتی اعتبار سے انہیں جیالے اور متوالے کہا جا سکتا ہے، مختلف مسائل پر ایک دوسرے سے الجھ پڑتے تھے۔ کئی مرتبہ وہ ہٹلر کے بھی گلے پڑے لیکن وہ ایک سخت جان اور غیر معمولی انسان ہونے کے سبب ان کی پہنچ سے بالا تھا جس کی وجہ سے وہ ان کی دست برد سے بچ جاتا تھا۔

ہٹلر کا ایک ساتھی گورنگ تھا جو میونخ کی بغاوت میں اس کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد وہ جرمنی سے باہر چلا گیا اور شادی اور ملازمت میں چار سال ملکی سیاست اور ہٹلر سے دور رہا۔ گورنگ کا جرمنی کے اشرافیہ طبقے میں خاصا اثر رسوخ تھا۔ چنانچہ ہٹلر اپنے اس ساتھی کو واپس لایا۔ اس نے ہٹلر کو جرمنی کے بااثر اور امیر طبقے میں متعارف کرایا جو آگے چل کر ہٹلر کے لیے نہایت فائدہ مند ثابت ہوا۔

نازیوں کا ترانہ

ایک نازی کارکن سورسٹ ویسل نے نازی پارٹی کے لیے ایک نظریاتی نظم لکھی جسے نازیوں کا ترانہ قرار دیا گیا۔ اس پر ایک دھن تیار کر کے اسے عوامی بنا دیا گیا۔ مارچ پاسٹ اور جلسے جلوسوں میں نازی یہی ترانہ گاتے تھے۔

ہٹلر کی شخصیت

ہٹلر کو ایک سیاسی اداکار (Political Actor) کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ جذبات کے لحاظ سے وہ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ تھا۔ کبھی وہ غصے میں دھاڑ رہا ہوتا اور کبھی یکدم نرم پڑ جاتا۔ چہرے کے اعتبار سے وہ کوئی مردانہ وجاہت کا حامل نہ تھا۔ وہ کبھی بھی خوش لباس اور خوش گفتار نہ رہا تھا۔ اس کی شخصیت کوئی خاص مقناطیسی شخصیت نہ تھی۔ اس کے چہرے پر مزین اس کی مونچھوں کا موٹا نقطہ شخصیت پر ایک عجیب تاثر چھوڑتا تھا۔ بالوں کی ایک لٹ چہرے پر گری رہتی۔ چلتے پھرتے وہ درمیانے طبقے سے پروان چڑھا نظر آتا تھا۔ اس کا حافظہ شاندار تھا۔ گزرے واقعات اس کے دماغ پر نقش ہو جاتے تھے۔ مختلف علاقوں کا جغرافیہ اور حالات اس کو ازبر تھے۔ 1927ء تک وہ تقریر کے فن سے ناآشنا تھا۔ جوں جوں وہ سیاست کے پرپیچ راستوں پر آگے بڑھتا گیا، اس کا قدرتی لب، لہجہ ہی اس کی شناخت بن گیا۔

عام انسانوں کی طرح ہٹلر کے بھی جذبات تھے، وہ بھی جوان اور حسین لڑکیوں کی صحبت پسند کرتا تھا۔ ہٹلر اکثر ڈریم ہاؤس ہوٹل (1942) میں گزری شاموں کا ذکر کرتا۔ خود ہٹلر کے الفاظ تھے کہ ''حکومت ہر وقت اس کو جیل میں پھینکنے کے عذر کی تلاش میں رہتی تھی اس صورت حال میں اس کی بیوی کو گھر میں قید تنہائی بھگتنا پڑتی۔ میں تو جیل میں تمام سہولتوں کے ساتھ لیٹا ہوتا اور وہ میری جدائی میں آنسو بہا رہی ہوتی۔ ان الفاظ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ اس نے قومی مقصد (National Cause) کی خاطر زندگی کے اس درخشندہ باب کو کھولا ہی نہیں۔

ہٹلر کے ذہن پر جن سیاسی نظریات کی تہہ چڑھ چکی تھی وہ برلن یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ کے پروفیسر فکیٹے کے تھے اس نے جرمن قوم کو شکست خوردگی کا طعنہ دینے کی بجائے اٹھنے کی ترغیب دی اور ایک نئے نظام کی نوید سنائی جس کی باگ ڈور اقلیت لیکن باصلاحیت افراد کے ہاتھ

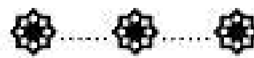
میں ہوگی۔ میکیٹے کے بعد ہیگل نے ہٹلر کے دماغ میں جگہ بنائی۔ ہیگل نے جرمنی کے لیے ایک عظیم رہنما کی ضرورت کی نشاندہی کی جو نشاط ثانیہ (Resurrection) کا باعث ہوگا۔

نظریاتی اعتبار سے ہٹلر نطشے اور ٹراسکی جیسے فلاسفروں سے بھی متاثر نظر آتا ہے۔ ''میری جدوجہد'' میں ٹراسکی کے نظریہ ریاست کی جھلک موجود ہے۔ اس کی وجہ اس کا جنگ کا حامی ہونا اور جنگ کو بنی نوع انسان کی روایتی سستی سے نجات کا ارتقائی عمل (Evolutionary Process) قرار دینا ہے۔ نطشے بھی طاقت اور برتری کے فلسفے کا پیروکار تھا۔ نطشے دنیا میں اقتدار کا سرچشمہ اسے ہی قرار دیتا تھا جو برتر نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ یہی فکری سوچ ہٹلر کے خیالات پر حاوی تھی۔ فکری اعتبار سے ہٹلر چیمبرلین کی بھی اندھی اطباع کرتا تھا۔ چیمبرلین قوم اور نسل کو ترقی کا زینہ قرار دیتا تھا۔ وہ شعور کو سلا کر لاشعور سے کام کرنے کی ایک مخصوص سوچ کا حامل تھا۔

ہٹلر نے گر بندوق سے جرمنی کو بچایا تو ان جرمن مفکرین نے قلم سے جرمنی کی فکری آبیاری کی۔ غرضیکہ سیاسی اور علمی محاذوں پر جینیس پیدا کر کے جرمن قوم بام عروج تک پہنچی۔

فطری طور پر ہٹلر اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے کسی حد تک بھی جانے والا شخص تھا۔ مشن اور کام مکمل کرنے کے لیے وہ کسی اخلاقی اور قانونی پابندی کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ مذاہب عالم کی مقرر کردہ حدود کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ فوجی جبری بھرتی کے نام پر ہزاروں لاکھوں لوگوں سے ناجائز بیگاری، ہزاروں کو غلام بنایا، ہزاروں کو بغیر مقدمہ چلائے جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ سائبیریا کی انسان کش برف میں سینکڑوں انسانوں کو لقمہ اجل بننے پر مجبور کیا۔ نسلی تعصب اور یہود مخالفت میں اس حد تک آگے چل گیا کہ گیس چیمبرز کا غیر انسانی طریقہ ایجاد کر ڈالا، اس طرح یہود کی نسل کشی کا مرتکب ہوا۔ دراصل اس کے خیالات اور افکار کسی سے پوشیدہ تو نہ تھے لیکن دنیا نے ان پر توجہ نہ دی تھی، دوسری طرف یہ خیالات عوامی سطح پر جرمن زبان میں تھے اور ان کے انگریزی یا دوسری زبانوں میں ترجمے پر پابندی تھی۔ ہٹلر ازم ایک مکمل نظریے اور پالیسی کا نام تھا جسے ہر دور میں پڑھا گیا ہے اور اس نے اذہان کو متاثر بھی کیا ہے۔ ہٹلر کی موت سے اس کے خیالات کی موت واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ مختلف اقوام نے مختلف ادوار میں اسی کے فلسفے کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

1944ء کی ناکام بغاوت کے بعد اس نے باغی جنرلوں کے ساتھ جو سلوک کیا اِس کی ریکارڈ شدہ فلم گورنگ جیسا ظالم شخص بھی نہ دیکھ سکا اور اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر منہ دوسری طرف کر لیا تھا۔ حکم کے مطابق ان باغیوں کو سفاک موت دی جانی تھی اور جانوروں کی طرز پر کھونٹیوں پر لٹکا کر ذبح کیے جانا تھا۔ ان کا سسک سسک کر مرنا فلم بند کیا گیا تا کہ عوام اور فوج انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔



ایک لاش کی قومی خدمت

قوموں کے مابین تعلقات کا انحصار ظاہری جذبات، گرمجوشی کے علاوہ پس منظر میں چلنے والے پروپیگنڈے پر بھی ہوتا ہے۔ آج کے دور کی حد تک اس بات کی صداقت سے انکار ممکن نہیں۔ بین الاقوامی سیاست کے گروؤں نے کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کو مختلف خانوں میں بانٹ کر اپنا الو سیدھا کرنے کی کامیاب چال چلی ہے۔ مثال کے طور پر ایک عمومی خیال تیسری دنیا بالخصوص مسلم معاشروں میں یہ پایا جاتا ہے کہ انگریز جسمانی طور پر ہماری طرح صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتے جبکہ عملی طور پر ایسا نہیں ہے وہ بھی دن میں موسمی ضرورت کے مطابق کئی بار غسل کرتے ہیں۔ دوسری طرف انگریز معاشروں میں مسلم معاشرے کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ ہمارے ہاں حقوق کی تقسیم منصفانہ نہیں عورتوں کے حقوق کی نفی کی جاتی ہے، فرسودہ خیالات کی اندھا دھند پیروی کی جاتی ہے وغیرہ جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ عورتوں کو مکمل انسانی حقوق حاصل ہیں حتیٰ کہ مردوں کے مقابلے میں ان کی شنوائی زیادہ ہے۔ عورتوں کے لیے پبلک مقامات پر جگہ چھوڑ دی جاتی ہے، زندگی کے ہر شعبے میں غیر معمولی پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ پبلک مقامات پر مردوں پر فوقیت دی جاتی ہے۔ غرضیکہ لاہور کی مسلم عورت نیویارک کی عورت سے زیادہ محفوظ اور آزاد ہے ہاں مادر پدر آزادی ممکن نہیں!

سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو حقیقی سچ دکھانا ہی پروپیگنڈا ہے جس کے ذریعے ایک قوم کے ہیرو کو ڈکٹیٹر کہہ کر زیرو کیا جا سکتا ہے، جیسے انگریزوں اور جرمنی کے درمیان بالادستی کی کشمکش میں جرمنی کے نجات دہندہ، ہٹلر کو پروپیگنڈا مشینری کی مدد سے غاصب اور خون آشام دکھایا گیا، دوسری جانب ہٹلر نے اسی پروپیگنڈا ہتھیار کے ذریعے پولینڈ اور فرانس کو خون بہائے بغیر ہی فتح کر لیا ورنہ فرانس کے بارے میں دفاعی ماہرین کی رائے تھی کہ وہ چار سال تک جرمنی سے جنگ کر سکتا تھا۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ جنگ عظیم کے سیاسی اور جنگی حالات و واقعات کا ذکر کیا جائے اور جنگ کے پس منظر میں چلنے والی جاسوسی اور پروپیگنڈا وار کو نظر انداز کر دیا جائے۔ برطانوی ہندوستان میں فیروز پور شہر کے گلی کوچوں میں چھپ کر سنے ریڈیو سے جرمنی کا یہ پروپیگنڈا ہندوستانیوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھا کہ "ہٹلر برطانیہ کی سلطنت کی وسعت کے اعتبار سے اسے سمندر میں ہی ڈبوئے گا، جرمن فوجیں برما کو روندنے کے بعد اب ہندوستان پر نظریں گاڑے ہیں۔ جرمن ریڈیو کا کہنا تھا کہ برطانیہ خود کو سمندر کی ملکہ کہلاتا تھا چنانچہ ہٹلر اسے اسی سمندر میں ڈبوئے گا۔

ایسے ہی ایک جاسوسی مشن میں دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانوی بحریہ کی انٹیلی جنس نے جنگ کی تاریخ کا ایک بہترین سیکرٹ سروس آپریشن سرانجام دیا جو کسی گراں قدر معرکے سے کسی طور پر بھی کم نہ تھا۔ یہ آپریشن چیف آف سٹاف کی توقعات سے بڑھ کر کامیاب ثابت ہوا اور اس آپریشن کی بدولت بہت سے اتحادیوں کی زندگی بچانا ممکن ہوا۔ اگرچہ اس آپریشن کی کامیابی کا سہرا رائل نیوی انٹیلی جنس کے لیفٹیننٹ کمانڈر ایون

مونٹا گو کے سر تھا لیکن اس آپریشن کا ہیرو ایک انجانا برطانوی شہری تھا جو اس آپریشن کے آغاز سے پیشتر ہی موت سے ہمکنار ہو چکا تھا اور اس کے جسم کو اتحادیوں کے عظیم تر قومی مفاد میں استعمال میں لایا گیا۔

یہ ایک خوشگوار آپریشن تھا کیونکہ اس آپریشن کے دوران ایک انجانے شخص کے جسم کو استعمال میں لانا تھا۔ اعلیٰ حکام خفیہ طور پر اس منصوبے پر غور کرتے رہے تھے۔

آنجہانی الفریڈ ڈف کوپر نے ایک ایسے شخص کی ایک افسانوی داستان تحریر کی تھی جو جنگ میں اپنی خدمات سرانجام دینے کا از حد متمنی تھا۔ لیکن اس کی صحت اس امر کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اسے تینوں افواج میں شمولیت کا موقع میسر نہ آسکا تھا اور اسے مسترد کر دیا گیا تھا۔ وہ دلبرداشتہ اور دل شکستہ موت سے ہمکنار ہو گیا تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا جسم جنگ کے ایک اہم مرحلے کے دوران دشمن کو دھوکا دینے کی غرض سے استعمال کیا گیا تھا۔

یہ داستان حقیقت کے قریب تر دکھائی دے رہی تھی۔ لہٰذا اعلیٰ حکام نے ایون مونٹا گو کو ہدایت کی کہ وہ مکمل داستان سے انہیں آگاہ کرے۔ اس نے بے انتہا فروخت ہونے والی تحریر

''ایک شخص جس کا کوئی وجود نہ تھا''

تحریر کی اور اس تحریر پر مبنی فلم بھی بنائی گئی تھی۔ برطانوی حکام نے مونٹا گو کو یہ اجازت فراہم کی کہ وہ سرکاری داستان سنائے ان کے ہاتھ ان افواہوں اور نیم سچائی نے باندھ رکھے تھے جو ان کے اردگرد پھیلی ہوئی تھی اور جو برطانیہ کو نقصان پہنچا سکتی تھی۔

مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اس پراجیکٹ کی وساطت سے جرمن ہائی کمان کو کس طرح دھوکا دیا جائے...... اتحادیوں کے فوجی منصوبوں کے بارے میں ان کو کس طرح دھوکے میں رکھا جائے بالخصوص شمالی افریقہ کی فتح سے ہمکنار ہونے والی مہم کے بعد...... اتحادیوں نے یہ فیصلہ سرانجام دیا تھا کہ ان کا اگلا اقدام سسلی کے ذریعہ اٹلی پر حملہ آور ہونا تھا۔ جرمن بھی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ انہیں اسی سمت سے بڑے خطرے کا سامنا تھا اور وہ اس خطرے سے نپٹنے کے لیے اپنے دفاع کو مضبوط تر بنا رہے تھے۔ ان کو اس دھوکے میں رکھنا درکار تھا کہ مجوزہ حملہ بحرہ روم سے کسی اور مقام پر کیا جائے گا۔

لیفٹیننٹ کمانڈر ایون مونٹا گو کا تعلق ایک چھوٹی سی انٹر۔ سروس کمیٹی سے تھا۔ اس کمیٹی کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ متوقع جنگی (منصوبوں) کو رازداری فراہم کرے۔ دشمن کے سامنے ایک مردہ جسم پیش کرنا...... ایک ایسی لاش اس کی نظروں میں لانا جس کی جیب میں گمراہ کن دستاویزات موجود ہوں...... یہ منصوبہ ایک نیا منصوبہ نہ تھا۔

مونٹا گو اور اس کی ٹیم کو اس منصوبے پر کام کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان لوگوں نے اس کامیاب منصوبے پر انتہائی جانفشانی سے کام کیا۔ جسم کسی ایسے اسٹاف افسر کا درکار تھا جو ایک ذمہ دار عہدے پر فائز تھا جس کے پاس اونچے درجے کی دستاویزات تھیں جو یہ ثابت کرتی تھیں کہ اتحادی کسی اور مقام سے حملہ آور ہوں گے اور متوقع مقام سے ہرگز حملہ آور نہ ہوں گے۔ اس جسم کا تیرتے ہوئے سپین کے ساحل تک جا پہنچنا جہاں پر

جرمن ایجنٹ بکثرت موجود تھے، یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ افسر کسی فضائی حادثے کا شکار ہوا تھا۔ سپین میں جرمنوں کو یہ موقع میسر نہیں آئے گا کہ وہ اس کے جسم کا بغور معائنہ سرانجام دیں...... ایسا موقع میسر نہیں آئے گا جیسا موقع فرانس میں میسر آ سکتا تھا...... تاہم وہ اس کی جیب میں موجود دستاویزات کا بغور مشاہدہ سرانجام دیں گے اور ان پر یقین کرنے پر بھی آمادہ ہوں گے۔

جسم کے حصول کا مسئلہ ایک مشکل مسئلہ تھا۔ وہ کیسے ایک مناسب عمر کی حامل لاش دریافت کریں اور وہ لاش ایسی صورت حال کی غمازی کرتی ہو جس سے یہ واضح طور پر ظاہر ہو اور سپین کے اعلیٰ حکام اس امر پر یقین کر لیں کہ یہ شخص سمندر کے اوپر ہوائی حادثے کا شکار ہوا تھا؟ یہ بھی خدشہ تھا کہ دشمن اس لاش کا ڈاکٹری معائنہ نہ کروالے۔ لاش کا حصول بھی اس قدر مشکل تھا۔ جس قدر مشکل اعلیٰ حکام کو قائل کرنا تھا کہ یہ منصوبہ ایک کارگر منصوبہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ منصوبہ اخلاقی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔

چونکہ یہ جنگ کا زمانہ تھا لہٰذا ایک ایسے شخص کی لاش کا حصول ایک مشکل امر نہ تھا جو فضائی حادثے کا شکار ہونے کے بعد سمندر میں ڈوب کر جاں بحق ہوا ہو۔ برنارڈ سپلس بری نے مونٹا گو کو یقین دلایا کہ وہ اس قسم کی لاش کے حصول کی کوشش سرانجام دے گا۔

لاش کے حصول کے بعد بھی ایک اور مسئلہ درپیش تھا۔ وہ مسئلہ لاش کے رشتہ داروں کی اجازت کے حصول سے متعلق تھا۔ بہت سے رشتے دار اپنے کسی پیارے کی لاش کو اس طریقہ کار کے تحت استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے چاہے لاش کا استعمال ملک کے بہترین مفاد میں ہی کیوں نہ ہو اور اگر رشتے دار اس کے استعمال کی اجازت فراہم کر بھی دیں تب مسئلہ یہ تھا کہ کیا وہ اس راز کو راز رکھ سکیں گے۔

یہ مسئلہ نہ صرف ایک مشکل مسئلہ تھا بلکہ اسے ایک مختصر سے دورانیے میں حل کرنا بھی ضروری تھا۔ مطلوبہ لاش کا حصول ایک قبرستان سے ممکن ہوا۔ اب اس کے رشتہ داروں سے اجازت حاصل کرنے کا مسئلہ درپیش تھا جو بالآخر رضامند ہو گئے اگرچہ ان کو درست طور پر یہ نہ بتایا گیا تھا کہ اس لاش کو کس مقصد کے لیے استعمال کرنا تھا۔ ان کو محض یہی بتایا گیا تھا کہ اس لاش کو عظیم ترین قومی مفاد میں استعمال کرنا تھا اور مابعد اس لاش کو مناسب طور پر دفن کر دیا جانا تھا۔ وہ علیحدہ بات تھی کہ اس لاش کو دوبارہ کسی اور نام کے تحت دفن ہونا تھا۔ انٹیلی جنس حکام کافی زیادہ تحقیقات سرانجام دینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ لاش کے ورثاء قابل اعتبار لوگ تھے اور ان پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

ان تفصیلات کو طے کرنے کا کام باقی تھا جن کی موجودگی میں اس آپریشن کو کامیاب بنانا عین ممکن تھا۔ اس موقع پر برطانوی انٹیلی جنس ٹیم نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ لاش کو برف میں رکھا گیا۔ اسے رائل میرین کے میجر کی وردی پہنائی گئی۔ بریف کیس اس کی کمر کے ساتھ ایک زنجیر کی مدد سے باندھا گیا۔

اس دوران ماہرین ان دستاویزات کی تیاری میں مصروف رہے جن کو اس لاش کے بریف کیس میں رکھنا مقصود تھا۔ سب سے اہم دستاویزات وہ خط تھا جو ''پرسنل اور انتہائی سیکرٹ'' تھا۔ یہ خط جنرل سر آرچی بالڈ کی جانب سے تھا جو امپیریل جنرل اسٹاف کا وائس چیف تھا۔ یہ خط جنرل الیگزینڈر کے نام تحریر کیا گیا تھا جو جنرل آئزن ہاور کی نگرانی میں 18 ویں آرمی گروپ ہیڈ کوارٹر میں برطانوی فوج کی کمان سرانجام دے رہا تھا۔ سر آرچی بالڈ نے مونٹا گو سے بحث کرنے کے بعد خط کا نفس مضمون بذات خود تیار کیا۔ اس خط پر 23 اپریل 1943ء کی تاریخ لکھی گئی تھی۔ خط کا

مضمون کچھ اس طرز پر تحریر کیا گیا تھا۔

میرے پیارے الیگزینڈر

''یہ ایک غیر سرکاری خط ہے جو انتہائی مخفی انکشافات کا حامل ہے۔ ایک ذمہ دار اور قابل اعتماد افسر یہ خط آپ تک پہنچائے گا۔ اس خط کو سرکاری ڈاک کے ذریعے بھیجنا ایک احسن اقدام نہ تھا۔ یہ خط کسی خاص ہدایت پر مبنی نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی قسم کی حکمت عملی تیار کرنے کی بابت ہے۔ یہ محض آف دی ریکارڈ ایک تبادلہ خیال ہے۔ یہ تبادلہ خیال اس حقیقت کے بارے میں ہے کہ سسلی کی جانب سے حملہ محض ایک چال ہے۔ دشمن کو دھوکے میں رکھنے کی ایک تدبیر ہے جبکہ حقیقی حملہ بحر روم کے مشرق میں یونان میں فوجیں اتارنے کے بعد کیا جائے گا۔ سسلی کی جانب سے حملہ آور ہونے کا پرچار اتحادیوں کے عین مفاد میں تھا۔ اس طرح جرمنی کی توجہ سسلی کی جانب مرکوز رہے گی۔''

لاش کو اب ایک بارعب افسر کا روپ دینا تھا۔ اس کا زیادہ تر دارومدار اس کی وردی پر تھا۔ اسے رائل میرین کے میجر ولیم مارٹن کی وردی زیب تن کروائی گئی...... اس کی پیدائش کارڈف میں 1907ء ظاہر کی گئی۔ وہ شمالی افریقہ کی جانب محوِ پرواز تھا۔

متعلقہ دستاویزات اور اس کی شناخت کی دستاویزات کے علاوہ اس کی ایک منگیتر بھی تخلیق کی گئی جس کا نام پام تھا۔ اس کی فوٹو بھی اس کی دستاویزات میں شامل کی گئی تھی اور اس کے دو عدد خطوط بھی دستاویزات میں شامل کئے گئے تھے۔ اس کی منگنی کی انگوٹھی کی خریداری کی ایک رسید بھی دستاویزات میں شامل کی گئی تھی۔

میجر مارٹن اب اپنے مشن کی انجام دہی کے لیے تیار تھا۔ مردہ میجر مارٹن کو حوالہ سمندر کر دیا گیا تھا۔

لندن میں بحریہ کی انٹیلی جنس اپنی کارروائی کے نتائج کی منتظر تھی۔ 3 مئی کو انہیں برطانوی اتاشی کی جانب سے ایک سگنل موصول ہوا جس کے تحت یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ رائل میرین کے میجر مارٹن کی لاش ہسپانوی مچھیروں کے ہاتھ لگ چکی تھی اور اسے پورے فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا تھا۔

لندن کو اب انتہائی محتاط رہنا تھا۔ انہیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا تھا کیونکہ ہسپانوی حکام نے لازمی طور پر دستاویزات کا معائنہ کرنا تھا کیونکہ ان حالات میں کوئی بھی ملک اس قسم کا اقدام کرنے کا مجاز تھا۔ یہ دستاویزات اگر حقیقی ہوتیں تب لندن کو ان کے بارے میں واقعتاً تشویش لاحق ہونا تھی کیونکہ ان کے ایک اہم راز کا پردہ فاش ہو سکتا تھا۔ وائٹ ہال نے انتہائی مہارت کے ساتھ اس کھیل کو کھیلا اور سپین میں اپنے سفارتی نمائندوں کو یہ احکامات جاری کئے...... یہ نمائندے حقیقت سے باخبر نہ تھے...... کہ وہ ان دستاویزات کی بازیابی کی جانب توجہ دیں جو میجر مارٹن کی لاش سے برآمد ہوئی تھیں...... لیکن ان کی بازیابی کیلئے اس طور کوشش سرانجام دی کہ ان میں زیادہ دلچسپی ابھرتی نظر نہ آئے۔ دستاویزات کا حامل بریف کیس 13 مئی تک برطانوی بحری اتاشی کے حوالے نہ کیا گیا تھا۔ جب یہ بریف کیس لندن واپس پہنچا تب ماہرین نے اس امر کا انکشاف کیا

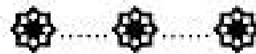
کہ دستاویزات کو کھولا گیا تھا...... ان کا بغور معائنہ کیا گیا تھا اور مابعد ان کو محتاط اور ماہرانہ انداز میں اسی طرح بند کر دیا گیا تھا۔

جب اتحادی سسلی میں اترے تب ان کے علم میں یہ بات آئی کہ جرمنی نے جزیرے کے اس جنوبی حصے سے اپنے دفاع کی جانب غفلت اختیار کر رکھی تھی جس حصے پر اتحادیوں نے حملہ آور ہونا تھا۔ دھوکہ دہی یقیناً اپنا کام کر چکی تھی۔

جنگ کے بعد یہ بات منظر عام پر آئی تھی کہ یہ آپریشن کس قدر کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا۔ یہ دستاویزات ایک جرمن ایجنٹ کے ہاتھ لگ گئی تھیں اور اس نے ان دستاویزات کا نفس مضمون فوراً ٹیلی گرافنگ کے ذریعے برلن منتقل کر دیا تھا۔ لندن کے حکام کی توقع کے عین مطابق جرمن انٹیلی جنس سروس سے اس کی صداقت کے مفصل ثبوت طلب کیے تھے اور میجر مارٹن کی زندگی کے بارے میں دریافت کیا گیا تمام تر پس منظر برلن کو روانہ کر دیا گیا تھا۔

جرمنی حکام نے میجر مارٹن کی دستاویزات ہاتھ لگنے کو اپنا ایک بہترین کارنامہ تصور کیا اور ان کے انٹیلی جنس کے محکمے نے بھی یہ تصدیق کر دی کہ یہ دستاویزات شک وشبے سے بالاتر تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ انہوں نے اتحادیوں کے متوقع حملے کے مقام کو غیر اہم قرار دیتے ہوئے اپنی فوجی حکمتِ عملی میں تبدیلی کر دی اور پیشتر اس کے کہ وہ یہ جان پاتے کہ ان کو جان بوجھ کر دھوکہ دیا گیا تھا اور بے وقوف بنایا گیا تھا اتحادی مضبوطی کے ساتھ سسلی میں اپنے قدم جما چکے تھے۔

ربن ٹروپ...... جرمن وزیر خارجہ...... ان افراد میں سے ایک تھے جنھوں نے سب سے پہلے محسوس کیا تھا میجر مارٹن کی دستاویزات ایک دھوکے کے سوا کچھ بھی نہ تھا...... یہ ایک شاندار دھوکا تھا...... ایک فریب دہی تھی...... ایک چال تھی...... اس کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس سلسلے میں اس کی جانب سے تحریر کردہ ایک خط...... جو اس نے اپنے سفیر کو تحریر کر دیا تھا ہنوز ریکارڈ پر موجود تھا۔



یہودیوں کے قاتل کی تلاش

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب نازی جرمنی 1945ء کے موسم بہار میں تباہی و بربادی اور شکست سے دوچار ہوا تب بہت سے مایوس، دل شکستہ اور دلبرداشتہ افراد اتحادیوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے بچنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ وہ اتحادیوں کے ہتھے چڑھنے سے گھبراتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ مہذب دنیا ان کے کالے کرتوتوں کو کبھی معاف نہیں کرے گی جو کرتوت انھوں نے دوران جنگ دکھائے تھے۔

ان افراد میں سے ایک فرد اڈولف ایکمان بھی تھا...... یہ ایک ایسا شخص تھا جو ہٹلر کی زیر قیادت لاکھوں یہودیوں کے قتل کا براہِ راست ذمہ دار تھا۔ ایک محتاط ذاتی تخمینہ کے مطابق 50 لاکھ یہودی اس کے براہ راست احکامات کے تحت ہلاک کیے گئے تھے۔

اسے یہ خطرہ لاحق تھا کہ وہ خود کو اور نازیوں کے مجرمانہ نیٹ ورک کو جنگ کے بعد کے یورپ سے کسی طور نہیں بچا سکتا تھا...... اور نہ مخفی رکھ سکتا تھا۔

1946ء میں ایکمان جنگی قیدیوں کے ایک امریکی کیمپ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا تھا اور ایکمان کا نام اختیار کرتے ہوئے لکڑی کی ایک فرم میں بطور پناہ گزین کام کرتا رہا تھا۔ یہ فرم لیون برگ ہیتھ میں واقع تھی اور یہ حصہ جرمنی کے برطانوی زون میں شامل تھا۔

ان دنوں لاتعداد خفیہ ادارے اتحادیوں کے خلاف کام کر رہے تھے۔ ایکمان جس خفیہ جگہ پر چھپا ہوا تھا اس سے نزدیک ہی بیلسن نامی ایک مقام تھا۔ اب اس کا نیا نام ہوہین تھا۔ اس مقام پر یہودی کالے دھندے کا ایک بہت بڑا کاروبار چلا رہے تھے اور اس کاروبار سے حاصل ہونے والا منافع یہودیوں کی فلسطین کی جانب غیر مکانی کی مد میں خرچ کیا جاتا تھا۔ یہ مقام اب برطانیہ کے زیر تسلط تھا۔ بیلسن غالباً موت کا ایک بدترین کیمپ تھا...... یہ مقام اب ہگانا کا جرمن ہیڈ کوارٹر تھا...... ہگانا یہودیوں کی قومی فوج تھی۔ اسی مقام پر ارگن ژوائی لیومی اور اسٹرنگ گینگ نے جنم لیا تھا...... یہ یہودیوں کے دہشت گرد ادارے تھے اور یہ ادارے نازیوں اور برطانیہ دونوں کے خلاف استعمال کیے جاتے تھے۔ یہ ادارے بھی ایکمان کی تلاش میں مصروف تھے۔ ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ وہ ان سے تقریباً 12 میل دور چھپا بیٹھا تھا۔

سابق نازیوں کے اپنے زیر زمین ادارے تھے اور یہ ادارے جنگی مجرموں اور جنگی جرائم میں ملوث افراد کو سپین اور جنوبی امریکہ کی جانب فرار ہونے میں مدد دیتے تھے۔

1947ء میں یورپ میں ایک نئی صورت حال نے جنم لیا اور یہ صورت حال ایکمان اور دیگر جنگی مجرموں (جنگی جرائم میں ملوث افراد) کے حق میں بہتر ثابت ہوئی۔ یہ سرد جنگ کا آغاز تھا۔ اتحادیوں کی سیکرٹ سروس مجرم نازیوں کو پکڑنے میں کم دلچسپی لے رہی تھی اور اس کی توجہ روس اور کیمونزم کو روکنے کی جانب مرکوز تھی۔ انھوں نے سابق نازیوں کا معاملہ بون میں نئی جرمن حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔

ایکمان لیون برگ میں ہی مقیم رہا اور کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارتا رہا اور اس موقعے کی تلاش میں تھا کہ یورپ سے فرار ہو کر کسی ایسے ملک میں قیام پذیر ہو جائے جہاں پر وہ محفوظ ہو۔ وہ جانتا تھا کہ جو کام وہ کر چکا تھا اس کی پاداش میں یہودی اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جنگی جرائم میں ملوث افراد کے خلاف اگرچہ برطانیہ اپنی دلچسپی کھو چکا تھا لیکن یہودیوں کی دلچسپی ہنوز برقرار تھی۔ وہ ایک عالمگیر انٹیلی جنس نیٹ ورک کے حامل تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس دہشت گرد ادارے بھی موجود تھے۔

کئی برسوں سے ایکمان زیرزمین نازی تحریکوں سے وابستہ تھا اور فرار کا منصوبہ تا دیر زیر غور تھا، اس کی منصوبہ بندی انتہائی محتاط انداز میں کی جا رہی تھی۔ وہ 1950ء کے موسم بہار میں جرمنی سے غائب ہو چکا تھا۔

1950ء تک مغربی جرمنی میں زندگی اپنے معمول پر واپس آ چکی تھی اور اب سفر پر بھی کوئی پابندی عائد نہ تھی۔ لہٰذا ایکمان میونخ ایکسپریس میں سوار ہوا اور انز بروک تک اپنا سفر جاری رکھا۔ آسٹریا کی سرحد پار کرتے ہوئے اسے کسی بھی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑا کیونکہ اس نے جرمنی کا ایک عام شناختی کارڈ حکام کو پیش کر دیا تھا۔

اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ بذریعہ بحری جہاز ارجنٹائن چلا جائے جہاں صدر پیرون جو ہٹلر کا مداح تھا...... وہ ہر اس سابق نازی کو پناہ دے رہا تھا اور سہولیات فراہم کر رہا تھا جو اہل یورپ کو جنگی جرائم کے سلسلے میں مطلوب تھا۔

اتحادی انٹیلی جنس اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ ایکمان اور دیگر سابق نازیوں کو یورپ سے فرار ہونے میں زیرزمین ریلوے کا ایک نظام معاونت کر رہا تھا۔ اس نظام کو رومن کیتھولک چلا رہے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اس فرقے کی کئی ایک خانقاہوں کو وہ لوگ بطور پناہ گزین استعمال کرتے تھے جو جنگی جرائم میں ملوث تھے اور حکام کو مطلوب تھے۔ ایکمان روم میں ایک جرمن کفالت گھر جا پہنچا۔ وہاں سے اس نے پناہ گزینوں کا ایک پاسپورٹ حاصل کیا۔ اس نے یہ پاسپورٹ ریکارڈو کلیمنٹ کے نام کے تحت حاصل کیا۔ اس کے بعد اس نے ارجنٹائن کا ویزا حاصل کیا۔

تاہم یہ بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ خانقاہوں کے حکام اس امر سے واقف تھے کہ وہ ایک ایسے شخص کو فرار ہونے میں مدد دے رہے تھے جس نے وسیع پیمانے پر قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اس دور میں کمیونسٹ ممالک میں کیتھولک فرقے کے لوگوں کو اذیت سے دوچار کیا جا رہا تھا بالخصوص چیکوسلاویہ میں...... اور خانقاہی حکام پناہ گزینوں کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے تھے۔ ایکمان نے بھی کمیونزم اور کمیونسٹوں کے ظلم سے فرار حاصل کرنے کا سوانگ رچایا تھا۔

یہ بات ماننا پڑے گی کہ جرمن سے اس کے فرار کا منصوبہ انتہائی مہارت کے ساتھ تیار کیا گیا تھا۔ 14 جولائی 1950ء کو وہ بیونس آئرس پہنچ چکا تھا اور سابق نازیوں کی ایک بڑی تعداد نے اس کو خوش آمدید کیا تھا۔

اسرائیلی ایکمان کو نہ بھول پائے تھے۔ ان کے نزدیک وہ جنگی جرائم میں ملوث افراد میں سرفہرست تھا۔ پہلے پہل اس کے بارے میں ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی گئی جو اس کے ہاتھوں ظلم کا نشانہ بنے تھے...... ان لوگوں کے عزیزوں و اقارب سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کی گئی جو اس کے حکم پر ہلاک کئے گئے تھے...... یہ ایسے لوگ تھے جو اس سے انتقام لینے کے لیے بے چین تھے۔

ہگانا کی سیکرٹ سروس...... یہودی قومی فوج 1945ء سے ہی ایکمان کے غائب ہو جانے کی چھان بین اور تحقیق و تفتیش میں مصروف تھی۔ ان کا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ان کے پاس ایکمان کی کوئی فوٹو موجود نہ تھی۔ ایکمان نے غائب ہونے سے پیشتر اپنی تمام تر سرکاری اور غیر سرکاری تصاویر ضائع کر دی تھیں۔

ہگانا کو یہ خبر ملی کہ ایکمان کی بیوی اور تین بچے آسٹریا میں مقیم تھے اور انہوں نے اس نکتہ نظر کے تحت ایک ایجنٹ کو روانہ کیا کہ عین ممکن تھا کہ وہ ایکمان کی کوئی نہ کوئی تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ انہیں امید تھی کہ یہ ایجنٹ اس کی بیوی سے اس کی تصویر حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن اس کی بیوی فرو ایکمان نے ایکمان کے بارے میں بات چیت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اگرچہ ہگانا کے جاسوسوں نے پورے گھر کی تلاشی لے ڈالی لیکن انہیں ایکمان کی کوئی تصویر ہاتھ نہ لگی۔

تاہم یہ ہگانا کی خوش قسمتی تھی کہ ان کی رسائی ایکمان کی ایک سابق داشتہ تک ممکن ہوئی جو ویانا میں رہائش پذیر تھی۔ یہ خاتون اب تنہا رہتی تھی اور ماضی کی خوشگوار یادوں کے ہمراہ زندہ تھی۔ اس خاتون کو انتہائی طریقے کے ساتھ اس امر پر راغب کیا گیا کہ وہ اپنی تصاویر کی البم دکھائے۔ اس البم میں ایکمان کی اکلوتی تصویر بھی موجود تھی۔ اس کے بعد اس خاتون کے گھر پر پولیس کے ایک چھاپے کے دوران اس سے یہ تصویر چھین لی گئی۔

ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے یہ کہانی اپنے اختتام کو پہنچ چکی ہو کیونکہ 1947ء میں فروا یکمان نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کا خاوند موت سے ہمکنار ہو چکا تھا۔ لیکن وہ اپنے اس ڈرامے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس پر مستقل نظر رکھی جانے لگی۔ ایکمان کی ایک مکمل فائل تیار کر لی گئی تھی۔ 1948ء میں آسٹریا میں ایک نیو۔ نازی گروپ کی گرفتاری عمل میں آئی۔ انہوں نے ایکمان کے بارے میں بھی کچھ انکشافات کیے جس کے جواب میں آسٹریا کی پولیس نے فروا یکمان سے پوچھ گچھ کی اور اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے خاوند سے ملی تھی یا اس نے اپنے خاوند کو دیکھا تھا۔ اس نے جواب دیا...... غالباً اس کا جواب درست تھا...... کہ اس کی اپنے خاوند سے کوئی ملاقات نہ ہوئی تھی اور اس امر پر اصرار کیا کہ وہ 1945ء میں چیکوسلوویکیا میں موت سے ہمکنار ہو گیا تھا۔

اس دوران ایکمان ارجنٹائن میں مقیم ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا نام ریکارڈو کلیمنٹ رکھ لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خفیہ طور پر اپنی نقل و حرکت کے بارے میں اپنی بیوی کو مطلع کرتا رہتا تھا۔ ارجنٹائن میں آباد دیگر نازی اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس نے ایک چھوٹے سے ادارے میں ملازمت بھی اختیار کر لی تھی اور ارجنٹائن کا شناختی کارڈ بھی حاصل کر لیا تھا۔ یہ شناختی کارڈ اس نے ریکارڈو کلیمنٹ کے نام سے حاصل کیا تھا۔ اس شناختی کارڈ کے حصول کی خاطر اسے بیونس آئرس میں اپنے فنگر پرنٹ بھی ریکارڈ کروانے پڑے تھے۔ اس کے بااثر دوستوں نے اسے ایک اچھی ملازمت بھی دلوادی تھی اور ایکمان اب انتظامی امور کا ایک ماہر بن چکا تھا اور اپنی ملازمت کے دوران بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اس نے خفیہ طور پر اپنی بیوی کو خط تحریر کیا اور 1952ء کے موسم گرما میں اس کی بیوی نے اپنے بچوں سمیت انتہائی خاموشی کے ساتھ آسٹریا کو چھوڑا اور بحری سفر طے کرتے ہوئے بیونس آئرس جا پہنچی۔ اس وقت اس کی نگرانی سخت نہ تھی اور یہودی سیکرٹ سروس اس کی جانب سے قدرے غفلت برت رہی تھی اس کے فرار کا سن کر یہودی انتہائی غم و غصے کا شکار ہوئے۔

بیونس آئرس میں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کہ ایکمان ارجنٹائن میں قیام پذیر تھا۔ 1953ء تک باخبر لوگ یہ جانتے تھے کہ وہ کہاں موجود تھا اور اس بارے میں اخبارات میں بھی شائع ہو چکا تھا۔

اس شہرت کی بدولت، ایکمان اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو چکا تھا اور اس کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ اس کا مقدر اب گردش میں تھا۔ اس نے بیونس آئرس میں کم آمدنی کی حامل ملازمتیں اختیار کیں۔ اب وہ بین الاقوامی دلچسپی کا محور بھی بن چکا تھا اور پیرون حکومت بھی خوف و ہراس اور دباؤ کا شکار تھی۔ 1955ء میں پیرون اقتدار سے محروم ہو کر ملک سے فرار ہو چکا تھا۔ سابق نازی اب بھی پر امید تھے لیکن محتاط تھے۔ ایکمان کو بیونس آئرس کی ایک کار فیکٹری میں ملازمت مل چکی تھی۔ اب وہ اپنے ماضی کے بارے میں اپنے سابق نازی دوستوں سے کھل کر بات کرتا تھا اور اکثر ان یادوں کا شکار رہتا تھا جو کسی نہ کسی وقت انسان کو ڈستی رہتی ہیں۔

یہودی ابھی تک اس کو نہ بھولے تھے۔ ارگن اور اسٹرن دہشت گرد اسرائیلی سیکرٹ سروس میں شمولیت اختیار کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام تر توانیاں بورمان...... ملر اور ایکمان کی تلاش میں صرف کر دی تھیں۔ ایکمان تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی سخت ترین جدوجہد کی ضرورت درپیش نہ تھی۔ اس کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ وہ ارجنٹائن میں موجود تھا جو سابق نازیوں سے بھرا پڑا تھا اور ان کے ساتھ اس کے دوستانہ

مراسم استوار تھے۔ مسئلہ اس کی نگرانی کرنے اور انتظار کرنے کا تھا۔ مسئلہ یہ بھی تھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

کیا اسے اغوا کر لیا جائے؟ یا اسے قتل کر دیا جائے؟

کیا اس غیر ملکی پناہ گزین مجرم کو اس کی حکومت کے حوالے کر دیا جائے؟

اس مسئلے کو اسرائیلی کابینہ نے اس وقت فوری طور پر حل کرنا تھا جبکہ 1960ء کے آغاز میں ایکمان کو تلاش کر لیا گیا تھا۔ اس کے ایکمان ہونے کے بارے میں کوئی شک نہ تھا۔ کیونکہ اس کے فنگر پرنٹوں کی پڑتال کی گئی تھی اور ان فنگر پرنٹوں سے ملایا گیا تھا جو اسرائیلی حکام کے پاس موجود تھے۔

اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن۔ گورین کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ یقین نہ تھا کہ وہ ایکمان کو ارجنٹائن کی حکومت سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس نے جرائم کا ارتکاب جرمنی میں کیا تھا لہٰذا قانون کی روح سے اسے جرمنی کے حکام کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اسرائیلی وزیراعظم ایکمان کو اسرائیل لانا چاہتا تھا اور اسرائیلی سرزمین پر اس پر مقدمہ چلانا چاہتا تھا۔ حصول مقصد کا محض ایک ہی طریقہ تھا اور وہ طریقہ یہ تھا کہ ایکمان کو اغوا کر لیا جائے۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا کہ ایک شخص کو اغوا کر کے آدھی دنیا کا سفر طے کراتے ہوئے اسرائیل لایا جائے۔

اس مسئلے کا حل ارجنٹائن کی حکومت نے بذات خود ہی پیش کر دیا جب اس نے اسرائیل کو ایک سرکاری دعوت پیش کی کہ وہ اپنا سفارتی نمائندہ ارجنٹائن روانہ کرے جو اسپین سے ارجنٹائن کی آزادی کی 150 ویں سالگرہ کے موقع پر اسرائیل کی نمائندگی کرے۔ یہ تقریب ماہ مئی کے اختتام میں منعقد ہوئی تھی۔

اسرائیلی وزیراعظم نے اس موقع سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھانے کی ٹھانی۔ اس نے نہ صرف ایک سرکاری وفد اس تقریب میں شرکت کے لیے روانہ کیا بلکہ یہ فیصلہ بھی کیا کہ یہ وفد ایک خصوصی اسرائیلی طیارے میں سفر کرے...... برطانوی ساخت کا بریٹانیا طیارہ......اور ایکمان کو اغوا کر کے اسی طیارے میں واپس اسرائیل لانا تھا۔ اس طیارے کو سفارتی مراعات حاصل تھیں۔ اس کام میں انتہائی احتیاط برتی گئی اور اسے انتہائی خفیہ رکھا گیا۔

ایکمان کو اغوا کرنے والے اسکواڈ کا لیڈر ہنگری کا ایک یہودی تھا۔ اس نے 11 مئی کو اپنے شکار پر جھپٹنے کا پروگرام بنایا۔ خصوصی طیارے نے 20 مئی سے پیشتر ارجنٹائن نہیں پہنچنا تھا۔

اس کے اغوا کے منصوبے کو بخوبی ترتیب دیا گیا تھا اور اس کی بہترین منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ یہ مشاہدہ کیا گیا تھا کہ ایکمان باقاعدگی کے ساتھ اپنے سب سے بڑے بیٹے کے گھر آتا جاتا رہتا تھا جس کا نام کلاس تھا اور جو اب شادی شدہ تھا اور اس کی ایک سالہ بیٹی تھی۔ ایکمان جب بھی ان سے ملاقات کرنے کی غرض سے آتا تھا تب وہ رات کا کھانا ان کے ہمراہ کھاتا تھا اور رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان اپنے گھر کے لیے روانہ ہوتا تھا۔ اب ایکمان کی سرگرمیاں اسرائیلی ایجنٹوں کی نظر میں تھیں۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتا اس پر نظر رکھی جاتی تھی۔ اس نے 11 مئی کو بھی اپنے بیٹے کے گھر کا چکر لگایا اور آٹھ بجے کے بعد بیٹے کے گھر سے واپس اپنے گھر کے لیے روانہ ہوا۔

ایک شخص گاڑی میں اس کے انتظار میں موجود تھا۔ وہ اپنی گاڑی سے باہر نکلا اور ایکمان سے کہنے لگا کہ:

''ہمارے ہمراہ چلو''

ایکمان نے گمان کیا کہ عین ممکن تھا کہ یہ ارجنٹائن پولیس کے آدمی ہوں۔ لہٰذا وہ بلا خوف وخطران کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ جونہی کار اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئی توں ہی اسے شک وشبے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی کہ اس کے اغوا کنندگان کون لوگ تھے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اسے فوراً گولی کا نشانہ بنا دیں گے لیکن ان لوگوں نے اسے یہ یقین دہانی کروائی کہ وہ ایسا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے بشرطیکہ وہ چیخنے چلانے اور فرار ہونے کی کوئی کوشش نہ کرے۔

وہ اسے ایک ایسے امیر یہودی کے گھر لے گئے جس گھر کے مکین نیویارک جا چکے تھے اور اس گھر کے ملازمین یہودی ایجنٹ تھے۔ وہ دس روز تک اس گھر میں مقیم رہا۔ اسے جب یہ بتایا گیا کہ اس کے اغوا کنندگان اسے اسرائیل لے جانا چاہتے تھے تاکہ اس کے خلاف یہود مخالف جرائم کی پاداش میں مقدمہ چلایا جا سکے۔ تب اسے کچھ سکون محسوس ہوا۔ درحقیقت وہ اس امر پر آمادہ ہو چکا تھا کہ وہ اسرائیل جائے گا اور مقدمے کا سامنا کرے گا اور اس نے اس سلسلے میں ایک دستاویز پر اپنے دستخط بھی ثبت کر دیے تھے۔

اس دوران تل ابیب میں یہ تجسس پایا جاتا تھا کہ:

کیا یہ ممکن تھا کہ ایکمان کو دس روز تک بیونس آئرس میں حبس بے جا میں رکھا جائے اور مابعد اسے اسرائیل بریٹانیا نامی جہاز میں اغوا کر کے اسرائیل لایا جائے جو 20 تاریخ کو اس مقام پر پہنچ رہا تھا؟

کیا اس کی گمشدگی کوئی مسئلہ کھڑا نہ کر دے گی؟

اس کی بیوی جان جائے گی کہ اس کے خاوند کے ساتھ کیا مسئلہ درپیش آیا تھا اور وہ ارجنٹائن حکومت کی مدد طلب کرے گی، ایسی صورت میں اسرائیلی طیارے پر ہی شک کیا جا سکتا تھا۔

لیکن ایک ہفتہ گزر چکا تھا اور ایکمان کے بارے میں کسی قسم کا کوئی بھی شوروغوغا سننے میں نہ آیا تھا اور نہ ہی اس کی گمشدگی کا کوئی شور مچا تھا۔ 19 تاریخ کو بریٹانیا ارجنٹائن کے لیے محو پرواز ہوا۔ اس میں سفارتی مشن سوار تھا۔ اس مشن کی سربراہی مسٹر ابا ابان کے ذمہ تھی۔ اس طیارے کے عملے کی تعداد معمول کی تعداد سے خاصی زیادہ تھی۔ بیونس آئرس ہوائی اڈے پر اس سفارتی وفد کا خندہ پیشانی سے سرکاری طور پر استقبال کیا گیا۔ اس کے بعد جہاز کا عملہ شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ تاکہ کھانے سے لطف اندوز ہو سکے۔

جب یہ عملہ واپس لوٹا تب اس عملے کا ایک رکن شراب کے نشے میں دکھائی دے رہا تھا۔ ہوائی اڈے کے حکام نے اس امر کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ ایکمان کی کافی میں نشہ آور دوا ملا دی گئی تھی اور اسے عملے کے دیگر ارکان کے ہمراہ جہاز پر سوار کر لیا گیا تھا۔ کسی نے بھی کسی بھی غیر معمولی واقعہ کو محسوس نہ کیا تھا۔ صبح تین بجے بریٹانیا واپسی کے لیے محو پرواز تھا۔

لیکن ابھی خطرہ ٹلا نہ تھا۔ طیارے نے ایک لمبی پرواز سرانجام دینی تھی۔ طیارے نے ایندھن کے حصول کے لیے بھی کئی ایک مقامات پر

رکنا تھا اور کسی بھی قسم کی مداخلت کا خطرہ ہنوز باقی تھا۔ وہ اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ فرانسیسی ...... چونکہ نازیوں کے دوست نہ تھے ...... وہ انہیں روکنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ لہٰذا پرواز کسی رکاوٹ کا شکار ہوئے بغیر محوسفر رہی۔ ڈاکر کے مقام پر طیارے میں ایندھن بھرا گیا اور اس کے ٹینک مکمل حد تک بھر لیے گئے اور اس کے بعد طیارہ اسرائیل کی جانب روانہ ہوا۔ دو روز بعد اسرائیلی وزیراعظم نے اپنی پارلیمنٹ کو بتایا کہ:۔

''ایکمان ...... جو نازی رہنماؤں کے ہمراہ اس عمل درآمد میں مصروف رہا تھا جسے وہ ''یہودی مسئلے کا حتمی حل'' کہتے تھے ...... یعنی یورپ کے 60 لاکھ یہودیوں کا قتل۔''

اس کو اسرائیل سیکورٹی سروس نے تلاش کر لیا تھا اور اب وہ اسرائیل میں زیرِ حراست تھا اور جلد ہی اسے عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا جائے گا۔

ایکمان کے اغوا نے ایک غیر معمولی داستان میں ایک اور باب کا اضافہ کر دیا تھا۔ ارجنٹائن کی حکومت اس کی واپسی کا مطالبہ کر رہی تھی اور اس نے اس سلسلے میں اقوام متحدہ سے بھی درخواست کی تھی۔ اقوام متحدہ نے بھی اسرائیل کے اس اقدام کی مذمت کی تھی۔ لیکن اقوام متحدہ نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ دونوں اقوام اس جھگڑے کو بذات خود حل کریں۔

اگرچہ اسرائیل نے ایکمان کو اسرائیل لانے کے لیے ایک درست راستے کا انتخاب نہ کیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی دنیا نے اسرائیل کے اس اقدام کی مذمت نہ کی کیونکہ ایکمان کا جرم بنی نوع انسان کی تاریخ کا ایک عظیم ترین جرم تھا اور اسے انصاف کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنے کا طریقہ کار ایک اہم امر نہ تھا اور کسی کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی تھی کہ اسے اسرائیلی ججوں سے انصاف نہ ملا تھا۔

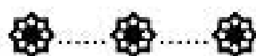


کتاب میں شامل جرمن زبان کے مشہور الفاظ اور ان کے مطالب

Mein Kampf	میری جدوجہد
National sozialistische Deutsche Arbeiterpartei (NSDAP)	(نازی پارٹی) نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی
DAP	جرمن ورکرز پارٹی
Sozial Demokratische Partei Deutschlands (SPD)	سوشل ڈیموکریٹک پارٹی
Bolshevik Party	انقلابی مزدور گروپ
Freikorps	کرائے کے قاتل دستے
Auschwitz	مبینہ گیس تندور والا مشقتی کیمپ
Deutschnationale Volkspartei (DNVP)	جرمن نیشنل پیپلز پارٹی
German Volk	جرمن نسل
Labensgebiete	جرمن عوام کی زندگی سے یہودیوں کو نکال باہر کرنا
Labensraum	جرمن عوام کے لیے مزید رہائشی زمین کے حصول کا ہٹلری نظریہ
Sonderkommand	سپیشل کمانڈ
Ghettos	جرمنوں کی قائم کردہ پناہ گاہیں/نظر بند کیمپ
Fuhrer	جرمن چانسلر کا لقب جو ہٹلر نے خود کے لیے اختیار کیا
Reich	جرمن حکومت
Reich church	جرمن حکومت کی چرچ پالیسی

Wehrmacht	جرمن فوج
Oberkommando der Wehrmacht	جرمن فوج کی ہائی کمانڈ
Untermenschen	کمتر انسان
Endlosung	آخری حل
Ubermensch	سپر مین
Arian	آریائی نسل
Statuits des Juifs	یہودی قوانین کی کتاب
Bavarian	باویریا
Marxism	یہودی کارل مارکس (83-1818) کا تیار کردہ سیاسی اور فلسفیانہ نظام
Reinhard Heydrich	ہملر کا براہ راست ماتحت ہیڈرک جو یہودیوں کی نسل کشی کے حتمی حل کے پروگرام میں ہملر کا قریبی معاون تھا۔
Chelnrno	پولینڈ میں واقع وہ جگہ جہاں نازیوں نے یہودیوں کے لیے نظر بندی کیمپ قائم کیا تھا۔
Annihilation camps	بربادی کے مبینہ کیمپ
S S	نازی پیرا ملٹری فورس
Mischlings	متفرق نسل کے یہودیوں کی لڑی
Concentration Camps	جرمنوں کے قائم کردہ مشقتی کیمپ جن میں سیاسی مخالفین کا دھڑن تختہ کیا جاتا تھا۔
Operatin Euthanasia	اس آپریشن کے تحت ان ستر ہزار مریضوں کو جو موروثی امراض میں مبتلا تھے، ختم کیا جانا تھا۔
Gustapo (Geheime Staatspolizei)	بدنام زمانہ جرمن خفیہ ایجنسی
Operation Reinhard	یہودیوں اور کمیونسٹوں کے خاتمے کے نازی پروگرام کا کوڈ نیم۔
Juden frei	آزاد یہودی کا نعرہ
Judensipp chaft	یہودیوں کا جتھا

Gauleiter	علاقائی نازی رہنما
SS Eirsatzgrupper	قتل، غارت کے خصوصی اسکوڈ
Reichssicherhertshauptamt	رائچ کا سیکورٹی ہیڈ آفس
Kristallnacht	9-10 نومبر 1938ء کی وہ رات جب یہودی دکانوں اور مکانوں کے شیشے توڑے گئے۔
Putsch	بغاوت
Mittelstand Voltaire (1694-1778) Jean Jacque 1712-78 Rousseau	مڈل کلاس روشن خیال مصنفین وولٹائر روسو
Germanvolk	جرمن نسل
Judenisppschaft	یہودیوں کے گروہ
Chichester	چاچسٹر (پروٹسٹنٹ مذہبی فرقہ)



ہٹلر کے بارے میں ہم عصر رہنماؤں اور مورخین کی رائے

-1 جگہ جگہ ڈاک بانٹنے والا ایک ڈاکیا ہٹلر اگر فیوہرر جیسے مرتبے تک پہنچ بھی گیا تو وہ کبھی اپنے کسٹمرز کے لیے اچھا کام نہ کر سکے گا۔

برطانوی مورخ A.J.P. Taylor (1906-90)

-2 فاشزم ایک مذہب ہے۔ تاریخ میں 20 ویں صدی فاشزم کی صدی کہلائے گی۔

(بینتو موسولینی نے یہ بات 1933ء میں ہٹلر کے اقتدار پر قبضے کے وقت کہی)

-3 جرمنی ہٹلر کے اعمال کے لیے ویسے ہی ذمہ دار ہے جیسے شکاگو شکاگو ٹریبون کے لیے۔

امریکی تنقید نگار الیگزینڈر رو ول کوٹ (1887-1943)

-4 ہٹلر کی تباہی، میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے۔ میری زندگی اس کے بعد انتہائی سہل ہو جائے گی۔ اگر ہٹلر نے جہنم پر حملہ بھی کیا ہوتا تو بھی میں ایوان زیریں میں شیطان کے لیے کم از کم ایک ریفرنس ضرور دائر کرتا۔

برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل (1874-1965)

-5 میں فرض کرتا ہوں کہ مجھے خوش ہونا چاہیے کہ ہٹلر ہماری طرز پر ایک انقلاب لے آیا ہے لیکن وہ جرمن ہے بالآخر وہ انقلاب کے اس خیال کو تباہ کریں گے۔

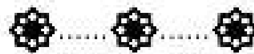
اٹلی کا ڈکٹیٹر بینتو موسولینی (1883-1945)

-6 مجھے یقین نہیں آئے گا کہ ہٹلر مر چکا ہے جب تک وہ یہ بات مجھے خود نہ بتائے۔

جرمن ماہر معاشیات Hjalmar Schacht

-7 اہل اٹلی مجھ پر ہنسیں گے۔ جب بھی ہٹلر کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے وہ مجھے پیغام بھیجتا ہے۔

بینتو موسولینی (1883-1945)



کتابیات

اس کتاب کی تیاری کے لیے جن کتب، رسائل، فلم اور مضامین سے استفادہ کیا گیا ان کی تفصیل بصد شکریہ درج ذیل ہے۔

1-	Can it happen again Chronicles of the Holocaust N.Y.	R.K. Chartok Spencer
2-	The path to Genocide Cambridge	C. Browning
3-	History of Europe	V.D. Mohatak
4-	An Invisible Balance of Power	Sajjat Shaukat
5-	The Holocaust in History London	M. marrus
6-	Martyrs and Fighters	P.Friedman
7-	The war against the Jews 1933-45	L. Dawidowicz
8-	Death House	Shirer.
9-	The challeng of the 3rd Reich Oxford 1986	OXFORD
10-	Problems of the German Resistance	K.B. Bracher
11-	Zionist Fraud	H. ElmerBarnes
12-	Revisionism	-do-
13-	The Hoax of the Twentieth Century	A.R. Butz
14-	The war against the Jews	L. Dawidowicz
15-	Dobunking the Genocide Myth	P. Rassiner
16-	Hitler's War	D. Irving
17-	Escape from Sobibar	An English Movie
18-	ہالوکاسٹ (لاثانی رسالہ)	طیب حسین لاہور
19-	Mein Kempf	Translated by Ralph Manheim
20-	Hitler Memoirs of a confident	Ruth Hein
21-	The Last Days of Hitler	H.R. Treror Roper
22-	Hitler	Translated by Richard
23-	ہٹلر کے نظریات کی کہانی (مضمون)	ایم ابراہیم خان سنڈے ایکسپریس

24-	www.History.TV.Com	
25-	Encarta Dictionary	
26-	The Third Reich	Baumont
27-	The Second world war	Churchill
28-	یہودیوں کا نسلی تفاخر	....
29-	Hitler's Europe	Toynbee
30-	Encyclopedia Britanica	
31-	2nd World War Atlas	آکسفورڈ پریس
32-	The Holocaust	Peter Neville (Cambridge)
33-	Rommel The Desert Fox	Desmund Yoump
34-	ہٹلر اعظم	پروفیسر چندر شیکھر شاستری
35-	داستان ہٹلر	پروفیسر عبدالرحمن
36-	Slaughter House Fire	Kurt Vorregut
37-	Wikipedia Encyclopedia	
38-	Text of Treaty of Versailes	
39-	بیسویں صدی کے فوجی حکمران	مرتضیٰ انجم
40-	داستان ہٹلر	پروفیسر عبدالرحمن عبد
41-	ترک ہٹلری	مترجم محمد ابراہیم علی چشتی
42-	ہٹلر اعظم	پروفیسر چندر شیکھر شاستری

http://www.yadvashem.org
www.jewishvirtuallibrary.org/jsource/holo.html
www.zundelsite.org/english/harwood/Didsix01.html
www.vho.org/aaargh/eng/RassArch/PRdebunk/PRdebunk13A.html
www.jewishgen.org/Forgottencamps/Camps/BuchenwaldEng.html
www.holocaust-history.org/dachau-gas-chambers
www.jewishgen.org/Forgottencamps/Camps/stutthofEng.html

